کیا آپ قیامت کے دن امام حسینؓ کی جماعت میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟

(هل تحب أن تكون في وفد الإمام الحسين يوم القيامة)

تالیف:

ابو معاذ/ طلال بن معیض بن احمد الحارثی

talaolmrane@hotmail.com

مترجم:

مجموعہ موحدین

طبع اول: ۱۴۴۰ھ / ۲۰۱۸ء

ح طلال معيض الحارثي، ١٤٤٠هـ

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

الحارثي، طلال معيض

هل تحب أن تكون في وفد الإمام الحسين يوم القيامة. / اردو . / طلال معيض الحارثي .

- . ، ١٤٤٠ هـ

..ص ؛ ..سم

ردمك: ٧ - ٨٥٩٠ - ٠٢ - ٦٠٣ - ٩٧٨

١ - الشيعة . أ. العنوان

ديوي ٢٤٧ ٣٤٤٨ / ١٤٤٠

رقم الإيداع: ٣٤٤٨ / ١٤٤٠

ردمك: ٧ - ٨٥٩٠ - ٠٢ - ٦٠٣ - ٩٧٨

انتساب

ہر اس شیعہ کے نام جو اطمینان و سعادت چاہتا ہے تا کہ اپنے رب کے نور کی روشنی میں اس کی عبادت کر سکے۔

(طباعت اور ترجمہ کے حقوق ہر مسلمان مرد و عورت کو حاصل ہیں)

أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم

اللہ تعالی کافرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْنَٰهُم بِكِتَٰبٍ فَصَّلْنَٰهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝٥٢ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُۥ ۚ يَوْمَ يَأْتِى تَأْوِيلُهُۥ يَقُولُ ٱلَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِٱلْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوا۟ لَنَآ أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ ٱلَّذِى كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَفْتَرُونَ ۝٥٣﴾ [الأعراف: ٥٢-٥٣].

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچادی ہے جسکو علم و دانش کے ساتھ کھول کھول کر بیان کردیا ہے (اور) وہ مومن لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ کیا یہ لوگ اس کے وعدۂ عذاب کے منتظر ہیں۔ جس دن وہ وعدہ آجائے گا توج ولوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں گے کہ بےشک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یاہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیئے جائیں کہ جو عمل (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) انکےسوا اور (نیک) عمل کریں۔ بےشک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا۔

"اے اللہ! اے جبرائیل و میکائیل و اسرافیل کے رب! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! اے غیب و موجود کو جاننے والے! اپنے بندوں کے مابین ہونے والے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے، حق میں جو کچھ بھی اختلاف کیا گیا اپنے حکم سے اس میں میری رہبری فرما۔بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے"۔[1]

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الدعاء في صلاۃ اللیل و قیامہ، حدیث نمبر: ٧٧٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

فہرست مضامین .... أ

مقدمہ 1

کیا حسین رضی اللہ عنہ پر رونا شعائرِ اسلام میں سے ہے؟ 9

اگر اللہ اور اس کا رسول ﷺ آپ سے محبت کرتے ہیں تو حسین رضی اللہ عنہ بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ 18

وہ رونا جو اللہ کے ہاں مستحب ہے 24

اللہ نے اپنی کتاب کے تزکیہ اور اس بات پر قسم اٹھائی کہ وہ روشن توشہ روح ہے جو اللہ کی محبت اور اس کی جنت تک لے جاتی ہے۔ 34

اہل تشیع کا مذہب ان کی سوچ کو اپنا تابع بنا کر اصل دین اور قرآن کو دلیل بنانے سے دور کر دیتا ہے۔ 46

شیعہ کے نزدیک تحریفِ قرآن کی وجوہات میں سے ایک خطرناک وجہ 67

اہلسنت اور شیعہ تفاسیر کے مابین بہت زیادہ اور وسیع فرق ہے۔ 77

قرآن سے کچھ ایسے جوابات جو شیعہ حضرات کو دینِ حنیف کی طرف لے جاتے ہیں۔ 83

شیعہ علماء کے معتمد مصادر سے تحریفِ قرآن کا اثبات جو ان کے ایمان کے خرابی کی دلیل ہے۔ 116

قرآن میں عدمِ تحریف کے قائل چار اہلِ تشیع علماء کا مسلکی علماء کی طرف سے کا رد 123

قرآن کریم سے اسلام کے ارکانِ خمسہ کا ثبوت 131

شہادتین پر قرآن کریم سے اہل سنت کے دلائل 134

ولایت کے قرآن کریم سے اثبات کے لئے شیعہ مذہب کے دلائل 138

ولایت کے بارے میں شیعہ کی طرف سے اہم قرآنی دلائل پر گفتگو..144

ائمہ نے ایسے معجزات نہیں چھوڑے جوان کا مقام ثابت کرتے ہوں جیسا کہ نبیﷺ کے لئے قرآن وسنت میں معجزات کا ذکر ہے۔ 167

شیعہ روایات کا جائزہ 190

شیعہ لوگ شرک جیسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہیں 200

شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبیﷺ کے چند صحابہ کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تھے......................................219

شیعہ اپنے ائمہ کی طرف علمِ غیب کو منسوب کرتے ہیں 226

شیعہ ہر شے میں ائمہ کی طرف مطلق عصمت کو منسوب کرتے ہیں 232

دینِ شیعہ نے جمعہ کی نماز کو چھوڑ دیا 243

شیعہ کے امام مہدی مسجدِ حرام کو منہدم کر دیں گے 246

امامِ مہدی کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ شیعہ کے عقیدے سے بالکل مختلف ہے 248

شیعہ مذہب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تکفیر کرتا ہے 252

خُمس کو فرض قرار دینے میں شیعہ علماء کے اپنے مقاصد اور خواہشات کارفرما تھیں 265

شیعہ مذہب میں عورت وراثت کی حقدار نہیں 268

اسلام میں متعہ کی حقیقت 270

شیعہ عقیدہ کے مطابق خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں 279

شیعہ کے نبیﷺ پر بھیجے جانے والے درود کے الفاظ ناقص ہیں 281

نبیﷺ پر طعن زنی کرنے والی شیعہ روایات 283

شیعہ کی کتابیں نفرت انگیز روایات سے بھری ہوئی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ وہ گھڑی ہوئی ہیں 288

شیعہ کی روایات کا مفہوم اچھا نہیں ہوتا اور ایسے فحش امور کی دعوت دیتی ہیں جو اسلام کے شایانِ شان نہیں 292

شیعہ کی بہت سی روایات ایک دوسرے سے متناقض ہیں 297

شیعہ کی بعض عبادات کے ثواب کے بیان میں مبالغہ آرائی 315

شیعہ کی اہم بنیادی کتابیں من گھڑت اور گھڑی ہوئی احادیث سے بھری پڑی ہیں 316

تقیہ کی وجہ سے دینِ شیعہ کے احکام ضائع ہوگئے اور احادیث کا آپس میں اختلاف ہوگیا 318

اہلِ سنت اور شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز 320

اہلسنت کے ہاں تدوین حدیث 320

شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز 326

اہلسنت اور شیعہ کی اہم اور مشہور کتبِ حدیث کی تدوین کی تاریخ 334

شیعہ مذہب کے بانیان اپنی کتابوں میں اہلسنت کی کتابوں سے روایات نقل کرتے ہیں جو تدوین میں ان سے بیسیوں سال سبقت رکھتے ہیں: 336

خطرناک اعترافات جو شیعہ مذہب کی اہم ترین اور بنیادی کتابوں کی حقیقت کا پول کھولتے ہیں: 344

شیعہ روایات کے اہم راویوں کے احوال 347

جابر بن یزید الجعفی: 347

مفضل بن عمر الجعفی: 349

ابو بصیر اللیث المرادی: 349

زرارہ بن اعین: 351

برید بن معاویہ العجلی: 352

محمد بن مسلم: 352

شیعہ علماء کی دھوکہ بازیاں اور ان کی دسیسہ کاریاں 353

شبہ کہ اہلسنت والجماعت صحابہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں کا رد 376

اہلسنت اور شیعہ کے مابین اختلاف کیا ان کے مابین اتفاق ہو سکتا ہے؟ 389

شیعہ اہلسنت کی مخالفت کے وجوب کو عبادت سمجھتے ہیں 390

ان اقوال واعمال میں اہلسنت اور شیعہ کے مابین فرق جو ان کے نزدیک عبادت ہیں 392

شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے (العیاذ باللہ) 397

روزِ قیامت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار 399

شیعہ اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں 401

اہلسنت اور شیعہ کے ہاں فرض نمازیں 405

شیعہ کا روزہ اہلسنت کی روزے سے مختلف ہے 410

شیعہ مذہب میں فریضۂ حج کی حقیقت 412

اہلسنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہیں 414

شیعہ حقیقی اسلام سے آگاہ نہیں ہیں 423

شیعہ کی بڑی بڑی شخصیات جنہوں نے دینِ حق یعنی مذہبِ اہلسنت کی طرف منتقل ہونے کا اعلان کیا 426

ثابت شدہ حقائق جو شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کی حقیقت واضح کرتے ہیں 434

کیا عقیدے کی صحت کے بارے میں تحقیق کرنا درست ہے؟ 454

اہلسنت کے مصادر ومراجع 457

شیعہ مصادر ومراجع 461

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين الذي أنزل بالحق الكتب هدى ونورا، وأرسل الرسل مبشرين ومنذرين وأمدهم بالمعجزات والبراهين، فأقام الحجة على العالمين، ولم يجعل لأحد من خلقه عليه حجة. والصلاة والسلام على سيد ولد آدم، محمد خاتم الأنبياء والرسل، الرحمة المهداة الرؤوف الرحيم، السراج المنير صاحب الخلق العظيم الذي ما من خير إلا دلنا عليه، وما من شر إلا حذرنا منه.ونسلم على أهل بيته الطيبين الطاهرين، والصحابة الكرام المتقين، ومن اهتدى بهديهم، واقتفى أثرهم إلى يوم الدين، أما بعد:

(تمام تعریفیں جہانوں کے اس رب کے لئے ہیں جس نے سچی کتاب کو ہدایت و نور بنا کر اتارا، اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسولوں کو بھیج کر معجزات و براہین کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور یوں تمام جہانوں پر اپنی حجت قائم فرما دی اور اپنی مخلوق میں سے کسی کے لئے اپنے خلاف کوئی حجت باقی نہ رہنے دی۔ درود و سلام ہو بنی آدم کے سردار محمد ﷺ پر جو خاتم الانبیاء و الرسل ہیں، جنہیں رحمت، مہربانی اور رحم ودیعت کی گئی، جو روشن چراغ ہیں اور عظیم اخلاق کے مالک ہیں، ہر نیکی کی طرف آپ نے ہماری راہنمائی فرمائی اور ہر برائی سے آپ نے ہمیں متنبہ فرمایا۔ ہم سلام پیش کرتے ہیں آپ کے پاکیزہ و طاہر اہلِ بیت، پرہیزگار صحابہ کرام اور قیامت تک آنے والے ان تمام لوگوں پر جو ان کی سیرت پر گامزن ہوئے اور ان کے نقشِ قدم پر چلے، اما بعد:-

اس کتاب کا روئے سخن دراصل شیعہ مکتبِ فکر کے تمام فرقوں کی طرف ہے ۔ میں نے یہ کتاب شیعہ مکتبِ فکر کے بنیادی مصادر کے طویل مطالعے اور ان کے علماء اور واعظین کے بیسیوں لیکچر اور دروس سننے کے بعد لکھی ہے۔

میں نے طویل عرصے تک ان کے دینی ٹیلی وژن چینلز دیکھے اور انٹرنیٹ کے ذریعے ان کے مشہور فقہاء اور معروف داعیان کی اکثرذاتی ویب سائٹس کو دیکھا اور ان میں سے بہت سوں کے ساتھ میری خط و کتابت بھی رہی۔

شیعہ عقائد کے حقائق بیان کرنے کے لئے میں نے اہل سنت میں سے بہت سارے حضرات کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی اور براہِ راست اور سماجی رابطوں کی ویب سائٹس کے ذریعے شیعہ عوام اور ان کے طالب علموں کی ایک بڑی تعداد سے آگاہی حاصل کی۔ میرے ذہن میں موجود بہت سے سوالوں کے جواب بھی مجھے ملے، اس سب کا مقصد یہ تھا کہ میں ان کے اندرونی رازوں کو جان سکوں، کیوں کہ یہ لوگ تقیہ کرتے ہیں خصوصاان لوگوں کے ساتھ جن کو وہ اپنا دشمن خیال کرتے ہیں۔

تقیہ دوسرے لوگوں سے قطع نظر خود شیعہ حضرات کے لئے پریشان کن ہے کیونکہ بہت سے مسائل میں یہ تناقضات پیدا کرنے کا سبب بنتا ہےاور یہ بات ایک ہوشمند شخص کو ان کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے میں متذبذب کر دیتی ہے۔جس کے نتیجے میں عام آدمی ان کے حقیقی حالات اور دینی عقائد سے آگاہ نہیں ہو پاتا سوائے اس شخص کے جو ان کی کتابوں، عقائد اور فتاوی کا علم اور گہری واقفیت رکھتا ہو۔ میں خود بھی جب شیعہ مذہب کے کچھ مسائل میں اپنے آپ کو بسا اوقات حیران و پریشان کھڑا پاتا تو شیعہ یا اہل سنت کے فورمز پر پڑھے لکھے شیعہ افراد سے مناظرے اور گفتگو کرتا، شیعہ حضرات سے سوالات کرتا اور بہت غور و فکر اور گہری تحقیق کے بعد ان کے جوابات کے ذریعے اپنی مطلوبہ معلومات میری رسائی ہوتی۔

معروف شیعہ عالم "یوسف البحرانی" کہتے ہیں:

"دین کے جو احکام یقینی طور پر معلوم ہیں وہ بہت ہی کم ہیں کیونکہ دینی معلومات تقیہ پر مشتمل امور کے ساتھ خلط ملط ہو چکی ہیں جیسا کہ اس کا اعتراف ثقہ اسلام اور علم الاعلام محمد بن یعقوب کلینی نے اپنی کتاب جامع الکافی میں کیا ہے"۔[1]

البحرانی کہتے ہیں: "شیعہ کی بہت ساری معلومات ازراہِ تقیہ آئی ہیں جو حقیقت میں حکمِ شرعی کے خلاف ہوتی ہیں"۔[2]

شیعہ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کو سمجھنے اور اس کی تصدیق کرنے میں میرا پہلا اور آخری اصول یہی رہا کہ اس میں عجلت نہ کی جائے۔ چنانچہ میں جس چیز کو بھی ان کی طرف منسوب کرتا

1۔ الحدائق الناضرة في أحكام العترة الطاهرة، ج: ۱، ص: ۵، الحديث قواعد، ص: ۱۳۲

2۔ سابقه مصدر، ج: ۱، ص: ۸۹

ہوں یا جس شے کے بارے میں بھی گفتگو کرتا ہوں وہ ان کے عقائد میں ثابت شدہ ہوتی ہے، خواہ وہ ان کی معتبر کتابوں میں مذکور ہو یا ان کے معتبر علماء کے ہاں ہو۔

میری یہ کوشش رہی کہ حقیقی اور معتبر ذریعے سے حقیقت تک میری رسائی ہو ۔ میں نے اپنی معلومات اور ملاحظات کو پورے انصاف کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اللہ نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی، چنانچہ سب تعریف و احسان اسی کا ہے۔

بعض اہلِ علم اور تجربہ کار لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں شیعہ کے بارےمیں لکھنے سے گریز کروں کیونکہ ان کے رد میں اہل سنت نے بیسیوں کتابیں لکھی ہیں جو کافی و شافی ہیں۔ ان میں سے اکثر کو میں نے پڑھا اور میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے بہت اچھا اور عمدہ کام کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیرا۔

چونکہ اہل سنت کی طرف سے شیعہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا وہ زیادہ تر شیعہ مذہب کے حقائق بیان کرنے اور حجت اور ناقابل ترید دلائل کے ساتھ اس مذہب کا پول کھولنے کے لئے تھا، اس لئے اگر میں بھی وہی کچھ کرتا جو مجھ سے پہلے والے لوگوں نے اس میدان میں کیا تھا تو میری یہ کتاب ایک طرح کی تکرار ہوتی اور میں کوئی نئ چیز سامنے لانے سے قاصر رہتا۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں شیعہ حضرات کے ساتھ سماجی روابط کی ویب سائٹس پر گفت و شنید پر اکتفاء کروں۔ اس کتاب کو لکھنے کا خیال مجھے بہت زیادہ آتا خاص طور پر جب میں قرآن کریم پڑھتا۔ میں جب بھی اللہ کی کتاب پڑھتا مجھے حیرت ہوتی کہ شیعہ لوگ فلاں بات یا اپنے مذہب کے فلاں عقیدے کو کیسے مان رہے ہیں حالانکہ یہ آیت صریح طور پر ان کے خلاف جا رہی ہے۔ وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ائمہ غیب جانتے ہیں ۔ کلینی اپنی کتاب الکافی کی کتاب الحجہ میں ذکر کرتے ہیں: "امام وہ سب جانتا ہے جو ہو چکا اور جو آئندہ ہونا ہے اس کو بھی جانتا ہے اور اس پر کوئی شے مخفی نہیں ہے"، جب کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ٱلْغَيْبَ إِلَّا ٱللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾﴾ [النمل: ٦٥].

«اِن سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا، اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے»۔

اور اسی طرح فرمایا:

﴿فَقُلۡ إِنَّمَا ٱلۡغَيۡبُ لِلَّهِ﴾ [یونس: ٢٠].

«آپ کہہ دیں کہ غیب کی بات تو صرف اللہ ہی جانتا ہے»۔

میں جانتا تھا کہ بہت سی ایسی خطرناک فکری رکاوٹیں ہیں جنہوں نے شیعہ عوام کو کتاب اللہ پر صحیح تدبر سے دور کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے مراجع اور علماء کے پیچھے بنا کسی بحث و مباحثہ چلے جاتے ہیں۔ شیعہ سماج اور خاص طور پر ان میں سے اَن پڑھ اور کمزور لوگوں پر میں دل میں کڑھتا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ایک ایسی کتاب لکھوں جس میں شیعہ افراد سے ایک خاص نرم اور گہرے انداز سے خطاب کیاجائے، جس میں قرآن کریم سے دلائل پیش کئے جائیں جو سب سے سچا اور بہتر کلام ہے۔ تا کہ اس کے سامنے اطاعت کی پیشانی ٹیکنے اور عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔

چونکہ میری چاہت تھی کہ یہ کتاب میرے دل کی زبان سے شیعہ مکتبِ فکر سے وابستہ لوگوں کے دلوں تک پہنچے، اس لئے میں بہت گہرائی میں جا کر سوچتا رہا کہ میں کس طرح ایسی کتاب تیار کروں جس کو شیعہ لوگ پوری کشادہ دلی اور وسعت ظرفی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسی لئے ان کی نفسیات اور امامت و ولایت کے بارے میں ان کے تعصب سے متعلق میرا تجربہ بہت وسیع ہے۔

میں اہل سنت مناظرین اور بحث و مباحثہ کرنے والوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ وہ بیانِ حجت کے لئے زیادہ تر کتاب اللہ کا سہارا لیں ۔میرا ان کو کہنا تھا: اگر شیعہ لوگوں کا کتاب اللہ کے ساتھ تعلق ہم مضبوط کر لیں اور ان کو اس پر صحیح فہم کے ساتھ غور و تدبر کی طرف واپس لے آئیں تو تمام رکاوٹیں ختم ہوجائیں گی اور وہ تمام باتوں کو بہت جلد بآسانی سمجھ لیں گے۔

میں کسی سے یہ بات نہیں چھپاتا کہ اس کتاب کی تصنیف اور اس کی پبلشنگ میں مجھے جو مشکلات پیش آئی ان کوصرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور ایسا کیوں کر نہ ہوتا جب کہ شیعہ عقائد باہم دگر اس طرح ٹکراتے ہیں جس طرح سمندروں میں موجوں کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔ تشیع نے شیعہ مذہب کے پیروؤں کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا ہے جو ہر جانب سے جکڑے ہوئے ہیں۔ حق کی طرف ان کے لوٹنے میں دشواری کا سبب وہ سختی ہے جو حق اور اہلِ حق کے بارے میں برے خیالات

رکھنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں پیداہو چکی ہے۔ یہ خیالات ان کے دل و دماغ میں نقش ہو چکے ہیں ۔ اللہ کی توفیق سے صرف وہی شخص ہی ان سے چھٹکارا پا سکتا ہے جس کی ٹھنڈے دماغ سے سمجھنے والا اور رغبت رکھنے والا ہو ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ شیعہ کے اصول و مبادی اور ان کی تشریعی کتب سب ٹھیک ہیں۔ جو شخص حق کے ساتھ ان سے بحث کرنا چاہتا ہے اس کے لئے دروازہ پوری طرح کھلا ہے۔ ان کی اغلاط اور متضاد افکار بالکل واضح ہیں اور بے شمار ہیں۔ اس کا اعتراف ان میں سےان بہت سے افراد نے کیا جو جادہ صواب کی طرف لوٹ آئے خاص طور پر وہ افراد جو سمجھ دار نوجوان طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مذہبِ تشیع درجہ بدرجہ اس حد کو پہنچ گیا کہ اسے دیکھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔

سب سے پہلے ہر شیعہ کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ان کا دماغ ان بنیادی امور کی بنا پر مقید ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ شیعہ مذہب کے پیروکار جو اگر سارے نہیں تو اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف اہلِ بیت کی محبت دخولِ جنت کے لئے کافی ہے اور یہ عقیدہ انہیں قیامت کے دن سوال و حساب سے بچا لے گا۔

میں احتیاط کا دامن تھامے ہوئے خاص طور پر شیعہ کے ان غافل افراد کو متنبہ کرتا ہوں جو دنیا کی زندگی اور زیب وزینت میں مشغول ہیں اور فطرت و عقل اور علم کے میزان کے ساتھ اللہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے حقیقت کی تلاش کو فراموش کر چکے ہیں۔

میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ شیعہ لوگ (اللہ ان کو ہدایت دے) کتاب اللہ کو ترک کر چکے ہیں اور وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر وہ قرآن پڑھ بھی لیں تو تب بھی ان کے ہاں ایسے غلط دینی تصورات پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ کی کتابِ عظیم کو اس طرح نہیں سمجھ سکتے جس طرح سمجھنا چاہیے۔

میں نے اپنی اس کتاب میں اللہ تعالی کی کتاب کو دلیل بنایا ہے کیونکہ قرآن کریم وہ نور ہے جس کو بجھانا ممکن نہیں ہے اور جس سے فطرت سلیمہ کو راحت اور پاکیزہ و صاف دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

جس طرح اللہ نے ہر شے کو بہترین کاریگری سے تخلیق فرمایا، سات آسمان اوپر تلے اس طرح بنائے کہ رحمن کی اس کاریگری میں آپ کو کوئی خلل نظر نہیں آئے گا، انسان کو پیدا فرمایا اور بہترین صورت پر بنایااور اس میں روح پھونکی، بالکل اسی طرح اس نے اپنی شریعت کو بھی بہترین انداز پر بنایا تاکہ قیامت کے

دن کسی کے پاس اللہ کے خلاف کوئی حجت نہ ہو ۔ چنانچہ اللہ نے اپنا کلام کتاب کی شکل میں اتارا اور اس کو دستور، ہدایت اور نور بنایا۔ یہ کتاب آخرت میں اس ناتواں اور تہی دامن انسان کے لئے توشہ ہے جسے نا چاہتے ہوئے بھی اللہ (موت کے بعد) دوبارہ کمزور و تہی دامن اور تن تنہا اٹھائے گا تا کہ اللہ کی کتاب کے امتحان کا نتیجہ معلوم کر سکے۔ اور نتیجہ دو راستوں میں سے ایک ہو گا تیسرا کوئی راستہ نہیں، یا تو وہ جنت کی طرف جائے گا یا پھر جہنم کی طرف۔

چنانچہ حق کے ہر متلاشی اور انصاف پسند شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے درج ذیل امور سرانجام دے:

اولا: اللہ عز و جل سے مدد طلب کرے۔ اور پورے اخلاص کے ساتھ یہ دعا کرے کہ وہ اسے راہِ صواب اور ان باتوں کی اتباع کی توفیق دے جن کو وہ پسند فرماتا ہےا ور جو اس کی خوشنودی کا باعث ہیں۔

دعا کا آغاز اللہ کی حمد و ثنا اور اس کے برگزیدہ نبی ﷺ پر درود و سلام کے ساتھ کرے اور اسی کے ساتھ دعا کا اختتام بھی کرے۔ یہ دعا کی قبولیت کے اہم ترین اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ دعا کی قبولیت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بصیرت کا الہام ہو، حق کو اچھے انداز میں قبول کرنےاور تصدیق میں اعراض و تکبر سے گریز کیا جائے۔

ثانیا: اے انصاف پسند شخص ! آپ ایک امانت دار وکیل کی طرح بنیئے جو کیس کا ہر جانب سے مطالعہ کرتا ہے۔فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرتا ۔ ضروری ہے کہ آپ اس کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک پوری پڑھیں اور اسی ترتیب سے پڑھیں۔ یہ نہ ہو کہ اس کتاب کے ابواب میں سے کسی باب کو چھوڑ دو اور پہلے باب کو پڑھے بغیر بعد والا پڑھنے لگ جاؤ۔

یہ بات کہنے کا مقصد یہ ہے تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہواور حق مان کر اس کی تصدیق کی جائے ۔ اے حق کے متلاشی! راہ حق پر گامزن ہونے سے گھبراؤ مت !کیونکہ حق اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

اس کتاب میں آپ یہ بات دیکھیں گے کہ :حقیقت کو بنا کسی پیچیدگی اور غیر ضروری تکلف کے آسان انداز میں پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میری طرف سے حق کو قبول کرنے والے ہرانصاف پسند شیعہ کا عزت و احترام ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ بچپن سے دل میں راسخ

ہوئے افکار کو بڑی عمر میں چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مجھے امید ہے کہ دل میں حق جان کر زبان سے اس کا اظہار کرنے میں تردد نہیں کیا جائے گا۔ یہ رویہ حق کو دانستہ جھٹلانے اور اپنے آپ پر ظلم کرنے میں شمار ہوتا ہے۔ اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿فَإِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ يَجۡحَدُونَ﴾ [الأنعام: ۳۳]

«وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیات کا جانے بوجھے انکار کرتے ہیں»۔

جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے وہ حق کا دانستہ انکار نہیں کرتا اور قیامت کے دن اپنے حال کو یاد رکھتا ہے۔ جو شخص عزیز و اقارب، والدین، اہلِ خانہ اور بچوں سے محبت کرتا ہے اور ان کے بارے میں خوف رکھتا ہے کہ وہ کہیں دنیا کی ہلاکتوں کا شکار نہ ہو جائیں اس کے لئے تو یہ بطریق اولی ضروری ہے کہ اس دن کا خوف رکھے جس دن ان کے مابین کوئی انساب باقی نہ رہیں گے، فزع اکبر (بہت گھبراہٹ) کا وہ دن جس دن بعث بعد الموت کی ہولناکیوں، طولِ انتظار اور جو کچھ ہونے والا ہو گا اسے دیکھ کر بچے بھی بوڑھے ہو جائیں۔یہ دن بنا کسی شک کے آنے والا ہے اور اس شخص کے کندھوں پر اور بھی زیادہ ذمہ داری آتی ہے جس کو اللہ نے دوسروں کا نگران بنایا ہو۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقِفُوهُمۡۖ إِنَّهُم مَّسۡـُٔولُونَ ۝٢٤ مَا لَكُمۡ لَا تَنَاصَرُونَ ۝٢٥ بَلۡ هُمُ ٱلۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُونَ ۝٢٦﴾ [الصافات: ۲۴-۲۶]

«اورانہیں کھڑا کرو۔ ان سے دریافت کرنا ہے کہ تمہیں کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے، بلکہ آج کے دن وہ سر جھکائے کھڑے ہوں گے»۔

میرے الفاظ دل سے نکلے ہیں اور ان کا رخ ہر اس شیعہ کے دل کی طرف ہے جو اس روئے زمین پر اور اس آسمان تلے موجود ہے خاص طور پر وہ باشعور نوجوان جو اصلاح کے متلاشی ہیں۔ میرے الفاظ ہر اس شخص کے لئے ہیں جن کے پاؤں حیرت و پریشانی کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں، جن پر جہالت کا غلبہ ہے، جو آخری عمر کو پہنچ چکے ہیں، اور میرے الفاظ کا رُخ ان تمام عورتوں اور بچوں کی طرف ہے جو مغلوب الحال ہیں۔

اس کتاب کے پڑھنے والے کو اس میں کوئی ایسا خفیہ اور جھوٹ و فریب سے ملمع شدہ فلسفہ نہیں ملے گا جو انصاف کو الٹ دے اور حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دے۔ ہم صریح نقلی اور عقلی دلیل سے بات کرتے ہیں اور فطرتِ سلیم رکھتے ہیں۔ ہمیں جھوٹ اور تدلیس کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ اللہ کا دین اس کی کافی اور ناقابل تردید آیاتِ بینات سے نصرت یافتہ ہے ۔

کیا حسین رضی اللہ عنہ پر رونا شعائرِ اسلام میں سے ہے؟

جب ہم شیعہ حضرات کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں ان میں بہت سی ایسی روایات ملتی ہیں جو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے حادثہ پر گریہ کناں ہونے پر اُبھارتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شیعہ معاشرے میں حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص شعائرکا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ ان شعائر میں سے ایک یومِ عاشوراء ہے جس میں امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ یہ تعزیت و مصیبت اور غم کا دن کہلاتا ہے۔

تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر شیعہ معاشرے میں حسین رضی اللہ عنہ کو اتنی کثرت سے کیوں کر یاد کیا جاتا ہے؟ اور ان پر اتنا زیادہ کیوں رویا پیٹا کیا جاتا ہے؟ جب کہ اس کے مقابلے میں اہلسنت حسین رضی اللہ عنہ پر نہ تو روتے ہیں اور نہ ہی شیعہ لوگوں کی مانند اپنے چہرے پیٹتے ہیں حالانکہ حسین رضی اللہ عنہ سے محبت تو وہ بھی کرتے ہیں!؟

میں نے بیسیوں شیعہ نوجوانوں سے یہ سوال پوچھا۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد نے تو یہ جواب دیا کہ: "تم لوگ سچے دل سے حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتے جیسے کہ ہم کرتے ہیں"۔ کچھ دوسرے نوجوانوں کا جواب یہ تھا کہ: "تم لوگ سرے سے حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہی نہیں ہو، کیوں کہ تم ان پر بالکل بھی نہیں روتے حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر روئے تھے"۔ نوجوانوں کی ایک قلیل تعداد تھی جن کا یہ کہنا تھا کہ: "ہم یہ تو نہیں کہتے کہ تم حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتے تاہم اپنی محبت میں تم ابو بکر وعمر اور عثمان کو ان پر مقدم رکھتے ہو۔ اس لئے اپنی محبت میں تم حق تلفی اور بے انصافی کے مرتکب ہوتے ہو"۔

ان نوجوانوں کی کثرت جس کا یہ گمان ہے کہ ہم حسین رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتے ان کو میں یہ کہوں گا کہ : "ہمیں محض ظن و گمان پر کھڑے کئے گئے استدلالات نہیں چاہئیں ۔ کسی شے کو صرف اور صرف دلیل ہی سے ثابت کیا جا سکتا ہے"۔ میں نے ان میں سے بیسیوں نوجوانوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اہلسنت کے مصادر سے کچھ ایسے دلائل پیش کریں جن سے ان کے اس گمان کی تصدیق ہوتی

ہو چاہے وہ ایک روایت ہی کیوں نہ ہو یا کوئی ایسی عبارت ہی دکھا دیں جس میں حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص و مذمت کی گئی ہو، لیکن ان میں سے کوئی بھی نوجوان کسی ایسی روایت یا عبارت کو پیش نہ کر سکا۔

بلکہ میں نے ان کے سامنے اہلسنت کی کتابوں سے کچھ ایسی احادیث نکال کر رکھیں جن میں حسین رضی اللہ عنہ کی تعریف کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ دونوں محمد ﷺ کے پھول ہیں اور آپ ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ان دونوں کے لئے جنت کی بشارت ہے اور ان کے دیگر پاکیزہ مناقب کا ذکر کیا گیا ہے۔

تمام اہلسنت چاہے وہ علماء میں سے ہوں یا عوام الناس،ان احادیث کی اپنے کتابوں میں موجودگی سے بخوبی آگاہ ہیں اور یہ ان کے مابین معروف ہیں۔ بلاشبہ یہ اس بات کی بہت زبردست دلیل ہے کہ اہلسنت و الجماعت حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے ان کے تقوی، نیکی اور نبی ﷺ سے ان کی قرابت کے بسبب محبت رکھتے ہیں کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔

اس بارے میں اہلسنت جو احادیث روایت کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث ہے جو یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ جو حسین سے محبت کرے اس سے اللہ محبت کرے۔ حسین میری اولاد میں سے ہے"۔[1]

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ سنی معاشرے میں حسین رضی اللہ عنہ پر اس قدر کیوں نہیں رویا جاتا جتنا شیعہ روتے ہیں تو اس کے بارے میں میں یہ کہوں گا کہ: "اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلسنت کو ان کی شریعت حسین رضی اللہ عنہ پر رونے کا حکم نہیں دیتی"۔

اگر اہلسنت کے علماء اور مشائخ کی کتبِ حدیث میں بھی ایسی روایات ہوتیں جن میں حسین رضی اللہ عنہ پر رونے کی ترغیب دی گئی ہوتی اور اس کی فضیلت کا بیان ہوتا تو وہ مساجد کے منبروں پر نہ صرف خود حسین رضی اللہ عنہ پر گریہ کناں ہوتے بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی رُلاتے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی شیعہ یہ کہے کہ مسند امام احمد اور مسند بزار اور مسند ابو یعلی میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ: "میں ایک دن نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا کسی نے آپ کو ناراض کیا

1۔ ترمذی: ۳۷۷۵، مسند احمد: ۱۷۱۱۱

ہے؟ کیا وجہ ہے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ کچھ دیر قبل میرے ہاں سے جبرائیل اٹھ کر گئے ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ حسین کو دریائے فرات کے کنارے قتل کر دیا جائے گا۔ پھر جبرائیل نے پوچھا کہ: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو ان کی اس مٹی کی خوشبو سونگھاؤں (جس پر ان کا خون بہے گا؟)۔ میں نے کہا: ہاں۔ اس پر جبرائیل نے ہاتھ بڑھا کر ایک مشت خاک اٹھا کر مجھے دے دی۔ اس لئے میں اپنی آنکھوں کے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا"۔

اپنی کتاب مجمع الزوائد میں علامہ الہیثمی اس حدیث کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ معجم طبرانی میں ہے کہ اس کی سند بہت ضعیف ہے۔ شیخ ارناؤوط کہتے ہیں: "اس حدیث کی سند ضعیف ہے"۔ ابو یعلی اپنی مسند میں فرماتے ہیں: "اس کی سند متصل ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں"۔ اس حدیث کے بارے میں دیگر لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ: "اس کی سند حسن ہے"۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ صحیح ابن حبان، ابن عساکر کی تاریخِ دمشق اور دیگر کتب میں بھی آئی ہے۔

ہم مان لیتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ کہ نبی ﷺ واقعی حسین رضی اللہ عنہ پر روئے تھے اور ایسا تب ہوا تھا جب آپ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تھی کہ آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد انہیں قتل کر دے گی۔ رونے کا تعلق اس وقت اور ان لمحات کے ساتھ ہے۔ کسی مصیبت بھری بات کو سن کر رونے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک فطری سی بات ہے جس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ نبی ﷺ خدیجہ، ابوطالب، جعفر، حمزہ اور اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر بھی تو روئے تھے اور غمزدہ ہوئے تھے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے یہاں اس وقت تشریف لائے جب ان کا دم نکل رہا تھا۔ اس پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا: "یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں!؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن عوف! یہ رونا رحمت کا سبب ہے"۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آنکھ سے آنسو جاری ہیں اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائیگی پر غمزدہ ہیں"[1]

1۔ بخاری: ۱۳۰۳

لیکن کیا نبی کریم ﷺ ان تمام پر ہمیشہ روتے تھے!!؟ (ظاہر ہے کہ نہیں)، چنانچہ اس حدیث سے اس بات کا جواز نہیں نکلتا کہ حسین رضی اللہ عنہ پر مسلسل رویا جائے یا ایسا کرنے کو ایک قابل اتباع سنت بنا لیا جائے۔

اگر شدید اور بار بار کا رونا ہی محبت کا پیمانہ ہوتا تو ہماری اس طویل گریہ زاری کے سب سے زیادہ حق دار اس امت کے نبی، خاتم الرسل اور اللہ کے خلیل محمد ﷺ ہوتے۔ اگر یہی محبت کا معیار ہوتا تو پھر ہم ایک ایک کرکے تمام اہل بیت اور بہت سے صحابہ کرام پر روتے اور یوں ہماری زندگی صرف رونے دھونے میں ہی صرف ہو جاتی۔ کیا ہم صرف رونے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔۔!!؟

پھر کیا وجہ ہے کہ شیعہ لوگ علی رضی اللہ عنہ پر نہیں روتے حالانکہ ان کے ائمہ میں وہ سب سے افضل امام ہیں اور انہیں بھی دھوکے سے قتل کیا گیا تھا!؟ بلکہ زیادہ بہتر ہو گا اگر ہم یوں سوال کریں کہ: " آپ نبی ﷺ کی ذات پر اس شدت کے ساتھ کیوں نہیں روتے پیٹتے جیسے حسین رضی اللہ عنہ پر روتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ کی وفات مسلمانوں کو پیش آنے والی سب سے بڑی آزمائش تھی جو کہ حسین رضی اللہ عنہ کی وفات سے بھی کہیں بڑی تھی۔ کیا آپ ﷺ حسین رضی اللہ عنہ میں سے نہیں ہیں کیوں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں"۔

حیرانگی ہوتی ہے کہ آخر کس وجہ سے شیعہ لوگ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر تو روتے یا رونے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ ان کے ہمراہ قتل ہونے والے دیگر افراد جیسے ان کے بھائی ابو بکر، ان کے بیٹے ابو بکر اور عمر بن علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قتل پر نہیں روتے۔ کیا یہ لوگ اہلِ بیت میں سے نہیں تھے؟۔ یہ سب کچھ شیعہ کی اپنی کتابوں میں مسطور ہے اور ان کے علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان شخصیات کے نام ایسے ہیں جن کو شیعہ حضرات عوام الناس میں ذکر نہیں کرنا چاہتے تاکہ کہیں اہلِ بیت اور صحابہ کرام کے مابین پائی جانی والی محبت کا انکشاف نہ ہو جائے۔

اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ غم زدہ ہونا اور رونا ایک الگ شے ہے اور نوحہ کرنا، خون نکالنا، کلہاڑیوں سے سروں کو پھاڑ لینا، زنجیروں کے ساتھ چہروں کو مارنا پیٹنا اور سیاہ کپڑے پہننا ایک بالکل دوسری شے ہے۔ شیعہ حضرات نبی ﷺ یا اپنے ائمہ کی طرف منسوب ایک بھی حدیث(خواہ وہ جھوٹی ہی کیوں نہ ہو) اس بارے میں پیش نہیں کر سکے کہ وہ خود کو مارا پیٹا کرتے یا خون نکال لیا کرتے تھے یا انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

بلکہ خود شیعہ کے مصادر میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اپنے شیعہ کے ہاتھوں قتل کے وقت حسین رضی اللہ عنہ نے زینب رضی اللہ عنہا کو کی جانے والی اپنی وصیت میں کہا: "اے بہنا! میں تجھے ایک قسم دیتا ہوں، میری اس قسم کو پوری کرنا۔ مجھے جب قتل کر دیا جائے تو میرے اوپر (اظہار غم کرتے ہوئے) نہ گریبان پھاڑنا، نہ چہرہ نوچنا اور نہ ہی میرے قتل ہو جانے پر یوں کہنا کہ ہائے تباہ ہو گئے، ہائے مر گئے"۔[1]

صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: "وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے او ایسی باتیں کہیں جیسی زمانہ جاہلیت میں کہی جاتی تھیں"[2]۔ یہ عجیب بات ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو فرما رہے ہیں کہ ایسا کرنے والا شخص ہم میں سے نہیں جب کہ شیعہ حضرات ایسا ہی کرتے ہیں!؟

ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بوقتِ مصیبت آدمی کے اپنے ران پر ہاتھ مارنے سے اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے"[3]۔

چنانچہ کیا کسی صاحبِ عقل شخص کے لئے ممکن ہے کہ وہ کسی ایسے شخص پر روئے پیٹے یا ماتم کرے جسے فوت ہوئے تیرہ صدیوں سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہو؟! خاص طور پر جب کہ وہ شخص ہو بھی شہید!؟ اور اِس وقت وہ اللہ کی دی گئی نعمت و عزت کی بدولت شاداں و فرحاں ہو،اللہ نے دنیا و آخرت میں اسے سرداروں کا سردار قرار دے رکھا ہو اور وہ کامیاب ہو جانے والوں میں سے ہو۔

باقی رہیں شیعہ حضرات کی ان کی کتابوں میں مذکور درجنوں کی تعداد میں وہ مشہور روایات تو اہلسنت کے نزدیک وہ سب مردود اور غیر مقبول ہیں بالکل ایسے ہی جیسے شیعہ کتبِ اہلسنت میں موجود بہت سی روایات کو تسلیم نہیں کرتے۔ مثلا ان کا یہ کہنا ہے کہ: اگر حسین پر رونے والوں کے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی جہنم میں گر جائے تو وہ اس کی تپش کو ٹھنڈا کر دے اور یہ کہ حسین پر رونے والی آنکھیں اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین آنکھیں ہوتی ہیں، یہ اللہ کے فیض کا سرچشمہ اور رسول

1۔ اس روایت کو ابن طاووی نے اپنی کتاب "الملهوف علی قتل الطفوف" میں ذکر کیا ہے، ص: ۵۰ اور محمد فضل اللہ نے اسے "الندوة" میں ذکر کیا ہے: ۲۰۹/۵۔

2۔ صحیح بخاری: ۱۲۹۴

3۔ فروع الکافی، باب الصبر و الجزع و الاسترجاع، ج: ۳، ص: ۲۲۴، وسائل الشیعة: ۹۱۴/۲

اللہ ﷺ کے لئے تحفہ ہوتی ہیں، اور یہ کہ حسین رضی اللہ عنہ پر رونا تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کے مغفرت کا باعث ہوتا ہے اور نہ رونا حسین رضی اللہ عنہ سے بے رخی کے مترادف ہے۔ ابو عبداللہ پر آنے والی مصیبت پر رونے میں بہت زیادہ ثواب ہے۔ اس مصیبت پر فرشتے، انبیاء، زمین و آسمان، جانور، صحراء اور سمندر سب روئے وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ شیعہ کی روایات جن میں حسین رضی اللہ عنہ پر بار بار رونے کی ترغیب دی گئی ہے ان کا جھوٹا پن پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان روایات کے متون میں غیر معقول حد تک مبالغہ آرائی ہے۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے کہ یہ روایات اللہ کی کتاب کی مخالفت کرتی ہیں جس میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: "(عربی متن موجود نہیں ہے)"

اسی وجہ سے مسلمان ہر مصیبت میں چاہے وہ کتنی بھی بڑی ہو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے نوحہ سے اجتناب کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے۔

حسین رضی اللہ عنہ پر رونے کی فضیلت سے متعلق شیعہ لوگوں کی روایات کا رد کرتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ اللہ تعالی کے فرمان: ﴿فَمَا بَكَتۡ عَلَيۡهِمُ ٱلسَّمَآءُ وَٱلۡأَرۡضُ وَمَا كَانُواْ مُنظَرِينَ۝٢٩﴾ [الدخان: ۲۹] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"شیعہ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے قصے میں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس دن جو بھی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے تازہ خون پایا گیا اور یہ کہ اس دن سورج گہنا گیا، افق سرخ ہو گیا اور پتھر گرے!! یہ سب باتیں ہی محلِ نظر ہیں۔ بظاہر یہی لگتا ہے کہ یہ سب شیعوں کی یاوہ گوئی اور جھوٹ ہے تاکہ وہ معاملے کو بڑا کر کے پیش کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ واقعتا ایک بہت بڑا معاملہ ہے لیکن ان کی ان خود ساختہ اور جھوٹی باتوں میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہوئی تھی۔ پھر قتلِ حسین سے بھی بڑے واقعات پیش آئے ہیں لیکن وہاں ان کی ذکر کردہ باتوں میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ حسین رضی اللہ عنہ کے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قتل ہوئے جو بالاجماع ان سے افضل تھے لیکن پھر بھی ایسی کوئی بات وقوع پذیر نہ ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ جو دنیا و آخرت میں سید البشر ہیں جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس دن بھی ان باتوں میں سے کوئی بات واقع نہیں ہوئی ۔جس دن نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ اسے دیکھ کر لوگ کہنے لگے: "سورج کو ابراہیم رضی اللہ عنہ

کی وفات کی وجہ سے گرہن لگا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نمازِ کسوف پڑھا کر خطبہ ارشاد فرمایا اور ان کے سامنے وضاحت فرمائی کہ سورج اور چاند کو گرہن نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے اور نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے"۔[1]

اس لئے اہلسنت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں ۔ ان میں سے کچھ تو بسااوقات معتدل انداز میں چھپ چھپ کر ایسے طریقے سے روتے ہیں جس میں کوئی ریاکاری یا دکھلاوہ نہیں ہوتا خاص طور پر جب ہم اس المناک حادثے کو یاد کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ان کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔

بالکل ایسے ہی جیسے بعض اوقات بہت سے اہلسنت ان واقعات کو یاد کر کے یا پڑھ کر رو دیتے جن میں بیان ہوتا ہے کہ کفار اور مشرکین رسول اللہ ﷺ کو کس طرح سے تکلیف دیا کرتے تھے اور کیسے انہوں نے عین صحنِ کعبہ کے اندر حالت سجدہ میں آپ ﷺ کی پشت مبارک پر گندگیاں ڈالیں، غزوہ احد میں آپ ﷺ کے سامنے کے چاروں دانت توڑ دیئے، آپ ﷺ کے قتل کی کوشش اور سازش کی، آپ ﷺ کو آپ کے سب سے محبوب علاقے (مکہ مکرمہ) سے نکالا اور آپ ﷺ پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا اور اس کے علاوہ بھی بہت سی ایسی باتیں جو ہر اس شخص کا دل دکھاتی ہیں جو اس ذات سے محبت رکھتا ہے جسے اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، ایسی ذات جو رؤوف و رحیم تھی اور اعلی اخلاق سے متصف تھی۔

یہ دیکھ کر کہ شیعہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا سن کر اس طرح سے رونا پیٹنا نہیں کرتے جیسے وہ حسین رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کرتے ہیں، کیا ہمارے لئے جائز ہو گا کہ ہم ان کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کر دیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت نہیں رکھتے؟ یقینی بات ہے کہ ہمارے لئے ایسا کہنا درست نہیں ہو گا۔ بالکل ایسے ہی اہلسنت بھی ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ پر انہیں شیعوں کی طرح روتے پیٹتے نہ دیکھ کر شیعہ حضرات کے لئے یہ کسی بھی طور جائز نہیں ہو جاتا کہ وہ ان کے بارے میں بغضِ حسین رکھنے کا فیصلہ صادر کر دیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ لوگوں کی اکثریت سانحہ حسین کے معاملے میں خود ساختہ رہبانیت تک جا پہنچی جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض نہیں کی گئی تھی جیسے اپنے آپ کو مارنا پیٹنا، زنجیروں کے ساتھ

1۔ تفسیر ابن کثیر: ۱۷۹/۴

خود کو تازیانے لگانا اور چھریوں اور تلواروں کے ساتھ اپنا خون بہانا۔ ان میں سے کچھ بھی اللہ کی رضامندی کا باعث نہیں ہے اور ہر وہ عمل یا قول جو اللہ کو راضی نہ کرے وہ بلاشبہ باطل اور مردود ہے۔

شیعہ کی ایک بہت بڑی تعداد کی طرف سے خاص طور پر عاشوراء اور چہلمِ امام حسین کے مواقع پر کی جانے والی ان بدعات اور مناظر ان کے ارد گرد والوں کے لئے جگ ہنسائی کا سبب بن گئے ہیں۔ جب کہ لوگ انتہائی حیرت کے ساتھ ان شیعہ عزاء داروں کو دیکھتے ہیں جو اپنا ہی خون بہا رہے ہوتے ہیں۔ مغربی اور یہودی میڈیا اس طرح کے مناظر کو اپنے ذرائع ابلاغ پر پیش اور نشر کرنے کی غرض سے ان کا غلط استعمال کرتا ہے اور وہ اپنی دکھائی جانے والی اسکرینوں پر اس طرح لکھتے ہیں:" یہ ہے محمد کا دین!!" یا "عربوں کے نبی کا دین تو ذرا دیکھیں!"۔ یہ لوگ دینِ حنیف کو بدنام کرنے کے لئے ان تصاویر کا غلط استعمال کرتے ہیں اور اپنے بچوں اور دنیا کے سامنے یہ منظر کشی کرتے ہیں کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو اپنا خون بہانے کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ ایسا کرنا ایک اسلامی عبادت اور اللہ کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے ۔ اس سے ان کا مقصد درپردہ دنیا کو یہ تاثر دینا ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنا خون بہا دیتے ہیں وہ دوسروں کا خون بہانے میں بھی کچھ باک نہ سمجھیں گے۔ ﴿حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ﴾ [آل عمران: ۱۷۳] «بس اللہ ہی ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہتر کار ساز ہے»۔

میرا شیعہ سماج کے باشعور افراد سے یہ سوال ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ اب کہاں ہیں؟ وہ شہید و مکرم ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کو جس عظمتِ شہداء سے نوازا گیا ہے اس پر خوش اور شاداں ہیں کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمْوَٰتًۢا ۚ بَلْ أَحْيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِٱلَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا۟ بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ ۞ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾﴾ [آل عمران: ۱۶۹-۱۷۱]

«جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اُس پرخوش و خرم ہیں، اور مطمئن ہیں۔ اور جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں

پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اوررنج کا موقع نہیں ہے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شادماں وفرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہوچکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا»۔

کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ:

لا تبكه فاليوم بدء حياته　　　إن الشهيد يعيش يوم مماته

ترجمہ: شہید پر مت رو، کیوں کہ آج ہی تو اس کی زندگی کاآغاز ہوا ہے۔ شہید تو زندہ ہی اپنی وفات کے دن ہوتا ہے۔

پھراے شیعہ! تم کیوں کر اس شہداء پر غمزدہ ہوتے ہو اور کیوں اس پر روتے ہو ان پرجو اللہ کی طرف سے اعلیٰ جنتوں میں ملنے والی عزتوں سے خوش ہیں!؟

میں بس یہ چاہتا ہوں کہ آپ ذرا غور وفکر کریں اور اپنی ذات کے لئے سچے بنے۔

اگر اللہ اور اس کا رسول ﷺ آپ سے محبت کرتے ہیں تو حسین رضی اللہ عنہ بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔

اگر اللہ سبحانہ و تعالی اور اس کے رسول ﷺ آپ سے محبت کرتے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ حسین بھی آپ سے محبت کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ سبحانہ و تعالی اور اس کے رسول آپ سے محبت نہیں کرتے تو پھر کوئی شک نہیں کہ حسین بھی آپ سے محبت نہیں کرتے۔

چنانچہ آپ کو اس بات کا تو علم ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ صرف اور صرف اللہ کی خاطر محبت یا نفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی رضا پانے کی کوشش کریں تاکہ اللہ تعالی ہم سے محبت کرنا شروع کر دے۔ اس ہدف کو پا لینے پر ہم کامیاب و کامران ہو جائیں گے اور اس طرح سے ہم حسین رضی اللہ عنہ اور کامیابی پانے والوں کے ساتھ ہوں گے۔

اللہ کی محبت تک لے جانے والا واحد ذریعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کی اتباع کی جائے۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ ٣١﴾ [آل عمران: ٣١]

«کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اطاعت کرو تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے»۔

حسین رضی اللہ عنہ کی محبت بہت اچھی اور پیاری چیز ہے کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی ہے۔ لیکن ہم ان کی محبت میں اس حد تک مبالغہ آرائی نہیں کرتے جو ہمارے رب کو پسند نہیں۔ وہ لوگ جو خود کو مارتے پیٹتے ہیں اور حسین رضی اللہ عنہ کی خاطر اپنا خون نکالتے ہیں کیا انہیں یہ اندیشہ لاحق نہیں ہوتا کہ کہیں وہ کسی ایسے کام میں مبتلا نہ ہو گئے ہوں جو اللہ کو ناپسند ہو اور اس طرح سے وہ اپنے خالق کو ناراض کر بیٹھیں جس کے بارے میں ان پر واجب تھا کہ وہ ہر مخلوق سے زیادہ، چاہے وہ کتنی بھی بلند مرتبہ ہو اور کوئی بھی ہو، اپنے آپ کو اس کی محبت میں لگاتے۔

ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اللہ کی محبت اس حد تک جا پہنچی کہ اللہ نے انہیں اپنا خلیل بنا لیا جو کہ محبت کا اعلی ترین درجہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَٱتَّخَذَ ٱللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا﴾ [النساء: ۱۲۵]

«اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنا لیا»۔

لیکن اللہ تعالی نے اپنے نبی اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم کیوں دیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو قربان کردیں؟۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ نے جب ابراہیم علیہ السلام کو طویل انتظار اور کبر سنی کے بعد اسماعیل علیہ السلام سے نوازا تو اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کے دل میں بہت جگہ گھیر لی۔ یہ ایک فطری سی محبت تھی جس میں کسی قسم کا غلو نہیں تھا۔ اس پر اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کے دل کا امتحان لینا چاہاجس میں ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے تمام تر اخلاص و ایمان کے ساتھ سرفراز ہوئے۔

جب ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں تو اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے اور ساتھ میں آپ کی بانجھ بیوی تھی جب کہ اسماعیل علیہ السلام نوجوان، اللہ کے اطاعت گزار اور اپنے ماں باپ کے فرماں دار تھے بلکہ نبی اور رسول بھی تھے۔ ان سب باتوں کے باجود ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ چنانچہ آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹایا اور اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُۥ لِلْجَبِينِ ﴿١٠٣﴾﴾ [الصافات: ۱۰۳]

«آخر کو جب اِن دونوں نے سر تسلیم خم کردیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرادیا»۔

یعنی عملی طور پر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اور لختِ جگر اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا شروع کر دیا تاہم اللہ کی مشیت نہیں تھی تو چھری نے کاٹنا چھوڑ دیا۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ ٱلْبَلَٰٓؤُا۟ ٱلْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾﴾ [الصافات: ۱۰۶-۱۰۷]

« یقیناًیہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس کو چھڑا لیا»۔

ابو الانبیاء کا یہ واقعہ ایک سنت بن گیا۔ یہ مینڈھا ذبح کرنے کی سنت ہے جس پر مسلمان اپنے حج کے دوران آنے والی عید پر عمل کرتے ہیں۔ یہ خالصتاً اللہ کی عبادت ہوتی ہے جس سے کئی باتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہم اللہ کی خاطر اپنی قربانی کا جانور لے جاتے ہیں تو درحقیقت ہم اس ابراہیمی اخلاق سے آراستہ ہو رہے ہوتے ہیں جس کا مظاہرہ انہوں نے اپنے رب کی محبت میں کیا

تھا۔ گویا کہ ہم یوں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ: اے اللہ! ہم ہر محبت سے بالاتر ہو کر تجھ سے محبت کرتے ہیں جو خود ہماری اپنی جانوں، اپنے والدین، اپنی اولاد اور تیری پیدا کردہ تمام مخلوق سے بھی زیادہ ہے۔ ہم تیری رضا اور محبت کو پانے کے لئے اپنی اور اپنے تمام محبوب افراد کی جانیں پیش کرتے ہیں۔

اس لئے اے افرادِ شیعہ! معاملہ اس وقت بہت ہی خطرناک ہو جاتا ہے جب کسی انسان یا کسی دوسری شے کی محبت بڑھ کر وہ مقام لے لیتی ہے جو صرف اور صرف ہمارے رب کے شایانِ شان ہے اور یہ محبت اس حد تک جا پہنچتی ہے کہ ہم اس انسان کو رب سے بھی زیادہ یاد کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کے لئے ہمارے خون بہتے ہیں اور جانیں قربان ہوتی ہیں۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں اپنے پروردگار، اپنے خالق و رازق اور صحت و عافیت دینے والی ذات کے لئے ہم نے خون کا ایک قطرہ تک نہیں بہایا ہوتا، جیسا کہ جہالت کا شکار شیعہ افراد حسین رضی اللہ عنہ کی خاطر اپنا خون بہاتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے!۔

بلکہ قرآن میں ہمیں ایک آیت ملتی ہے جس میں اللہ تعالی بیان فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ سے محبت تو کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اوروں کو بھی اس کا ہمسر بنا رکھا ہے۔ باوجودیکہ یہ لوگ اللہ سے محبت کرتے تھے، پھر بھی ان پر اس کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان کو اپنے رحمت سے دھتکار کر جہنم میں داخل کر دیا جس سے وہ کبھی نہ نکل سکیں گے۔ بطور دلیل یہ آیت ملاحظہ کریں:

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمۡ كَحُبِّ ٱللَّهِۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِۗ وَلَوۡ يَرَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوٓاْ إِذۡ يَرَوۡنَ ٱلۡعَذَابَ أَنَّ ٱلۡقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعَذَابِ ١٦٥ إِذۡ تَبَرَّأَ ٱلَّذِينَ ٱتُّبِعُواْ مِنَ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُواْ وَرَأَوُاْ ٱلۡعَذَابَ وَتَقَطَّعَتۡ بِهِمُ ٱلۡأَسۡبَابُ ١٦٦ وَقَالَ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُواْ لَوۡ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُواْ مِنَّاۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ ٱللَّهُ أَعۡمَٰلَهُمۡ حَسَرَٰتٍ عَلَيۡهِمۡۖ وَمَا هُم بِخَٰرِجِينَ مِنَ ٱلنَّارِ ١٦٧﴾ [البقرة: ۱۶۵-۱۶۷]

«کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسے اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر انہیں سُوجھنے والا ہے

وہ آج ہی اِن ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہو گی کہ وہ پیشوا اور راہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پا کر رہیں گے اور انکے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں اُن کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، ہم اِن سے بیزار ہو کر دکھا دیتے یوں اللہ اِن لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں، ان کے سامنے اِس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے»۔

اللہ کے حضور ان لوگوں کو اللہ سے محبت کچھ کام نہ آئی کیونکہ انہوں نےاپنے بنائے ہوئے ان ہمسروں کی محبت کو اللہ کی محبت کے مساوی ٹھہرایا۔ پھر بھلا اس شخص کا کیا ہو گا جس کا دل غیر اللہ کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے بھی زیادہ معلق ہو؟

اللہ کی محبت ہر شے پر مقدم ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی جو اللہ کی محبت کو سب اشیاء پر مقدم رکھتے ہیں:

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُوْلَـٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَـٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّـٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ ۚ أُوْلَـٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾﴾

[المجادلۃ: ۲۲]

«تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کرکے ان کو قوت بخشی ہے وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں»۔

چنانچہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں مقام و مرتبہ نبی ﷺ کے چچا ابو لہب سے بھی زیادہ تھا حالانکہ وہ قریش کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ یہ ہے اللہ کا وہ عظیم دین جو نہ تو حسب و نسب کو دیکھتا ہے اور نہ اموال و مناصب کو، بلکہ وہ صرف دلوں کو دیکھتا ہے۔

نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴] نازل فرمائی تو آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے ارشادفرمایا: "اے قریش والو! یا آپ ﷺ نے اس طرح کے کچھ اور الفاظ ارشاد فرمائے، اپنی جانوں کو (نیک اعمال کے بدلے میں) خرید لو۔ میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (یعنی اس کی مرضی کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکوں گا)، اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ! تو جتنا چاہے مجھ سے میرا مال مانگ لے، میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا"[1]۔

یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث اللہ کی بڑائی، اس کے عدل و انصاف اور اسلام کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ اس مقام و مرتبے تک محض اپنے حسب و نسب کی بنا پر نہیں پہنچے تھے بلکہ اللہ کے فضل سے دل کی پاکیزگی اور راست روی کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع تھی جس نے ان کو یہ مقام و مرتبہ دیا۔اس بارے میں کوئی بھی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔

جو لوگ اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں انہیں اللہ تعالی باہم اللہ کی خاطر محبت کرنے والے لوگوں کے گروہ میں شامل کر کے ایک دوسرے کے ساتھ ملا دے گا۔ ایسا ان کے تقوی اور ان کی طرف سے اپنے رب کی اطاعت گزاری کی وجہ سے ہو گا اور یوں ان کے دل ایک دوسرے کے قریب اور روحیں آپس میں مانوس ہو جائیں گی۔ مسلمان جتنا زیادہ نیک اور متقی ہو گا قیامت کے دن میدانِ حشر میں وہ اتنا ہی انبیاء، صدیقین اور شہداء کے قریب تر ہو گا۔ قرآن کریم میں اس کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

1۔ صحیح بخاری: ۲۷۵۳، صحیح مسلم: ۲۰۶

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَۚ وَحَسُنَ أُوْلَٰٓئِكَ رَفِيقٗا﴿٦٩﴾﴾ [النساء: ٦٩]

«جواللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہاں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں»۔

حسین رضی اللہ عنہ (اللہ اور اس کے رسول کی) اتباع کرنے والے تھے، بدعات کو فروغ دینے والے نہیں تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا اللہ تعالی ان کے زمرہ میں بدعات کو فروغ دینے والے لوگوں اور فاسدین و مفسدین کا حشر کرے گا؟ نہیں بالکل بھی نہیں، کیونکہ اللہ کو اپنے میزانِ عدل و انصاف میں اس طرح کی مساواتیں پسند نہیں ہیں۔

چنانچہ اللہ کے حکم سے میدانِ حشر اور جنت میں ہمارے لئے اپنے پیاروں سے جا ملنے کا واحد راستہ اللہ کا تقوی ہے۔ وہ شخص ہر گز بھی انصاف پرور نہیں جو یہ گمان رکھتا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ پر بار بار رو کر اس نے ان کا حق ادا کر دیا اور نہ ہی خود پر رو کر اس شخص نے اپنے ساتھ ہی کچھ انصاف کیا۔ اسے نہیں معلوم کہ اس خوفناک دن اس کا انجام اور ٹھکانہ کہاں ہوگا؟۔

جب جنتی افراد جنت میں اور جہنمی لوگ جہنم میں چلے جائیں گے تو حسین رضی اللہ عنہ جواس وقت جنت میں ہوں گے کیا وہ جہنم میں داخل ہونے والےاس شخص پر روئیں گے جو ان پر رویا کرتا اور ان سے محبت کا دعوی رکھتا تھا حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کو چھوڑنے والا اور گناہوں پر دلیر تھا؟

ہر گز نہیں، حسین رضی اللہ عنہ اس طرح کے لوگوں پر کبھی بھی نہیں روئیں گے کیوں کہ وہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے۔اور اس لئے بھی کہ جنت میں تو رونا ہو گا ہی نہیں۔اس میں تو اہل جنت اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں پر خوش و خرم ہوں گے اور ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ غم۔

وائے افسوس اس شخص پر جو روزِ قیامت اس طرح کی افسوسناک صورت حال میں مبتلا ہو گا۔ وہ خود کو بھی اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی گنوا بیٹھے گا اور برباد ہو جانے والوں کے ساتھ برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ خیال کیا کرتا تھا کہ وہ بہت اچھا کام کر رہا ہے۔

کیا گزشتہ اوراق میں بیان ہونے والی باتیں ایسے حقائق نہیں جن کا ہم انکار نہیں کر سکتے یا پھر جان بوجھ کر از راہ تعصب یا اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں ملنے والے غلط خیالات کی تایید میں یہ سب بھول جاتے ہیں؟

وہ رونا جو اللہ کے ہاں مستحب ہے

اللہ کے ہاں وہ رونا مستحب ہے جو اس کی خشیت کی وجہ سے ہو اور اس طرح کا رونا اللہ کے سچے دین میں عین مطلوب ہے۔ بہت سی قرآنی نصوص میں واضح طور پر خشوع رکھنے والوں کی ثناء بیان کی گئی ہے۔ یہ ان صادقین کی صفت ہے جن کے دل اپنے خالق و رازق کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾﴾ [الإسراء: ١٠٩]

«اور وہ منہ کے بل روتے ہوئے گرجاتے ہیں اور اسے سن کر اُن کا خشوع اور بڑھ جاتاہے۔

اور فرمایا:

﴿أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾﴾ [النجم: ٥٩-٦١]

«اب کیا یہ وہ باتیں ہیں جن پرتم اظہارِ تعجب کرتےہو؟ ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟ اور تم (غفلت کی) کھیل میں پڑے ہوئے ہو»؟

چنانچہ اچھی بات اللہ کے لئے رونا اور اس کا خوف رکھنا ہے نہ کہ ہنسنا جیسا کہ آیت کا مفہوم اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اللہ تعالی کے فرمان ﴿وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾﴾ [النجم: ٦١]کے بارے میں جمہور مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قرآن میں جو عبرت انگیز اور نصیحت آموز باتیں ہیں ان سے تم غفلت کرتے ہو اور اس کی آیات سے گریز کرتے ہو۔ یہ ایک صریح آیت ہے جو کفارِ قریش کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب نبی رحمت و ہدایت ﷺ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے تاکہ وہ اللہ کے بیان کر دہ صراط مستقیم پر گامزن ہوں لیکن وہ لوگ مذاق کرتے، ہنسی اڑاتے اور اعراض برتتے۔ اس پر اللہ تعالی نے ان کی سرزنش فرمائی۔ یہ ربانی سرزنش ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت ان اعراض کرنےوالوں کے راستے پر گامزن ہو تا ہے۔

کوئی بھی شخص اللہ سے ڈر کر رونے والوں کے رونے کو ناپسند نہیں کرسکتا۔ بلکہ ہر مسلمان تمنا رکھتا ہے کہ وہ بھی ان کی طرح ہو جائے۔ یہ تمنا آخر کیوں کر نہ ہو جب کہ خشوع رکھنے والے ان لوگوں کے دل اللہ کی کتاب میں غورو فکر کی بناپر صاف، نرم اور پاکیزہ ہو گئے ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے دلوں میں اپنے رب پر ایمان کی وہ حلاوت محسوس کرتے ہیں جو بہت کم لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ۔ اللہ کی کتاب اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی تلاوت میں خشوع اختیار کیا جائے۔ یہ اللہ کا وہ کلام ہے جس سے وہ تمام لوگوں کو مخاطب ہوتا ہے۔ پاک ہے وہ رب جس کا فرمان ہے: ل

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُۥ خَـٰشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ ٱللَّهِ ۚ وَتِلْكَ ٱلْأَمْثَـٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾﴾ [الحشر: ۲۱]

«اگرہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ وہ غور و فکر کریں»۔

اگر ہم صرف اسی آیت میں غور و تدبر کرلیتے تو ہم رو دیتے، ہم پر خوف طاری ہو جاتا اوراللہ کے حکم سے صاف اور سچے ایمان کے ساتھ ہمارے دل بھر جاتے۔

کیا کبھی آپ نے سوچا اور کبھی آپ کو اپنے سینے میں موجود دل پر تعجب ہوا کہ اس پر خوف طاری کیوں نہیں ہوتا؟ اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے آپ آنکھوں سے آنسو جاری کیوں نہیں ہوتے؟ درحقیقت اس کی وجہ قرآن میں غور و تدبر سے دوری اور اس سے ترک تعلق ہے۔

ذخیرہ احادیث میں ایسی بات سے صحیح احادیث مذکور ہیں جن میں اللہ کی خشیت کی وجہ سے رونے والوں کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے ان سات اشخاص کا ذکر فرمایا جن کو اللہ تعالی روزِ قیامت اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا کہ ان میں سے ایک وہ شخص ہو گا جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔[1]

1۔ صحیح بخاری: ۱۴۲۳، صحیح مسلم: ۱۰۳۱

سلفِ صالحین کے رونے کے بارے میں تو اتنے آثار منقول ہیں جن کا شمار ہی ممکن نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر وہ روتے تو اپنے رب کے غضب اور اس عذاب کے خوف سے اوراس کی رحمت کی خواہش اور اس کے عفو و درگزر کی امید میں اور اگر خوش ہوتے تو وہ بھی ہر شے میں پورے طور پر پروردگارِ عالم کی بندگی کے سبب خوش ہوتے۔

چنانچہ اللہ تعالی نے لوگوں کے لئے آیاتِ وعید نازل فرمائیں تاکہ وہ اس سے ڈر جائیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَٰهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ ٱلْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴿١١٣﴾﴾ [طه: ۱۱۳]

«اور اسی طرح ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا ہے اور ہم نے اس میں طرح طرح سے ڈرانے کی باتیں سنائیں تاکہ وہ ڈریں یا ان کے دل میں کچھ سوچ پیدا کرے»۔

اے وہ شخص جو ان نجات پا جانے والوں پر روتا رہا اور خود اپنے آپ کو وہ بھول گیا تمہارے سامنے کچھ ایسی آیاتِ وعید رکھی جاتی ہیں جن کا تم انکار نہیں کر سکتے کیوں یہ اٹل حقائق ہیں جو واقع ہو کر رہیں گے خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ جس شخص نے ان آیات میں غور و تدبر کیا اس کے دل پر خشوع طاری ہو جاتا ہے اور وہ آخرت سے ڈر جاتا ہے اور اس طرح سے اس کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ﴿٢٧﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ﴿٢٨﴾﴾ [المعارج: ۲۷-۲۸]

«جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ اُن کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی بےخوف ہو»۔

اور فرمایا:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ جَنَّتَانِ﴿٤٦﴾﴾ [الرحمن: ۴۶]

« اور ہر اُس شخص کےلیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو، دو باغ ہیں»۔

اورایسا شخص جو غور و فکر کرتا ہے اور اس کے دل میں آخرت کا خوف ہوتا ہے وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا جن کی مذمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ ٱلْآخِرَةَ ۝٥٣﴾ [المدثر: ۵۳]

«ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ ٱلْوِلْدَٰنَ شِيبًا ۝١٧﴾ [المزمل: ۱۷]

«اگر تم ماننے سے انکار کروگے تو اُس دن کیسے بچ جاؤگے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا»۔

آیت میں "الیوم" سے مراد قیامت ہے۔ اکثر مفسرین کے بقول "بچوں کو بوڑھا کر دینا" اس دن کی ہولناکیوں سے کنایہ ہے نہ کہ اس دن کی طوالت سے۔ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان بچوں کے سروں پر بڑھاپا اتر آئے گا۔

گزشتہ آیت جو ہمیں اس بات پر ابھارتی ہے کہ ہم اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے خیال سے روئیں اس میں صحیح طور پر غور و فکر کی بدولت ہم اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ: جب بچوں کا یہ حال ہوگا کہ قیامت کی ہولناکیوں کی وجہ سے ان کے سروں پر بڑھاپا آجائے گا تو پھر ہمارا کیا ہوگا جو سالہاسال سے ایسے گناہوں کے مرتکب ہورہے ہیں جن کو صرف اللہ ہی جانتا ہے؟

قرآن کی متعدد آیاتِ ترہیب جن کو اللہ تعالی نے اس لئے نازل کیا کہ ہم اس سے ڈریں اور اس کا خوف رکھیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ ۝١ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ ۝٢﴾ [الحج: ۱-۲]

« لوگو، اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ جس روز تم اسے دیکھو گے، حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچّے سے غافل ہو جائے گی، ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا، اورلوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے، بلکہ اللہ کاعذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا»۔

﴿يَوْمَ تَأْتِى كُلُّ نَفْسٍ تُجَٰدِلُ عَن نَّفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝١١١﴾ [النحل: ۱۱۱]

«جس دن ہر نفس اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اورکسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہونے پائے گا»۔

﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَشَهِيدٌ﴾ [ق: ۲۱]

«اور ہر ایک شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہوگا»۔

﴿فَإِذَا جَآءَتِ ٱلصَّآخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ ٱلْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِۦ وَأَبِيهِ ۝ وَصَٰحِبَتِهِۦ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ ٱمْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ [عبس: ۳۳-۳۷]

«اُس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا»۔

﴿كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ ٱلْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝ وَجَآءَ رَبُّكَ وَٱلْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِاْىٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ ٱلْإِنسَٰنُ وَأَنَّىٰ لَهُ ٱلذِّكْرَىٰ ۝ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِى قَدَّمْتُ لِحَيَاتِى﴾ [الفجر: ۲۱-۲۴]

«ہرگز نہیں، جب زمین پے درپے کوٹ کوٹ کر ریگزار بنا دیجائے گی اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں گے اور جہنم اُس روز سامنے لائی جائے گی، اُس دن انسان کو سمجھ آئے گی اور اس وقت اُس کے سمجھنے کا کیا حاصل؟ وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی اِس زندگی کے لیے کچھ پیشگی سامان کیا ہوتا»۔

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان میں سے آواز نکلتی ہے اور اس میں سے آواز کا نکلنا بجا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اللہ کے حضور سجدہ ریز نہ پڑا ہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقینا تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ، تم بستروں پر اپنی عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو اور اللہ سے نالہ و فریاد کرتے ہوئے تم جنگلوں کی طرف نکل جاؤ" ۔ ابوذر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرکے کہنے لگے کہ: "کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ دیا جاتا"[1]۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن پسینہ ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور یہ لوگوں کے منہ اور ان کے کانوں تک پہنچ رہا ہو گا"۔[2]

1۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۱۷۳/۵، سنن ترمذی: ۲۳۱۲۔

2۔ صحیح مسلم، باب قیامت کے بیان میں۔ (باب صفة القيامة)

گزشتہ سطور میں بیان کردہ قرآنی اور نبوی نصوص سے ثابت شدہ حقائق جن میں کوئی شک نہیں ان کو پڑھ کر آپ کچھ اثر کیوں نہیں لیتے اور روتے کیوں نہیں؟ یا پھر اے حضراتِ شیعہ! آپ کے جذبات کو صرف اس وقت انگیخت ملتی ہے جب حسین رضی اللہ عنہ یا اس ناانصافی کا ذکر ہو جو آپ کے خیال میں اہلِ بیت کے ساتھ روا رکھی گئی؟ جب کہ اللہ کی کتاب اور ان حقائق سے جن کی تصویر کشی اللہ ہمارے سامنے اس لئے کرتا ہے کہ ہم اس سے ڈریں آپ پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتے کہ آپ اس دن اللہ کے خوف سے رو پڑیں جس دن وہ اگلوں اور پچھلوں سب کو ایک میدان میں لا کھڑا کرے گا۔

یا پھر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے علماء اور بزرگ جب آپ کو حسین رضی اللہ عنہ پر رلاتے ہیں تو ان کے اقوال زیادہ تاثیر کے حامل ہوتے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی کتاب میں موجود اس کے کلام کو (پڑھ سن کر) آپ کو کبھی رونا نہیں آیا!!۔

یا گزشتہ بیان کردہ آیات یعنی "یا أیها الناس...الخ"، "یوم تأتي کل نفس ...الخ" اور "یومئذ یتذکر الإنسان...الخ" سے آپ پر یہ عیاں نہیں ہوا کہ دوسرے تمام انسانوں کی طرح اللہ آپ سے بھی مخاطب ہے؟ یا پھر آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں؟

کیا وجہ ہے کہ ہمیں شیعہ علماء اِن واضح پہلوؤں پر بات کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی وہ شیعوں کو غفلت سے ہی ڈراتے ہیں جیسا کہ اہلسنت کے علماء، ان کے مشائخ اور ان کی داعی حضرات لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

مجھے اور میرے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں کو کبھی یہ دکھائی نہیں دیا کہ شیعہ علماء و عوام اللہ کی تعظیم، اس کے خوف یا اس کی طرف متوجہ ہو کر رو رہے ہوں اور نہ ہی وہ عذابِ قبر یا اس خوفناک دن کے ڈر سے ہی کبھی روتے دکھائی دیتے ہیں جس دن حشر و نشر اور حساب ہو گا۔ انہوں نے اپنے آپ کو ان امور میں مصروف کر رکھا ہے کہ جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو مکلف نہیں بنایا۔

بلکہ شیعہ حضرات کے ہاں تو ایسی روایات ملتی ہیں جن کی رو سے بے تاب ہو کر حسین کے سوا کسی اور پر رونا مکروہ ہے۔ امام صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "ہر قسم کی بے تابی اور رونا مکروہ ہے سوائے اس بے تابی اور رونے کے جو حسین رضی اللہ عنہ پر ہو"۔[1]

1۔ طوسی نے کتاب الامالي، مجلس ششم میں اس قول کو نقل کیا ہے۔ ص: ۱۶۱، ج:۲۰، اسی طرح باقر المجلسی کی کتاب بحار الانوار میں بھی یہ قول مذکور ہے۔ ج: ۴۴، ب ۳۴، ص: ۲۸۰

اسی طرح امام رضا کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: " اے ابنِ شبیب! اگر تم نے کسی شے پر رونا ہے تو پھر حسین بن علی کو روؤ، انہیں اس طرح ذبح کیا گیا جیسے مینڈھے کو ذبح کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ان کے اہل خانہ میں سے اٹھارہ آدمیوں کو قتل کر دیا گیا جن کے ہم مثل دنیا میں نہیں ہیں۔ حسین کے قتل پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں روئیں"[(1)]۔

ہم جب قرآن پڑھتے ہیں تو اس میں ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو ان شیعہ روایات کی تصدیق کرتی ہو اور نہ ہی قرآن ان پریشانیوں، قصوں اور رنج و سوگ کی کچھ تایید کرتا ہے جن کو شیعہ علماء اپنی امام بارگاہوں میں بیان کرتے ہیں۔

شیعہ ذاکرین اور علماء اپنے منبروں اور تقریروں میں جو کچھ کرتے ہیں یقینا اس کے اثرات شیعہ لوگوں پر منفی انداز میں مرتب ہوتے ہیں جن کے دل غم اور کینہ و عداوت سے بھرے پڑے ہوتے ہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام بارگاہوں کے منبروں پر شیعہ علماء اور واعظین کے مابین یہ مقابلہ چل رہا ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں اہلِ بیت پر ہونے والے مظالم کو بیان کر کے کون لوگوں کی زیادہ بڑی تعداد کو رلا سکتا ہے۔ زیادہ تر علماء اور واعظین کا مقصد یہی ہوتا ہے کیوں کہ ان کو بخوبی علم ہوتا ہے کہ شہرت اور اپنے مفادات تک پہنچنے کا سب سے کشادہ دروازہ یہی ہے تاکہ لوگوں کا تعلق ان کی مجالس کے ساتھ قائم رہے اور وہ ان میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے کی کوشش کریں اور اس لئے بھی کہ ان کے خیال میں اس شخص کو بہت زیادہ اجر ملتا ہے جو زیادہ روتا اور زیادہ رلاتا ہے۔

شیعہ حضرات نے اپنی متعدد مشہور کتابوں میں ابو عبد اللہ کے بارے میں یہ روایت نقل کی ہے کہ جعفر بن عفان ان کے پاس آئے تو (ابو عبد اللہ) ان سے کہنے لگے: "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم حسین کے بارے میں بہت اچھے شعر کہتے ہو"۔ جواب دیا: "ہاں، اللہ مجھے آپ پر قربان کرے"۔ انہوں نے کہا: (پھر کچھ شعر) کہو۔ اس پر جعفر بن عفان نے شعر پڑھ کر سنائے ۔ ابو عبداللہ اور ان کے ارد گرد موجود سب لوگ (شعر سن کر) رونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ ان کا چہرہ اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ پھر انہوں نے فرمایا: "اے جعفر (بن عفان)! اللہ کی قسم! اللہ

1۔ الامالی، الشیخ الصدوق، ص: ۱۲۹، ستائیسویں مجلس۔

کے مقرب فرشتے یہاں تمہارے پاس موجود تھے اور وہ حسین کے بارے میں تیرے یہ اشعار سن رہے تھے۔ وہ بھی اسی طرح روئے جیسے ہم روئے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ روئے۔ اے جعفر! اللہ تعالی نے تیری اس گھڑی میں تیرے لئے ساری جنت کو واجب کر دیا ہے۔ اللہ تیری مغفرت فرمائے"۔ پھر ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ: "اے جعفر! کیا میں تم کو اس بھی زیادہ کچھ اور نہ بتاؤں؟"۔ انہوں نے جواب دیا:" میرے آقا ! بتائیں"۔ ابو عبد اللہ نے فرمایا: "جس شخص نے حسین کے بارے میں شعر کہا اور اس پر وہ خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رلایا، اس کے لئے اللہ جنت واجب کر دیتا ہے اور اس کی بخشش فرما دیتا ہے"۔[1]

شیعہ ذاکرین نے اپنی کتاب میں موجود اس طرح کی جذباتی روایات، واقعات اور قصوں اور ان سے ملتی جلتی دیگر باتوں کو غلط استعمال کیا۔ وہ ان روایات کو قصہ گوئی کے پرسوز اسلوب میں بیان کرتے ہیں جس میں جا بجا شعر اور گائیکی کے انداز میں سُر ہوتے ہیں اور ساتھ ساتھ رونے کی اداکاری بھی ہوتی ہے۔ اس طرح سے وہ شیعہ سماج کے کینہ و بغض سے بھرپور دلوں کو اپیل کرتے ہیں جن کی بچپن سے اس طرح کے پر اثر مناظر دیکھ دیکھ کر پرورش ہوئی ہوتی ہے۔ اس طرح سے یہ ذاکرین ان کو قرآن مجید اور اپنے رب کے ساتھ تعلق سے بے گانہ کر دیتے ہیں۔

محمد جواد مغنیہ نے اپنی کتاب "علماء النجف" میں ایک شیعہ مصنف محمد العینانی کی کتاب "آداب النفس"، صفحہ نمبر ۱۲۱ پر مذکور اس کے اس اعتراف کو بطور استشہاد پیش کیا جو ہماری سابقہ بات کی تایید کرتا ہے کہ: "لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس نے تشیع کو اپنی کمائی کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے جیسے نوحہ اور قصہ گوئی کرنا۔۔۔ رونے اور مذہبِ شیعہ کو اپنانے والوں سے محبت رکھنے کے سوا ان کو تشیع کا کچھ علم نہیں۔ ۔۔ اور ان عورتوں کی طرح جن کے بچے ان سے چھن گئے ہوں، انہوں نے مزاروں پر پڑے رہنے اور قبروں پر آنے جانے کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کو تو خود اپنے آپ پر رونا چاہئے"۔

ایک وسیع حلقہ اثر رکھنے والے شیعہ عالمِ دین مرتضی مطہری کا کہنا ہے: "آج کل تو معاشرے میں جو شخص بھی تھوڑی سی اچھی آوازی رکھتا ہے اور اس کے پاس شعروں کو سُر کے ساتھ پڑھنے کی ہلکی سی استعداد ہوتی ہے اور وہ کچھ نہ کچھ اشعار زبانی یاد کر لیتا ہے اس کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ

1۔ وسائل الشیعہ، الحر العاملی، ۱۴/۵۹۳، باب: ۱۰۴، استحباب إنشاد الشعر في رثاء الحسین.

آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہوئے امام بارگاہوں کی تقریبات میں مدح خواں بن جاتا ہے۔ وہ منبر حسینی کے پہلو میں کھڑا ہو کر شروع شروع میں حسین کے بارے میں کچھ مدیحانہ اور تعزیتی قصائد پڑھ رہا ہوتا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ کچھ ہی مدت کے بعد وہ اپنے کندھوں پر (کالی یا سبز) شال ڈال لیتا ہےاور منبر حسینی کے ایک طرف کھڑا ہونے کی بجائے اس کے پہلے زینے پر جاکھڑا ہوتا ہے اور پھر ایک عرصے تک خطابِ حسینی پڑھتا رہتا ہےاور اس دوران جودی اور جوہری جیسی کتابوں یا جامع التفصیل سے عبارتیں نقل کرتا رہتا ہے بایں طور کہ کوئی قصہ یہاں سے اٹھا لیتا ہے اور کوئی کہانی وہاں سے ۔اگر آپ اس سے پوچھ لیں کہ تم نے یہ حکایت کہاں سے لی ہے ؟ تو وہ آپ کو جواب دے گا کہ: ذاکرین کے سینوں یا ان کی زبانوں سے۔ پہلے پہل تو آپ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ آپ کو کسی ایسی کتاب سے پڑھ کر سنا رہا ہے جس سے آپ ناواقف ہیں یا جو آپ نے کبھی نہیں سنی۔ لیکن جب تھوڑا سا غور کرتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ کسی ذاکر نے اسے زبانی طور پر یہ حکایت یا قصہ سنایا تھا!۔

چنانچہ اپنی بیان کردہ حکایت کا اکثر حصہ اس نے لوگوں میں سے کچھ ایک شخص سے سنا ہوتا ہے اور کچھ دوسرے سے۔اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ آیا وہ صحیح ہے، جھوٹ ہے یا من گھڑت ؟۔اسے سرےسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بات ہے کیا؟۔اس کے نزدیک جو شے اہمیت کی حامل ہوتی ہے وہ بس یہ کہ وہ اس کام میں مسلسل آگے سے آگے بڑھتا رہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس دوران وہ اپنے گرد کافی تعداد میں سامعین جمع کر لیتا ہے اور آہستہ آہستہ منبرِ حسینی کے دوسرے زینے پر جا پہنچتا ہے اور لوگ بھی اس کے گرد اکٹھا ہونا شروع ہو جاتے ہیں"۔ [1]

اس طرح کےاصحابِ عمامہ پر جعفر صادق کا یہ قول صادق آتا ہے کہ: "لوگوں کو تو ہم پر جھوٹ باندھنے کا چسکا پڑ گیا ہے۔ میں ان کے سامنے ایک حدیث بیان کرتا ہوں، جونہی کوئی شخص ہمارے پاس سے اٹھ کر جاتا ہے تو وہ اس کا وہ مفہوم بیان کرنا شروع ہوتا ہے جو حقیقت میں نہیں ہوتا ۔ یہ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ ہماری حدیث اور ہمارے محبت (کے دعووں)سے ان کا مقصد اللہ کے ہاں اجر پانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دنیا اور خواہشاتِ نفس کوحاصل کرنا ہوتا ہے"۔[2]

1۔ نقد الفکر عند الشیخ مرتضی مطھري: ص: ۱۱۷-۱۱۸

2۔ بحار الانوار، المجلسی، ج: ۲، ص: ۲۴۶

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ قرآن و حدیث میں مذکور مفید علمی باتوں کے ادراک میں مقابلہ بازی نہیں کرتے اور نہ ان پر کاربند ہونے اور معاشرے کی برائیوں سے اصلاح پر ابھارتے ہیں۔

پھر ایسے لوگوں کو بھلا کیوں کر روا ہے کہ وہ اس دن نجات پانے کی امید رکھیں جس دن وہ بکھر جائیں گے اور اللہ ان کو ایک ایک کر کے حساب کے لئے اپنے حضور لائے گا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ حضرات امام بارگاہوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ان کو مساجد سے بھی زیادہ آباد کر رکھا ہے۔ چنانچہ ہمیں ان سے یہ سوال کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ : جب امام بارگاہوں کا قرآن میں کوئی ذکر ہی نہیں تو پھر کس نے ان کی تاسیس و تعمیر کا حکم دیا؟۔

مساجد کو آباد کرنے کا حکم اللہ تعالی نے دیا تاکہ ان میں اس کا ذکر ہو اور اس کی عظمت بیان ہو۔ چنانچہ قرآن میں ان کا اچھا خاصا ذکر آیا ہے جس سے ان کے تقدس اور حقوق ثابت ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ اللہ تعالی نے مساجد کو اپنے اس فرمان میں اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا:

﴿وَأَنَّ ٱلْمَسَٰجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدًا ۝١٨﴾ [الجن: ۱۸]

«اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، لہٰذا اُن میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو»۔

کیا نبی ﷺ کے زمانے میں امام بارگاہیں ہوا کرتی تھیں؟ یا پھر اوصیاء کے زمانوں میں کوئی امام بارگاہ موجود تھی؟ تاریخ میں سب سے پہلے بارگاہ کا قیام کب عمل میں آیا؟ اور اسلام میں اس کے شرعی جواز اور فضیلت کی کیا دلیل ہے؟

اللہ نے اپنی کتاب کے تزکیہ اور اس بات پر قسم اٹھائی کہ وہ روشن توشہ روح ہے جو اللہ کی محبت اور اس کی جنت تک لے جاتی ہے۔

اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب کے پاکیزگی، وضوح، اس کی قوتِ دلیل اور مکمل ہونے کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ۝٧٥ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝٧٦ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ۝٧٧ فِى كِتَـٰبٍ مَّكْنُونٍ ۝٧٨ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝٧٩ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ۝٨٠﴾ [الواقعة: ۷۵-۸۰]

«پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے مواقع کی۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ یہ ایک بلند پایہ قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں ثبت، جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے»۔

اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے بارے بیان میں ﴿إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ۝٧٧﴾ [الواقعة: ۷۷] یہ عظیم قسم ﴿وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝٧٦﴾ [الواقعة: ۷۶] اٹھانے کے بعد، باوجود سابق الذکر قسم کی عظمت کے، ایک اس سے بھی عظیم تر قسم اٹھائی۔ اللہ تعالی نے اپنی کتاب کی پاکیزگی بیان کرنے کے لئے ہر شے کی قسم اٹھائی ۔ یہ اپنی کتاب میں اللہ کی طرف سے اٹھائی گئی قسموں میں سے عظیم ترین قسم ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝٣٨ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝٣٩ إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝٤٠ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝٤١ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝٤٢﴾ [الحاقة: ۳۸-۴۲]

«تو ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں اور ان کی جو نظر میں نہیں آتیں کہ یہ (قرآن) فرشتۂ عالی مقام کی زبانی پیغام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ مگر تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کی باتیں ہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم فکر کرتے ہو»۔

اگر کوئی غور کرنے والا شخص اللہ کی اس قسم میں غور کرے جو اس نے اپنی کتاب کی پاکیزگی کے بیان میں اٹھائی تو اللہ کی عظمت اور اس کی ہم سے اور دیگر تمام ضعیف و محتاج مخلوقات سے بے نیازی کو یاد کر کے ہمیں اپنے رب سے شرم آ جائے۔ اس کے باوجود وہ رب الارباب اور بادشاہ و جبار جسے کسی انجام کا ڈر نہیں ان کے لئے قسم اٹھاتا ہے۔لیکن قرآن سے دوری، اس سے ترکِ تعلق اور اس کی آیات میں عدمِ تدبر اور غور و فکر نہ کرنے کی بنا پر جب اس جہان کا خالق و کارساز یہ عظیم قسم اٹھاتا ہے تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد نہ تو اس سے حیاء کرتی ہے، نہ اس سے ڈرتی ہے اور نہ ہی اس کے خوف سے روتی ہےاور ہم اس سے غفلت برتتے ہیں۔

واقعی بہت دکھ ہوتا ہے جب ہم ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جنھوں نے اللہ کی کتاب سے ترکِ تعلق کرکے اسے پس پشت ڈال رکھا ہے اور علماء ضلالت اور ان کی کتابوں میں ان کی گھڑی ہوئی بدعات اور شرکیہ امور کی اتباع کرتے پھر رہے ہیں۔

اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں حجت قائم کردینے کے بعد اپنے بندوں کو متنبہ کیا کہ ایسے خرافات بکنے اور تحریف کرنے والے سرپرستوں کی پیروی نہ کریں جن کا جھوٹ اور افتراء قرآن کی صریح آیات سے واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ ٣﴾ [الأعراف: ۳]

«لوگو، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو»۔

ان گمراہ ہو جانے والے لوگوں نے ان بیسیوں آیات میں کچھ بھی غور و فکر نہیں کیا جن میں خود اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کو واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ اس کی کتاب پر توجہ دیں،اس کی تلاوت کریں اور اسے سمجھیں۔ جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ مُبَٰرَكٞ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ ٢٩﴾ [ص: ۲۹]

« یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر رکھنے والے اس سے سبق لیں»۔

چنانچہ جب اللہ تعالی نے اس طرح کی آیات نازل فرمائیں جن میں غور و فکراور اتباع کرنے کی نصیحت کی گئی ہےتو ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم پورے اعتماد اور **اطمینان** کے ساتھ قرآن کی اتباع کریں اور ایسا کرنا ہمارے لئے اختیاری نہیں بلکہ واجب ہے ۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَهَٰذَا كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ مُبَارَكٌ فَٱتَّبِعُوهُ وَٱتَّقُواْ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ﴿١٥٥﴾﴾ [الأنعام: ١٥٥]

«اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، ایک برکت والی کتاب پس تم اِس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیارکرو، تا کہ تم پر رحم کیاجائے»۔

یہاں میں تمام شیعہ حضرات کو امام رضا کا قرآن کے بارے میں وہ قول یاد کراتا ہوں جس میں وہ فرماتے ہیں:" قرآن اللہ کی مضبوط رسی اور اس کا پائیدار حلقہ ہے ---اور یہ ہر انسان پر ایک حجت ہے جس میں باطل نہ تو سامنے سے در آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم و حمید ذات کا نازل کردہ ہے"۔[1]

اور ابو عبد اللہ سے منقول ایک عبارت میں ہے: "--جب فتنے باہم گڈ مڈ ہو جائیں (اور ان کی پہچان مشکل ہو جائے) جیسے تاریک رات کے مختلف حصے ہوتے ہیں تو اس وقت تم قرآن پر کاربند رہنا۔ قرآن سفارش کرنے والا ہے اور اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ جس نے اس کو اپنا امام بنا لیا اسے یہ جنت کی طرف لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا اسے یہ جہنم کی طرف لے جائے گا۔یہ ایک ایسا راہبر ہے جو سب سے بہتر راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے"۔[2]

یہ سب سے سچی اور اچھی بات ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

﴿وَمَنۡ أَصۡدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا﴾ [النساء: ٨٧]

«اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا ہو»۔

قرآن کریم میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے خلیل اور اس کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے سرکش نمرود کی حجت کو باطل کرتے ہوئے دلیل کے ساتھ اس کا منہ بند کر دیا یہاں تک کہ وہ ششدر ہو کر رہ گیا، اور اس طرح اپنی قوم کے سامنے رسوا ہوا، اس کا سارا پول کھل گیا اور کمزوری واضح ہو گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے حکمت بھرے فرمان میں ہمیں بتایا کہ:

1۔ عیون الاخبارالرضا، ابن بابویہ، ج: ۲، ص: ۱۳۰

2۔ وسائل الشیعہ: ج: ۴، ص: ۸۲۸، باب: ۳

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِى حَآجَّ إِبْرَٰهِـۧمَ فِى رَبِّهِۦٓ أَنْ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّىَ ٱلَّذِى يُحْىِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحْىِۦ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِى بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِى كَفَرَ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٥٨﴾﴾ [البقرة: ۲۵۸]

«کیا تم نے اُس شخص کے حال پر غور نہیں کیا، جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اِس بات پر کہ ابراہیمؑ کا رب کون ہے، اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی جب ابراہیم نے کہا کہ "میرا رب وہ ہے، جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے، تو اُس نے جواب دیا: "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے" ابراہیمؑ نے کہا: "اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا" یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا، مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا»۔

یہ ابراہیم ؑ کی حکمت ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں جن کی اللہ تعالی نے راہنمائی فرمائی۔ پھر بھلا اس وقت کیا صورت حال ہو گی جب اللہ کی احکم الحاکمین ذات اپنی نازل کردہ آیات کے ذریعے جو اس کا کلام ہیں ہمیں تعلیم دے اور حجت قائم کرے؟۔

کوتاہی لوگوں کی اپنی ہے جو اللہ کی کتاب کی قدردانی کا حق ادا نہیں کرتے یا پھر وہ اسے عجلت میں اور امورِ دنیا میں مشغول ہو کر یا اسے ختم کرنے کی مقابلہ بازی میں جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔

جب عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے قراءت قرآن کے بارے میں نبی ﷺ سے دریافت کرنے کے لئے رجوع کیا تو آپ ﷺ نے ان کو تین دن سے کم میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا: "جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے اسے کچھ نہ سمجھا"۔[1]

آپ ﷺ کا یہ فرمان نشاندہی کرتا ہے کہ تدبر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے کا مقصد صرف پڑھنا نہیں بلکہ اس کو سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی اتباع کرنا ہے ۔کہاں یہ حکمت سے بھرپور ربانی و نبوی راہنمائی اور کہاں وہ لوگ، خاص طور پر شیعہ عوام جنہوں نے اپنا سارا معاملہ اپنے مسلکی کتابوں کو سونپ رکھا ہے بنا اس کے کہ وہ اپنی علماء کی بتائی ہوئی باتوں کو پرکھنے کے لئے کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں۔

1۔ سنن ابو داؤد، حدیث نمبر: ۱۳۹۴، صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۷۵۸

قرآن پریشاں خیال لوگوں کے لئے سب سے بڑی حجت اور مضبوط ترین دلیل ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ سب سے سچی بات ہے جس سے صرف وہی شخص منحرف ہوتا ہے جو اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہو۔ لوگوں میں سب سے زیادہ باعلم، پرسکون اور خشوع رکھنے والے وہ ہوتے ہیں جو قرآن میں صحیح طور پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ [فاطر: ۲۸]

«حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اُس سے ڈرتے ہیں»۔

کیونکہ ان لوگوں نے سچے دل سے اپنے رب کی کتاب پڑھی اور اس پر عمل کیا۔ یہ لوگ وہی کچھ چاہتے ہیں جس سے ان کا رب راضی ہوتا ہو نہ کہ وہ کچھ جو ان کی یا ان کے آباء و اجداد یا خاندان کی خواہشات کی تسکین کرتا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالی نے بھی ان پر اپنی نوازشیں فرمائیں۔ اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَءَامِنُواْ بِرَسُولِهِۦ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِۦ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِۦ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٢٨﴾ [الحدید: ۲۸]

«اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلوگے، اور تمہارے قصور معاف کردے گا، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے»۔

اور فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ۝٢٩﴾ [الأنفال: ۲۹]

«اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہوگے تو اللہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہ دور کردے گا اور تمہیں بخشدے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے»۔

فرمایا: "فُرقانا" یعنی حق و باطل کے مابین فیصلہ کرنے والی چیز۔ یہ لوگ قرآن کی آیات اور اللہ کے نبی ﷺ کی سنت اطاعت و فرمانبرداری میں ان پر ٹھہر جاتے ہیں (اور ان سے سرِ مور تجاوز نہیں کرتے)۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُواْ سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَاۖ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيۡكَ ٱلۡمَصِيرُ﴾ [البقرة: ۲۸۵]

«اور (یہ لوگ) کہتے ہیں: ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے»۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "جو شخص قرآن پڑھتا ہے اس کی اللہ نے یہ ذمہ داری لی ہے کہ نہ تو وہ دنیا میں گمراہ ہو گا اور نہ ہی آخرت میں وہ بد نصیب ہو گا"۔ یہ فرما کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالی کا یہ قول پڑھا:

﴿فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقَىٰ﴾ [طہ: ۱۲۳]

« تو جو کوئی میری اُس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا»۔

علامہ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "تدبر جس کا حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ دور از خیال اقوال، طرح طرح کے دعوؤں اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے ذہن اور سوچ کو قرآن کی آیات پر مسلط کر دیا جائے،اس زعم میں کہ یہ سب تدبر کے اثرات اور اللہ کی آیات میں غور و فکر کے نتائج ہیں۔ ان میں شطحات صوفیہ (صوفیہ کے اقوال)، اہل بدعات کے خیالات و بے بنیاد باتیں اور فلاسفہ کے اکاذیب بھی شامل ہیں۔ خیالات اور ذہن میں فوری طور پر آنے والی باتوں پر اعتماد کرنا درست نہیں۔ یہ قرآن میں غور و تدبر کا غلط منہج ہے"۔

اسلاف سے بہت سے ایسے اقوال ماثور ہیں جن میں قرآن کی تفسیر بالرائے سےڈرایا گیا ہے۔عبدالرحمن سعدی کہتے ہیں: "اللہ نے اپنے بندوں کے لئے اپنے احسان کے دروازے کھول دیئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ اس کے احسان و فضل تک جا پہنچیں۔ اس نے ان کو خبردار کیا کہ گناہ اس کے فضل تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتے ہیں ۔ اگر کوئی بندہ گناہ کرے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے کیونکہ اس نے اللہ کے فضل و احسان تک پہنچنے سے اپنے آپ کو خود ہی روکا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَا يَكَادُونَ يَفۡقَهُونَ حَدِيثٗا﴾ [النساء: ۷۸]

«ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی»۔

یہاں میں قارئین سے اللہ تعالی کے ان ارشادات کے بارے میں سوال کرتا ہوں کہ ان آیات میں اللہ تعالی کن لوگوں کو غور و تدبر کرنے کا حکم دے رہا ہے؟ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُواْ ٱلْأَلْبَٰبِ﴿٢٩﴾﴾ [ص: ۲۹]

«ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی بڑی برکت والی تاکہ وہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں»۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا﴿٨٢﴾﴾ [النساء: ۸۲]

«کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن سوائے اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے»۔

ان آیات میں اللہ تعالی کن لوگوں کو تدبر کا حکم دے رہے ہیں؟

اللہ تعالی سب انسانوں کو حکم دے رہے ہیں کیونکہ قرآن سب انسانوں کے لئے نازل ہوا اور اس بارے میں بہت کثرت سے آیات آئی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِى هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰٓ أَكْثَرُ ٱلنَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴿٨٩﴾﴾ [الإسراء: ۸۹]

«ہم نےاس قرآن میں لوگوں کوطرح طرح سے سمجھایا مگر اکثر انکار ہی پر جمے رہے»۔

اور اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِى هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍۚ وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا﴿٥٤﴾﴾ [الكهف: ۵۴]

«ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے»۔

چنانچہ جب اللہ تعالی لوگوں کو مخاطب ہو کر انہیں اپنی کتاب میں تدبر کرنے کا کہتے ہیں تووہ اس لئے کہ تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ اس کتاب کی آیات کھلی اور واضح ہیں۔

﴿الٓرۚ تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱلْكِتَٰبِ وَقُرْءَانٍ مُّبِينٍ﴿١﴾﴾ [الحجر: ۱]

«الر، آیات ہیں کتاب الٰہی اور قرآن مبین کی»۔

چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالی ہمیں کسی ایسی شے کا حکم دے جس کا بجا لانا ہمارے لئے محال ہو۔

عرب لوگ جب قرآن کی تلاوت سنتے ہیں تو وہ اس کے معانی اور مقاصد کو بخوبی سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿رَّسُولًا يَتْلُواْ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ مُبَيِّنَٰتٍ لِّيُخْرِجَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ﴾ [الطلاق: ۱۱]

«ایک ایسا رسول جو تم کو اللہ کی صاف صاف ہدایت دینے والی آیات سناتا ہے تاکہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے»۔

پھر اس وقت بھلا کیا حال ہو گا جب اسے آہستہ آہستہ تدبر و خشوع کے ساتھ پڑھا جائے۔

اس لئے اللہ تعالی نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھتے ہیں۔ کیونکہ قران کو مضبوطی سے تھامے رکھنے والوں کو اللہ تعالی گم گشتگی اور بدعات سے نجات دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ قرآن پر خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ کے حکم سے صالحین و مصلحین ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِٱلْكِتَٰبِ وَأَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾﴾ [الأعراف: ۱۷۰]

«جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں اور جنہوں نے نماز قائم رکھی ہے، یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے»۔

چنانچہ آیات جن میں اللہ تعالی ہمیں اپنے احکام خاص طور پر اصولِ دین کی تعلیم دیتے ہیں ان کے بارے میں کوئی صاحبِ عقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کو سمجھنا ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ ایک ان پڑھ شخص جو پڑھنا اور لکھنا نہ جانتا ہو وہ بھی جب اللہ کی آیات کی تلاوت سنتا ہے تو ان کا اکثر حصہ بخوبی سمجھ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَمَا تُقَدِّمُواْ لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ ٱللَّهِ إِنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾﴾ [البقرة: ۱۱۰]

«نماز قائم کرو اور زکوۃ دو تم اپنی عاقبت کے لیے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے، اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب اللہ کی نظر میں ہے»۔

ان آیات میں نماز قائم کرنے، زکوۃ دینے اور دیگر نیک اعمال کرنے کا واضح حکم ہے۔ اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ فَـٰحِشَةً وَسَآءَ سَبِيلًا ﴿٣٢﴾﴾ [الإسراء: ۳۲]

«اور زنا کے قریب نہ جاؤ بےشک وہ بےحیائی ہے اور بری راہ ہے»۔

یہ واضح ممانعت ہے جس میں ضرورت نہیں کہ کوئی شخص آکر ہمارے سامنے اس کی تفسیر کرے۔ قرآن میں اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ سراسر اللہ کی رحمتیں ہیں۔

چنانچہ قرآن کے ذریعے اللہ نے ساری انسانیت کی رہنمائی فرمائی اور اپنی اس سچی کتاب کو انسانوں کے لئے راہنما اور دستور بنا دیا۔ انسان کو جس چیز کی بھی ضرورت ہے اسے اللہ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر یا اشارہ کرکے بیان فرمایا دیا ہے۔ جاننے والے اسے جانتے ہیں اور ناواقف لوگ اس سے ناواقف ہیں۔

ہم کوئی بھی ایسا اچھا اخلاقی رویہ پیش نہیں کر سکتے جو ہمیں قرآن اور نبی ﷺ کی سنت میں نہ ملتا ہو اور نہ کسی ایسی اخلاقی برائی کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و سنت میں منع نہ کیا ہو۔

ہاں یہ ہے کہ قرآن کریم میں کچھ ایسی آیات ہیں جن کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اہلِ علم کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے میراث، طلاق اور خرید و فروخت سے متعلق آیات۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں سنتِ مطہرہ کی اہمیت قرآن کریم سے کم نہیں ہے۔ اس شخص کا اسلام قابلِ قبول نہیں جو سنت کو نہیں مانتا۔ اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو سنت کی شان میں کمی کرتا ہے یا پھر اسے ایک طرف لگاتا ہے۔ یہ اسلامی شریعت کا دوسرا مصدر ہے۔ اسلام کی تکمیل ہی سنت کے ذریعے ہوتی ہے۔ سنت کا قرآن سے ایسا اتصال ہے جیسا سر کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ سنت تفصیل بیان کرنے والی اور تکمیل کرنے والی ہے۔ مثال کے طور پر جب اللہ سبحانہ و تعالی نے قرآن میں نماز کو فرض کیا تو سنت نے آکر ہمیں نماز کی کیفیت، اس کے اوقات، شرائط، واجبات اور اس کی سنتوں کے بارے میں بتایا اور اسی طرح غسل اور وضوء کا طریقہ سکھایا۔ اسی مقام سے ربانی علماء کے کردار کا آغاز ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے ایسے امورِ دین سکھائیں جن کا سمجھنا ان کی اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے مشکل ہو رہا ہوتا ہے ورنہ قرآن کریم میں بذاتِ خود ہر طرح کے نقص سے پاک ہے۔ اللہ کا دین تو نبیِ اسلام ﷺ کی وفات کے ساتھ کامل ہو گیا تھا۔

عرباض بن ساریہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ: "رسول اللہﷺ نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا جس سے ہماری آنکھیں بہہ پڑیں اور دل دہل گئے۔ ہم نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ تو گویا الوداعی وعظ تھا، آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں؟۔ آپﷺ نے فرمایا: میں تم کو ایک واضح راستے پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔ اب میرے بعد اس سے صرف وہی شخص ہٹے گا جو ہلاکت میں پڑنے والا ہو گا"۔[1]

اسی طرح قرآن میں بیسیوں ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالی بیان فرماتے ہیں کہ قرآن ہر شے کی وضاحت کرتا ہے اور اس میں ہر مثال موجود ہے اور یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کریمﷺ کی روح اس وقت قبض فرمائی جب ان کے لئے دین کا اکمال فرما دیا۔اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [المائدۃ: ۳]

«آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے»۔

یہ آیت آپﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخر میں نازل ہوئی ۔ اس میں جہاں اس بات کے نشاندہی کرنے والی باتیں ہیں کہ آپﷺ کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے وہیں نبیﷺ اور آپﷺ کی امت کے لئے شریعت کے کامل و تمام ہونے کی بشارت بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سورہ نصر بھی نازل فرمائی جس میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ ۝١ وَرَأَيۡتَ ٱلنَّاسَ يَدۡخُلُونَ فِي دِينِ ٱللَّهِ أَفۡوَاجٗا ۝٢ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَٱسۡتَغۡفِرۡهُۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابَۢا ۝٣﴾ [النصر: ۱-۳]

«جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہوجائے اور (اے نبیؐ) تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنےوالا ہے»۔

یعنی آپ کا کام ختم ہو گیا، آپ نے پیغامِ نبوت کو پہنچا دیا اور امانت ادا کر دی اور لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو گئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس امامت سے پہلے ہی اللہ کا دین کامل ہو

1۔ صحیح ابن ماجہ: ۴۱

چکا تھا جس کا عقیدہ شیعہ حضرات رکھتے ہیں۔

اسلام کے کامل و مربوط ہونے اوررسولِ امتﷺ کی وفات کے بعد اس کے محفوظ رہنے کی ایک دلیل ہمیں دکھائی دینے والی یہ حقیقت ہے کہ اللہ اور اس کی توفیق کے بعد، صرف قرآن ہی کی بدولت ہزاروں ایسے عجمی افراد اسلام لائے جو عربی زبان بالکل بھی واقف نہ تھے۔ان میں سے کچھ تو اس وقت ایمان لائے جب انہوں نے اچانک قرآن کی آیات کی تلاوت سنی۔ ان کےدلوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ وہ عربی زبان نہیں جانتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کا کہنا ہے کہ جب انہوں نے قرآن کی آیات کو سنا تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ایک بہت ہی خوشگوار شے ان کے دلوں میں سرایت کرتی جا رہی ہے، ان کی فطرت کو آواز دے رہی ہے اور ان کو ان کے رب اور خالق کی طرف کھینچتی چلی جا رہی ہے اور یوں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے نورِ اسلام ان کے دل میں داخل ہو گیا۔ پاک ہے وہ اللہ جس کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ قُرْءَانًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُواْ لَوْلَا فُصِّلَتْ ءَايَٰتُهُۥٓ ءَا۬عْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ هُدًى وَشِفَآءٌ وَٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِيٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُوْلَٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانِۭ بَعِيدٍ﴿٤٤﴾﴾ [فصلت: ۴۴]

« اگر ہم اِس کو عجمی قرآن بنا کر بھیجتے تو یہ لوگ کہتے: "کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے اور مخاطب عربی"۔ اِن سے کہو کہ یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے، مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے لیے یہ کانوں کی ڈاٹ اور آنکھوں کی پٹی ہے۔ اُن کی حالت ایسی ہے جیسے اُنکودور سے پکارا جارہاہو»۔

اللہ تعالی نے ان کے سچے دلوں میں موجود نیکی کو پروان چڑھاتے ہوئے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنی کتاب کے بارے میں فرماتی ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴿١٦﴾﴾ [المائدۃ: ۱۵-۱۶]

«تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالٰی اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کےطریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی

راہنمائی کرتا ہے»۔

جب کہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ مسلم و غیر مسلم عرب جب اللہ کی آیات سنتے ہیں تو ان سے اعراض کرتے ہوئے روگردانی کرتے ہیں یا ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿وَنُقَلِّبُ أَفْـِٔدَتَهُمْ وَأَبْصَـٰرَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِى طُغْيَـٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ﴿١١٠﴾﴾ [الأنعام: ١١٠]

«اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جس طرح یہ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے»۔

بہت سے ایسے غیر مسلم ہیں جن پر جب قرآن کے کچھ معانی اور علمی معجزات منکشف ہوئے تو وہ قرآن کی آیات سے بہت متاثر ہوئے اور یوں کسی امام اور وصی کی موجودگی کے بغیر ہی انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ اللہ کی ذات کے بعد اکیلا قرآن لاکھوں انسانوں کی اسلام کی طرف راہنمائی کا سبب بنا حالانکہ یہ لوگ نہ تو ائمہ کو جانتے تھے اور نہ انہوں نے کبھی ان کے بارے میں کچھ سنا تھا۔

چنانچہ سابق الذکر دلائل کی روشنی میں میں شیعہ عوام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ قرآن کریم اور اس میں صحیح فہم کے ساتھ غور و تدبر کی طرف لوٹ آئیں، اس سے ان پر بہت سے حقائق منکشف ہوں گے تا کہ وہ ثابت قدمی اور پورے اطمینان کے ساتھ صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکیں ۔ اسی طرح میں ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب سے دوری برتنے اور اس سے ترکِ تعلق سے ڈریں کیونکہ رسول ﷺ روزِ قیامت اللہ کے حضور ہر اس شخص کی شکایت کریں گے جس نے قرآن کو ترک کیا ہو گا اور اس پر عمل پیرا نہیں ہوا ہو گا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ ٱلرَّسُولُ يَـٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِى ٱتَّخَذُوا۟ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا﴿٣٠﴾﴾ [الفرقان: ٣٠]

«اور رسول کہے گا اے میرے رب بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظرانداز کر رکھا تھا»۔

اہل تشیع کا مذہب ان کی سوچ کو اپنا تابع بنا کر اصل دین اور قرآن کو دلیل بنانے سے دور کر دیتا ہے۔

شیعہ مذہب ائمہ کی طرف منسوب روایات کی بدولت شیعہ معاشرے کو اللہ کی کتاب سے دور کرنے اور ان سے ان کے وہ حقوق سلب کرنے میں کامیاب ہو گیا جو اللہ نے ان کو عطا کئے تھے یعنی قرآن کریم کا مطالعہ اور اس کی واضح نصوص کے مطابق اس میں غور و تدبر اور اس کی سمجھ بوجھ۔

چنانچہ یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کا علم صرف امامِ معصوم کا اہم ترین خاصہ ہے اور یہ کہ قرآن ایک خاموش نقش ہے جس کے لئے ایک ایسے بولنے والے ترجمان کی ضرورت ہے جو اس کی تفسیر و تاویل بیان کرے اور اللہ کی مراد کے مطابق اس سے احکام کا استنباط کرے اور سوائے امامِ معصوم کے یہ حق کسی کو حاصل نہیں۔ قرآن اور امامِ معصوم (دونوں لازم و ملزوم ہیں، ان میں سے) کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہوتا۔ قرآن بحیثیت نقش و حروف کے تو ہر ایک کی دسترس میں ہے تاہم یہ خاموش ہے، بول نہیں سکتا۔ جو شخص بھی اس دائرے سے ہٹ کر اس کو بلوانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کے عہد کو توڑنے والا، اس مقدس تعلق کی حرمت کو پامال کرنے والا اور اس کے حکم کے خلاف بغاوت کرنے والا ہو گا۔ اور اس سے ماسوائے دین میں تبدیلی، اس کی تحقیر اور اس کے خلاف سرکشی و بغاوت کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کی طرف انہوں نے یہ قول منسوب کیا کہ: "یہ قرآن ہے، اس کو بولنے کو کہو، یہ ہرگز تم سے نہیں بولے گا۔ میں تم کو اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔ اس میں گزشتہ اور قیامت تک رونما ہونے والی تمام باتوں کا علم ہے، یہ تمہارے مابین فیصل ہے اور جس بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے اس کی یہ وضاحت ہے[1]۔ اگر تم مجھ سے اس کے بارے میں پوچھتے تو میں تم کو بتاتا"۔[2]

1۔ سقطت العبارة التی تحتھا خط من النص الأصلي وھی: و بیان ما أصبحتم فیہ مختلفین. (المترجم)

2۔ نہج البلاغة، خطبہ: ۱۵۸، شرح محمد عبد، ص: ۲۱۹

ایک اور قول بھی ہے جو علی ﷛ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ: "یہ قرآن تو کتاب کے دونوں پلوں کے مابین ایک مستور خط ہے جو زبان سے نہیں بولتا، اس کے لئے ترجمان کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن کی طرف سے کچھ مخصوص لوگ بولتے ہیں"۔[1]

قتادہ کی حدیث میں ہے کہ جب ابو جعفر نے ان کو قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے سنا تو اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور کہنے لگے: "ارے قتادہ! اگر تو تم نے قرآن کی تفسیر اپنی طرف سے بیان کی ہے تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ اگر تم نے یہ تفسیر لوگوں سے لی ہے تو تم خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ قتادہ! قرآن کو صرف وہی جانتا ہے جو قرآن کا مخاطب ہو"۔[2]

سالم بن ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ: "ایک آدمی نے ابو عبد اللہ کے سامنے قرآن کے کچھ حروف پڑھے، جب کہ میں سن رہا تھا، جو کہ اس طرح سے نہیں تھے جیسے لوگ پڑھتے ہیں۔ اس پر ابو عبد اللہ ؑ نے فرمایا: اس طرح پڑھنے سے رک جاؤ اور ویسے ہی پڑھو جیسے لوگ پڑھتے ہیں یہاں تک کہ القائم ؑ (مہدی) آجائیں۔ جب القائم آجائیں گے تو وہ اللہ کی کتاب کو اس کے اصل طریقے کے مطابق پڑھیں گے اور اس مصحف کو لائیں گے جو علی ؑ نے لکھا تھا"۔[3]

القمی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر کی طرف ایک قول منسوب کرتے ہوئے اسی اصول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: "قرآن میں لوگوں کے لئے مثالیں بیان کی گئی ہیں اور اللہ قرآن کے ذریعے اپنے نبی اور ہم سے مخاطب ہے۔ چنانچہ ہمارے علاوہ کوئی بھی قرآن کا علم نہیں رکھتا"۔[4]

چنانچہ شیعہ عقائد کی رو سے اللہ کے صراطِ مستقیم کو پانے کی کوشش کرنے والا شخص حق تک کبھی نہیں پہنچ سکتا! یا تو وہ امام قائم کا انتظار کرے یا پھر تا دمِ مرگ ضلالت و اپنے گم گشتہ پن میں ڈوبا رہے۔

ان روایات اور کتبِ شیعہ میں موجود اس طرح کی بہت سی دیگر روایات نے حجتِ قرآن کو راہبر کے وجود کے ساتھ مربوط کر دیا۔ کیونکہ قرآن کی تفسیر صرف ایک شخص کے سامنے بیان کی گئی جو علی ﷛

1۔ نہج البلاغہ، خطبہ: ۱۵۸، شرح محمد عبدہ، ص: ۲۱۹

2۔ الوسائل، ج: ۲۷، ص: ۱۸۵، باب: ۱۳، حدیث نمبر: ۳۳۵۵۶

3۔ الاصول من الکافی، باب النوادر، ج: ۲، ص: ۶۳۳

4۔ تفسیر القمی: ۴۲۴/۲

تھے۔ علی رضی اللہ عنہ سے قرآن کا علم ان کے بعد باقی ساری امت کی طرف منتقل ہوا اور ہر امام اس علم کو اپنے بعد والے امام کے سپرد کر کے جاتا رہا یہاں تک کہ یہ بارہویں امام تک پہنچ گیا جو اثنا عشری شیعہ کے نزدیک بارہ سو سال سے زائد عرصے سے غائب و مفقود ہے اور بعض گروہِ شیعہ کے ہاں معدوم ہے۔

چونکہ اس عقیدے نے حجیت قرآن کو اس امامِ غائب یا امامِ معدوم کے ساتھ مربوط کر دیا اس لئے ان کے نزدیک قرآن کو بطور حجت پیش کرنا موقوف ہے کیونکہ اس کا نگران غائب ہے اور اسی طرح استدلال کے لئے اللہ کی کتاب کی طرف رجوع بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ ضلالت و گمراہی بھلا اور کیا ہو سکتی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ مذہب کا دعوی ہے کہ بنا کسی غلطی کے دین کی توضیح و تفسیر کے لئے ائمہ معصومین کا وجود ضروری ہے۔ ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ پھر دنیا بھر کے اندر لوگ کا اتنا بڑا جم غفیر ایمان کس طرح لے آیا؟ اور دوسری طرف وہ دعوی کرتے ہیں کہ زمانہ غیبوبت جو سینکڑوں سال تک پھیلا ہوا ہے اس میں شارع مقدس نے امت کو فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا کہا ہے۔

جب کہ ان کے فقہاء غیر معصوم ہیں، اس وجہ سے ممکن ہے کہ قرآن و سنت کو سمجھنے میں وہ بہت سے کمیوں و کوتاہیوں کا شکار ہو جائیں اور اس میں (بہت سی دوسری باتوں کی) آمیزش کر دیں۔ خود شیعہ فقہاء بھی اس تناقض پر حیران و پریشان ہیں۔

امامِ معصوم کی غیبوبت کا آغاز بارہ سو سال سے زیادہ عرصہ قبل ہوا اور ہو سکتا ہے کہ یہ مزید ہزاروں سال جاری رہے۔ کیا شیعہ مذہب نے کوئی ایسی شے ایجاد کی ہے جسے وہ ان کی غیبوبت کے بدلے میں پیش کر سکے؟

یہ لوگ سادہ لوح شیعہ عوام کو کسی مضبوط ڈوری سے وابستہ رکھنے اور اس غرض سے کہ کہیں وہ ذرہ برابر بھی تناقضات سے بھرپور ان کے اس مذہب سے دور نہ ہو جائیں ایسی روایات گھڑنے میں کامیاب ہو گئے جو شیعہ سوچ کو اسیر کرتے ہوئے اسے تناقض و اختلاف اور جھوٹ قبول کرنے کی راہ پر ڈال دیتی ہیں۔ شیعہ مذہب میں پائے جانے والے تناقضات کا سبب یہ ہے کہ وہ دین اسلام کے اولین مصدر اور اساس یعنی قرآن کریم کی بجائے فلسفہ پر مبنی ہے کیونکہ قرآن ان کی ہم نوائی نہیں کرتا۔ جیسے "بداء" کا قائل ہونا، تقیہ کو جائز قرار دینا اور امام کے کلام کو اللہ کے کلام کی حیثیت دینا بایں طور کہ دونوں میں کچھ بھی فرق نہ کیا جائے۔

تفسیر قمی میں مذکور ایک طویل روایت جو بنو عباس کے دور کے خاتمے کی خبر دیتی ہے اس میں ان کے امام یہ کہتے ہیں: "جب ہم تم کو کوئی بات بتائیں اور وہ ویسے ہی نکلے جیسے ہم نے تمہیں بتائی ہو تو پھر یوں کہا کہ کرو کہ: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ اور اگر اس کے برخلاف ہو جائے تو پھر بھی کہا کرو کہ: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، (اس طرح کہنے پر) تم کو دوہرا اجر دیا جائے گا"۔[1]

اس پر مستزاد یہ کہ روایات گھڑنے والے ایسی روایات کے ذریعے شیعہ لوگوں کے دلوں کو خوفزدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے جو ان کو شیعہ مذہب پر قائم رہنے کا پابند کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ ابو عبد اللہ کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ: "ہماری بات رد کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی بات کو رد کرنے والا ہوتا ہے اور وہ شرک کی حدود پر ہوتا ہے"۔[2]

اور یہ سب کچھ امام کے کلام کو وہی حیثیت دے دیتا ہے جو اللہ کے کلام کی ہوتی ہے۔ مازندرانی کا تو یہ عقیدہ ہے کہ: "جو شخص ابو عبد اللہ سے (ان کا کوئی قول) روایت کرتا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ یوں کہے کہ: "قال اللہ تعالی (اللہ تعالی نے فرمایا)" کیونکہ امام کا قول ایسے ہی ہوتا ہے جیسے اللہ کا قول ہوتا ہے"۔اسی طرح مازندرانی کا کہنا ہے کہ: "ائمہ مطہرین میں سے ہر امام کی حدیث اللہ کا ہی قول ہوا کرتا ہے ۔ ان کے اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ کے قول میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا"۔[3]

یوں یہ لوگ کنیسائی نظام سے بھی آگے بڑھ گئے جس میں لوگ بنا کسی بحث و مباحثے کے صرف پادریوں کے پاس اپنے فیصلے لے جاتے ہیں ۔ اسی طرح شیعہ عوام بھی کرتے ہیں کہ اپنے مذہب کے سوا وہ کسی کو اپنا فیصل نہیں بناتے۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ لوگ اللہ کی کتاب سے بھی زیادہ ائمہ کی طرف منسوب روایات سے مربوط ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ شیعہ عوام میں یہ ہمت ہی نہیں رہی کہ وہ ائمہ کی طرف منسوب روایات میں غور و فکر اور قرآن کے ساتھ ان کا موازنہ و قیاس کریں خواہ وہ محض تحقیق و تصحیح کی غرض

1۔ تفسیر القمی، ج:۱، ص: ۳۱۱/۳۱۰، بحار الانوار، ج: ۴، ص: ۹۹

2۔ الکافي، محمد بن یعقوب الکلینی، ۱/۶۷، التہذیب، طوسی، ج: ۶، ص: ۳۰۱، اور کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ قول "من لا یحضرہ الفقیہ"، ج۳، ص: ۸ اور الحدائق الناظرۃ، ج: ۱۳، ص: ۲۵۹ میں بھی مذکور ہے۔

3- شرح اصول کافی، مازندرانی، ۲/۲۲۵

سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ان کے خیال میں ایسا کرنے سے وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں گےاور دائمی خسارے کے مستحق ٹھہریں گے اور ممکن ہے کہ ہمیشہ کے لئے ان پر لعنت پڑ جائے۔

اس طرح دور قدیم میں گزرنے والے ان کے بڑے جنہوں نے یہ روایات گھڑی تھیں اس خوف کو عوام کے دلوں میں بٹھانے میں کامیاب ہو گئے اور اب دورِ جدید میں شیعہ عوام اور کمزور لوگوں کو غلام بنانے کے لئے ان کے بڑوں نے دلوں میں بٹھائے اس جھوٹے خوف کو غلط انداز میں اپنے ذاتی فائدے کے لئے اس طرح استعمال کیا کہ مراجع کو وہ مقام و اختیارات دے دیئے جن کی بدولت وہ شیعہ معاشروں پر تقریبا پوری طرح سے قابض ہو گئےاور لوگوں سے ان کے اموال اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کرلی۔ اس کا ایک اور مقصد امامِ منتظر کی غیبوبت کی پردہ داری کرنا بھی تھا جس کا انتظار کرتے کرتے شیعہ لوگ اب اکتا چکے ہیں۔

مجھے شیعہ عوام پر تعجب ہوتا ہے کہ قرآن میں ان کو ایسی بے شمار آیات ملتی ہیں جو ان کی ان روایات سے متناقض ہیں جن کو وہ اپنے ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو ان کو غور و تدبر سے دور کرتی ہیں۔ کیونکہ ان قرآنی آیات میں اللہ اپنے بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے براہِ راست احکامات اور تعلیمات دیتا ہے اور اللہ اور ان کے مابین کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: اے لوگو!، اے انسان!، اے بنی آدم!، اے میرے بندے!، اے ایمان والو!۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ پہلے اللہ تعالی اپنے بندوں کو اپنی کتابِ عزیز میں ان الفاظ کے ساتھ مخاطب کرے اور پھر ان کو اس میں غور و تدبر کرنے سے روک دے۔

اللہ کی کتاب میں ہمیں جنات کا یہ اعتراف پوری وضاحت کے ساتھ ملتا ہے کہ قرآن راہِ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے حالانکہ ان جنات نے ان کے کسی امام سے نہ تو کوئی تفسیر سنی تھی اور نہ کچھ راہنمائی لی تھی بلکہ انہوں نے صرف نبیِ عالمینﷺ کے حضور صرف اور صرف قرآن سنا تھا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے :

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ ٱسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَقَالُوٓا۟ إِنَّا سَمِعْنَا قُرْءَانًا عَجَبًا ۝١ يَهْدِيٓ إِلَى ٱلرُّشْدِ فَـَٔامَنَّا بِهِۦ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ أَحَدًا ۝٢﴾ [الجن: ١-٢]

«اے نبیؐ! کہو، میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے غور سے سنا پھر (جاکر اپنی قوم کے لوگوں سے) کہا: "ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی

طرف راہنمائی کرتا ہے اِس لیے ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے»۔

کاش کوئی شیعہ تنہائی میں اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ: اگر قرآن ایک کتابِ صامت (خاموش کتاب) ہے اور علی رضی اللہ عنہ (اس کی طرف سے) ناطق (بولنے والے) ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے کتابِ ناطق کی روح تو قبض کر لی اور کتابِ صامت کو ہمارے پاس چھوڑ دیا؟ بلکہ اللہ ہم پر یہ بھی واجب قرار دیتا ہے کہ ہم ائمہ میں سے کسی امام کے ذریعے ہی اس کی تفسیر کریں، وہ ائمہ جن کو نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی ان سے ہم کچھ اخذ کر سکتے ہیں!۔ علی رضی اللہ عنہ اور ائمہ نے اپنی غیبوبت کے بدلے میں لوگوں کے لئے کوئی ایسی تفسیر کیوں نہ چھوڑی جو قرآن کی طرح امت کے پاس محفوظ رہتی تا کہ ان کے بعد امت گمراہی کا شکار نہ ہوتی!۔ ایسا کرنا بہت ضروری تھا خاص طور پر اس لئے کہ قرآن کے مفسرین صرف اور صرف وہی ہیں!؟۔

بلکہ ہمیں شیعہ کی کتابوں میں بہت سی ایسی روایات ملتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے امت سے قرآن کو مخفی رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ساری امت کو دینے کی جو وصیت فرمائی تھی اسے پورا کرنے میں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی۔ طبرسی نے اپنی کتاب "الاحتجاج" میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو علی رضی اللہ عنہ قرآن جمع کرنے کے بعد اسے لے کر مہاجرین و انصار کے پاس آئے اور ان کے سامنے اسے پیش کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایسا کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ ابو بکر نے جب اسے کھولا تو جو پہلا صفحہ ان کے سامنے کھلا اس میں ان لوگوں کی برائیاں بیان کی گئی تھی۔ اس پر عمر آگے لپکے اور کہنے لگے: اے علی! اسے لے جاؤ، ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ علی علیہ السلام اسے لے کر واپس آ گئے۔ پھر وہ لوگ زید بن ثابت کو لائے جو قرآن کے قاری تھے۔ ان کو عمر نے کہا: علی ایسا قرآن لے کر آئے تھے جس میں مہاجرین و انصار کی برائیاں تھیں (اس لئے تم قرآن جمع کرو)۔ زید نے (قرآن جمع کرنے سے متعلق) ان کی بات مان لی۔۔ جب عمر کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے علی سے کہا کہ وہ قرآن ان کو دے دیں۔ پھر انہوں نے باہم اپنے طور پر اس میں تحریف کر دی"۔[1]

1۔ الاحتجاج، علامہ طبرسی، ۱۵۵/۱، بحار الانوار، ج: ۹۸، ص: ۴۲-۴۳

شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم اور محقق مرزا حبیب اللہ ہاشمی کا کہنا ہے کہ: "امام علی اپنے دورِ خلافت میں تقیہ کی وجہ سے قرآن کی تصحیح نہ کر سکے اور ایسا نہ کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ روزِ قیامت یہ تحریف و رد و بدل کرنے والوں کے خلاف بطور دلیل پیش ہو"!!۔

مرزا حبیب اللہ ہاشمی کا یہ بھی کہنا ہے کہ: "ائمہ صحیح قرآن کو سامنے نہ لا سکے اس خوف کے پیشِ نظر کہ کہیں لوگوں میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے اور وہ اپنے پہلے والے کفر کی طرف نہ لوٹ جائیں"۔[1]

یہ کہنا کہ امام علی اس لئے قرآن کی تصحیح نہ کر سکے تا کہ روزِ قیامت یہ تحریف و رد و بدل کرنے والوں کے خلاف حجت بن سکے، یہ ان کی تعریف کے بجائےان پر عیب لگانے کے مترادف ہے۔ شیعہ کی اس بے سروپا بات کی رو سے تو علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر و عمر سے بڑے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابوبکر و عمر سے امت کے لئے قرآن واپس نہ لوٹا یا اور انہیں گمراہی میں ہی چھوڑ دیا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن کو ظاہر کرنے کی جو وصیت فرمائی تھی اس میں بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی۔ ان لاکھوں انسانوں کا کیا قصور تھا جن کو ان مٹھی بھر تبدیلی کرنے والوں کی وجہ سے علی گمراہی میں چھوڑ کر چلے گئے!؟۔

شیعہ لوگوں کے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو معتقدات ہیں ان کی رو سے تو وہ کھلم کھلا ان لوگوں میں سے ہو جاتے ہیں جو علم یعنی قرآن کریم کو چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡتُمُونَ مَآ أَنزَلۡنَا مِنَ ٱلۡبَيِّنَٰتِ وَٱلۡهُدَىٰ مِنۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي ٱلۡكِتَٰبِ أُوْلَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ١٥٩﴾ [البقرة: ۱۵۹]

«جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، در آں حالیکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کرچکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں»۔

اس بنا پر تو ان افتراء پردازوں کی من گھڑت جھوٹی باتوں کی ذمہ داری علی رضی اللہ عنہ پر عائد ہوتی ہیں ۔ قرآن کو مخفی رکھنے کی وجہ سے جو بھی فتنے پیدا ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ اپنے سے پہلے آنے والے تینوں خلفاء کی پوری مدتِ خلافت کے دوران انہو ں نے خاموش رہ کر جس طرح اسے مرتد نواصب کے تصرف میں دیئے رکھا، اس سب کے ذ مہ دار علی ہی ہوں گے۔

1۔ دیکھئے: منهاج البراعة في شرح نهج البلاغة، ج:۲، المختار الأول، ص: ۲۱۴-۲۱۷-۲۲۰

جب کہ اہلسنت کے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین سے قتال کیا جنہوں نے اپنے اموال کی زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اس موقع پر اپنا وہ مشہور جملہ کہا کہ: "اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے ایک ایسی رسی دینے سے بھی انکار کریں جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو اسے نہ دینے پر میں ان سے جنگ کروں گا"۔ "عقال" اس رسی کو کہا جاتا ہے جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ بطور مثال اللہ تعالی کے اس فرمان کو پیش کرتے ہیں:

﴿مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُواْ مَا عَٰهَدُواْ ٱللَّهَ عَلَيۡهِۖ فَمِنۡهُم مَّن قَضَىٰ نَحۡبَهُۥ وَمِنۡهُم مَّن يَنتَظِرُۖ وَمَا بَدَّلُواْ تَبۡدِيلٗا۝٢٣﴾ [الأحزاب: ۲۳]

«ایمان والو میں سے ایسے آدمی بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچ کر دکھایا پھر ان میں سے بعض تو اپنا کام پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں اور عہد میں کوئی تبدیلی نہیں کی»۔

شیعہ سوچ میں جو خطرناک فکری بندشیں ہیں ان میں سے ایک وہ کثیر روایات ہیں جن کی رو سے قرآن ایک باطنی مفہوم رکھتا ہے۔ محمد بن منصور سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ: "میں نے امام کاظم سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا:

﴿قُلۡ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ٱلۡفَوَٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [الأعراف: ۳۳]

«کہہ دو میرے رب نے بےحیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا باطن»۔

میرے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ: قرآن کی ایک ظاہر (پیٹھ) ہے اور ایک بطن (پیٹ)"۔[1]

یہ لوگ تو حد سے ہی بڑھ گئے اور نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قرآن کی ایک پیٹھ ہے اور ایک بطن اور اس کے بطن کے ایک سے لے کر سات تک بطون ہوتے ہیں"۔ ایک روایت میں ہے کہ : "ستر تک بطن ہوتے ہیں"۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ: "ستر ہزار بطن ہوتے ہیں"۔[2]

1۔ الأصول من الكافي: ج: ۱، ص: ۳۸۴، کتاب الحجة، باب من ادعی الإمامة.

2۔ دیکھئے: نص النصوص، حیدر الآملی، ص: ۷۲، وھو یہ شیعوں کی مشہور شخصیات میں سے ہے اور غالی صوفی ابن عربی کے افکار سے متاثر ہے۔ حیدر الآملی کی وفات سن ۷۸۲ کے بعد ہوئی۔ جامع الاسرار و منبع الانوار، ص: ۵۳۰/۱۰۴

اسی طرح امام ابو جعفر الباقر کی طرف جابر سے کہا جانے والا یہ قول منسوب کر دیا کہ: "اے جابر! قرآن کا ایک بطن ہوتا ہے اور بطن کا بھی بطن ہوتا ہے۔ قرآن کی ایک پیٹھ ہوتی ہے اور پھر پیٹھ کی بھی پیٹھ ہوتی ہے۔اے جابر! قرآن کی تفسیر سے بڑھ کر کوئی ایسی شے نہیں جو آدمیوں کے ذہنوں سے زیادہ بعید ہو"۔[1]

وہ ایسا اس لئے کرتے تا کہ قرآن کو اپنی ان جھوٹی روایات کے تابع بنا سکیں جو انہوں نے ائمہ کی طرف منسوب کر کے گھڑی ہیں۔ چنانچہ اس کی راہ ہموار کر لینے کے بعد وہ قرآن کریم کی من پسند اور من چاہی تفسیر کرنے لگے۔

شیعہ مذہب میں قرآن کی باطنی تفسیر کی ایک مثال تفسیر قمی میں ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿مَرَجَ ٱلۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيَانِ﴾ [الرحمن: ۱۹]

«دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں»۔

اس کی تفسیر میں القمی نے امام صادق کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ حدیث ذکر کی کہ: "(آیت سے مراد ہے کہ) علی اور فاطمہ علیہما السلام دو گہرے سمندر ہیں جن میں سے کوئی اپنے ساتھی پر زیادتی نہیں کرتا"۔ فرمایا:

﴿يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا ٱللُّؤۡلُؤُ وَٱلۡمَرۡجَانُ﴾ [الرحمن: ۲۲]

«ان سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں»۔

امام صادق نے فرمایا کہ: "اس سے مراد حسن اور حسین ہیں"۔[2]

شیعہ مرجع ناصر مکارم شیرازی کہتے ہیں: "یہاں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے کئی بطون ہیں اور یہ کہ عین ممکن ہے کہ ایک ہی آیت کے متعدد بلکہ بیسیوں معنی ہوں۔ بیان کردہ آخری تفسیر بطونِ قرآن میں سے ہے جو اس کے ظاہری معانی سے متنافی نہیں ہے"۔[3]

شیعہ مذہب میں تفسیرِ باطنی کی ایک اور مثال اللہ تعالی کے اس فرمان کی تفسیر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

1۔ تفسیر العیاشی: ۱/۸۷، و الحدائق الناضرة، البحرانی، ۱/۲۷، مستدرک الوسائل، ۱۷/۳۳۴-۳۳۵

2۔ تفسیر القمی، ج: ۲، ص: ۳۴۴

3۔ الأمثل في تفسير القرآن، ج: ۱۷، ص:۳۶۹

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ ٱلشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ [النحل: ٦٨]

« اور دیکھو، تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کردی کہ پہاڑوں میں، اور درختوں میں، اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا»۔

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ "شہد کی مکھیوں کو وحی کرنے کی کیا ضرورت تھی!؟۔ بلکہ یہ آیت تو ہمارے بارے میں نازل ہوئی، شہد کی مکھیوں سے مراد ہم لوگ ہیں، ہم ہی ہیں جو زمین پر اللہ کے حکم سے مقیم ہیں، پہاڑوں سے مراد ہمارے شیعہ ہیں اور شجر ایمان والی عورتیں ہیں!"۔

﴿يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل: ٦٩]

«اِس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے»۔

(اس سے مراد) ائمہ علیہم السلام ہیں۔

يَخْرُجُ : (نکلتی ہے) ان کے علوم سے، شَرَاب : (ایک قسم کی شراب) جسے مومنوں کے دل پیتے ہیں۔ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ : مختلف علوم سے متعلق اس کے معانی۔

تفسیر القمی میں صاحبِ تفسیر اپنی اسناد سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں جو حریز سے اور وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالی کے فرمان ﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ﴾ [النحل: ٦٨] کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ: شہد کی مکھی سے مراد ہم ہیں جن کی طرف اللہ تعالی نے وحی کی۔ ﴿أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا﴾ اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اہل عرب کو اپنا شیعہ (گروہ اور ہم نوا) بنائیں اور "مِنَ الشجَر" سے مراد ہے کہ : عجم سے بھی، "وَ ممَّا يَعرِشُونَ" یعنی آزاد کردہ غلاموں کو (بھی اپنا ساتھی بناؤ)۔ اور جو مختلف رنگوں کی پینے کی شے ان کے بطون سے نکلتی ہے اس سے مراد وہ علم ہے جو ہم سے نکل کر تم تک پہنچتی ہے۔[1]

شیعہ مذہب جس باطنی تفسیر کا دعوی کرتا ہے وہ ان کی کتبِ تفسیر میں بکثرت پائی جاتی ہے بلکہ یہ ان کے عقائد کی بنیاد ہے۔ قرآن کے کسی واضح قرینے کے بغیر ہی اپنے اس دعوے کی بنا پر ان کی

1۔البحار، ج: ۱۱۱/۲۴، دیکھئے تفسیر القمی اور تفسیر البرہان، آیت ٦٨، سورۃ النحل۔

کتاب اللہ سے دوری واضح ہو جاتی ہے۔تاویل باطنی کرنا اور اسے ایک ضابطہ سمجھ لینا قرآن کے تمام معانی میں تصرف کرنے اور ان کو ان کے مقصود سے پھیرنے کی کھلی آزادی دے دیتا ہے جو کہ عین الحاد ہے۔

یہ نظریہ کہ قرآن کے ستر سے لے کر ستر ہزار تک معانی ہیں اللہ تعالی کے اس فرمان سے بالکل بھی موافقت نہیں رکھتا کہ:

﴿فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ﴾ [مریم: ۹۷]

«اِس کلام کو ہم نے آسان کرکے تمہاری زبان میں اسی لئے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو»۔

اور اسی طرح فرمایا:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾﴾ [القمر: ۱۷]

«ہم نے اِس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنادیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا»؟۔

اللہ کا یہ فرمان سورہ قمر میں متعدد بار آیا ہےتا کہ جس دن کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا اس دن یہ اس شخص کے خلاف حجت ہوگا جس نے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق قرآن کی تفسیر کی اور ایسے باطنی معانی کا سہارا لیا جن تک اس بدعتی شخص کی رسائی اس کی عقل و گمراہی کے ذریعے ہوئی یا اس شخص کے خلاف حجت ہو جس نے قرآن کے بارے میں اس بات کو دلیل بنایا کہ یہ ایک خاموش کتاب ہے جسے صرف ائمہ کے واسطے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی نے ان تمام احادیث کا رد کیا جن کے بقول قرآن کی ایک پیٹھ اور ایک بطن ہوتا ہے اور اس کے بطن کے بھی آگے ایک بطن سے لے کر سات تک بطون ہوتے ہیں۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "مختلف احادیث جن کو اہلِ علم میں سے کسی نے بھی روایات نہیں کیا اور نہ ہی کتبِ حدیث میں ان میں سے کوئی موجود ہے"۔[1]

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ آیات کے معانی میں گہرائی ہوجن کو سمجھنے کے لئے ان لوگوں کی دقتِ نظر اور اجتہاد کی ضرورت پڑے جو اس کے اہل ہوں۔ اہلسنت کے ہاں یہ بات متفق علیہ ہے کہ

1۔ مجموع فتاوی، ابن تیمیہ، ج: ۱۳، ص: ۲۳

ظاہر کبھی بھی باطن سے متناقض نہیں ہوتا اور یہ کہ اصولِ دین بالکل واضح ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔

اس کی ایک مثال سورہ نصر ہے﴿إِذَا جَآءَ نَصۡرُ ٱللَّهِ وَٱلۡفَتۡحُ﴾ [النصر: ۱] ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے استنباط کیا کہ نبی ﷺ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ یہ ایسی حکمت ہے جسے اللہ تعالی ہر اس صادق الایمان مومن کو دیتے ہیں جو بدعات کی ترویج کے بجائے (قرآن و حدیث کی) اتباع کرنے والا ہوتا ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جس کا فرمان ہے:

﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ﴾ [البقرة: ۲۸۲]

«اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے»۔

قرآن کے بارے میں شیعوں کے اس غلط نقطہ نظر نے شیعوں کو غالی صوفیاء کے ساتھ لا کھڑا کیا کیونکہ یہ نقطہ نظر اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف من گھڑت باتیں اور جھوٹ منسوب کرنے اور غلط عقائد و خرافات کے دروازے کھولتا ہے جیسا کہ ان کی تفاسیر اور ان روایات سے واضح ہے جو پوری دیدہ دلیری سے صریح قرآن کی مخالفت کرتی ہیں۔

یہ عقیدہ کہ قرآن کے ستر سے ستر ہزار تک معانی ہیں مفسرین کے مابین بھی اختلاف کا دروازہ چوپٹ کھول دیتا ہے اور یوں غلط اجتہادات اور باہم متضاد تفاسیر کی بہتات ہو جاتی ہے اس لئے کہ قرآن کا ہر مفسر اور ہر قاری اپنے اجتہاد کو صحیح سمجھتا ہے۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو اپنی خواہشِ نفس کا پیرو ہوتا ہے اور اپنی رائے کو اچھا سمجھتا ہے یہ گمان کرنے لگ جاتا ہے کہ آیت کے جس فہم تک اس کے دل و دماغ کی رسائی ہوئی ہے وہ ہو سکتا ہے کہ باطنی معانی میں سے ہو۔ اس طرح سے وہ شخص اپنی منحرف رائے کا دلدادہ ہوجاتا ہے اور اہلِ بدعت اور ہوائے نفس کا اتباع کرنے والے لوگوں کی بدعات و بے حقیقت باتوں کے اثبات میں ان کا راہبر بن جاتا ہے۔

وساوس پھونکنے کے لئے یہ شیطان کا ایک بنا بنایا راستہ شمار ہوتا ہے۔یہ لوگوں کو اکٹھا نہیں کرتا بلکہ ان میں انتشار پیدا کرتا ہے۔قرآن رحمت بن کر نازل ہوا تا کہ اس کے واضح اسلوبِ بیان اور ہر کجی سے پاک صراطِ مستقیم کی طرف بلانے والے روشن الفاظ کے ذریعے اللہ تعالی مومنوں کے دل باہم جوڑ دے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡۚ لَوۡ أَنفَقۡتَ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا مَّآ أَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٞ٦٣﴾ [الأنفال: ٦٣]

«اور مومنوں کے دل ایک دُوسرے کےساتھ جوڑ دیئے، تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو اِن لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور داناہے»۔

اور اسی طرح فرمایا:

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَآءٗ فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُم بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَٰنٗا وَكُنتُمۡ عَلَىٰ شَفَا حُفۡرَةٖ مِّنَ ٱلنَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنۡهَاۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمۡ ءَايَٰتِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ١٠٣﴾ [آل عمران: ١٠٣]

«اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے نجات دی اس طرح تم پر اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتاہے تا کہ تم ہدایت پاؤ»۔

انہوں نے بس اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ ابو جعفر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ قول بھی منسوب کر دیا کہ: "جب قائم آلِ محمد آئیں گے تو ان کے لئے خیمے لگا دیئے جائیں گے جو لوگوں کو اس طرح سے قرآن سکھائیں گے جس طرح اللہ جل جلالہ نے اسے نازل کیا تھا۔اس قرآن کو سیکھنا اس شخص کے لئے سب سے زیادہ دشوار ہو گا جس نے آج اسے حفظ کیا ہے کیونکہ وہ اس (قائم آل محمد کے قرآن) کی تالیف کے برخلاف ہے"۔[1]

یہ قرآنِ کریم کو حفظ کرنے سے باز رہنے کی ایک کھلی دعوت ہے۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ شیعہ عوام ان روایات کو کیسے قبول کر لیتے ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی کتاب کے حفظ سے روکتی ہیں اور جن سے ان کی اس ذات سے دوری واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے جو ان کی رب اور خالق ہے اور ان کو عافیت و رزق دینے والی ہے!؟۔

1۔ دیکھیں: البیان فی تفسیر القرآن، ص: ٢٢٣، ارشاد المفید،ج: ٢، ص: ٣٨٦، روضة الواعظین، ص: ٢٦٥، غیبة النعماني، ص: ٣١٨-٣١٩

شیعہ علی ﷛ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ: "(میں دیکھ رہا ہوں کہ) گویا میں عجمی لوگوں کے ساتھ ہوں جن کے خیمے کوفہ کی مسجد میں لگے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں کو اس طرح سے قرآن سکھا رہے ہیں جیسے وہ نازل ہوا تھا"۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ: "اے امیر المومنین! کیا قرآن اس حالت میں نہیں ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا؟"۔ آپ نے جواب دیا: "نہیں، اس میں سے ستر قریشی افراد کے نام ان کے آباؤ اجداد کے اسماء سمیت مٹا دیئے گئے۔ابو لہب کا نام صرف رسول اللہ ﷺ کو عیب دار کرنے کے لئے باقی رکھا گیا کیونکہ وہ آپ ﷺ کا چچا تھا"۔[1]

اگر ہم اس روایت پر گفتگو کریں جو قرآن پر ناقص و تحریف شدہ ہونے کی تہمت لگاتی ہے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔اس روایت کو اس کے گھڑنے والے پر رد کرنے کے لئے اسے پڑھنے والے کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اس کی صرف ایک جزوی بات پر غور کر لے جو علی ﷛ پر جھوٹ باندھی گئی ہے اور وہ ان کا یہ قول کہ: "ابو لہب کا نام صرف رسول اللہ ﷺ کو عیب دار کرنے کے لئے باقی رکھا گیا۔"۔

سورہ مسد تو اللہ سبحانہ و تعالی نے نازل کی ۔ کیا اللہ اپنے رسول کو عیب دار کرے گا؟

اصولِ کافی اور دیگر کتب میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب ایک طویل روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہمارے پاس ایک جامع شے ہے اور ان کو کیا معلوم کہ وہ جامع شے کیا ہے؟۔ میں نے دریافت کیا: میں آپ پر قربان جاؤں، یہ جامع شے کون سی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یہ ایک صحیفہ ہے جس کا طول رسول اللہ ﷺ کے ذراع کے مطابق ستر ذراع ہے اور جو آپ ﷺ کا املاء کردہ اور آپ ﷺ کے منہ سے سنا گیا اور علی ﷛ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اسے لکھا۔اس میں ہر حلال و حرام اور ہر اس شے کا ذکر ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ خراش لگانے کا تاوان بھی، (یہ کہہ کر)ابو عبد اللہ نے میری طرف ہاتھ کا اشارہ کیا (اور میری اجازت کے بعد مجھے کچوکہ لگا کر کہا کہ اس کے تاوان کا بھی اس قرآن میں ذکر ہے)۔ ہمارے پاس جفر ہے اور ان کو کیا معلوم کہ جفر کیا ہوتا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ: جفر کیا ہے؟ جواب دیا: یہ چمڑے کا ایک برتن ہےاس میں انبیاء و اوصیاء اور بنی اسرائیل میں آنے والے علماء کا علم ہے۔ راوی کہتے ہیں

1۔ غيبة النعماني: ص: ۳۱۸، باب: ۲۱

کہ میں نے کہا: بے شک یہی علم ہے۔ انہوں نے جواب دیا: وہ علم ضرور ہے تاہم اتنا مضبوط نہیں۔ ابو عبد اللہ نے ایک گھڑی خاموش رہنے کے بعد کہا: ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے اور ان کو کیا معلوم کہ مصحفِ فاطمہ کیا ہے؟ میں نے دریافت کیا کہ: مصحفِ فاطمہ علیہا السلام کیا ہے؟ فرمایا: یہ ایک مصحف ہے جو تمہارے اس قرآن کا تین گنا ہے اور اللہ کی قسم! اس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہی علم ہے۔ابو عبد اللہ نے جواب دیا کہ: یہ علم ضرور ہے تاہم اتنا مضبوط نہیں۔ پھر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوئے اور پھر فرمایا: جو کچھ ہو چکا اس کا بھی علم ہمارے پاس ہےا ور قیامت تک جو کچھ ہو گا اس کا بھی علم ہمارے پاس ہے۔ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! اللہ کی قسم یہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ علم تو ہے لیکن اس قدر مضبوط نہیں۔میں نے پوچھا: میں آپ پر قربان جاؤں، علم پھر کیا شے ہے؟ جواب دیا: جو دن رات واقع ہوتا ہے، ایک کے بعد دوسری بات، ایک کے بعد دوسری شے قیامت کے دن تک"۔[1]

شیعہ حضرات کی سابق الذکر روایت اور اس طرح کی دیگر روایات سے ان کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے کیونکہ نبی ﷺ سے کوئی بھی ایسی حدیث منقول نہیں جس میں آپ ﷺ ہمیں اس مصحف کے بارے میں بتاتے ہوں یا اپنی امت کو اس پر ایمان لانے یا اس کی حقیقت کی تصدیق کرنے کا حکم دیتے ہوں چاہے وہ مخفی ہی ہو۔

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَـٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾﴾ [المائدۃ: ٦٧]

«اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے اور یقینا اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا»۔

1۔ کتاب الکافي، ج: ۱، ص: ۲۴۰، باب ذکر الصحیفۃ و الجفر و الجامعۃ و مصحف فاطمۃ، بحار الأنوار، ج: ۲۶، ص: ۳۸، بصائر الدرجات، محمد الصفار، ص: ۱۷۱۔

تو کیا نبی ﷺ پر ان کے رب کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا وہ آپ ﷺ نے آگے نہیں پہنچایا؟ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان جائیں، آپ ﷺ ایسے نہیں ہو سکتے۔ یا پھر اس امت کے رسول اور نبی ان صحیفوں سے باخبر نہیں تھے؟ نہ یہ بات درست ہے اور نہ ہی پہلی بات۔

کیا ہم یہ مان سکتے ہیں کہ ایک مختصر سی مدت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اس سے بھی تین گنا زیادہ اترتا رہا جتنا اللہ کے نبی اور اس کے رسول ﷺ پر تئیس سال کی عرصے میں اترا تھا؟

ان کے شرمناک تضادات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سابقہ روایات میں فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے مصحف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس میں تمہارے اس قرآن کی طرح کی تین گنا زیادہ باتیں ہیں اور اللہ کی قسم! اس میں تمہارے اس قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے"۔ ان الفاظ میں ہمیں قرآن سے بے رخی سی معلوم ہوتی ہے اور ان میں اللہ کی اس کتاب کا کوئی احترام نہیں پایا جاتا جسے اللہ نے بڑا مقام عطا فرمایا اور یوں لگتا ہے کہ جیسے ابو عبد اللہ قرآن سے بغض رکھتے ہوں اور اس سے اظہار براءت کر رہے ہوں کیونکہ اس میں ائمہ کے نام نہیں ہیں یا پھر وہ تحریف شدہ ہے۔حالانکہ ابو عبد اللہ ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتے۔

جب کہ کتابِ کافی کی ایک دوسری روایت میں ابو عبد اللہ اپنی ہی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں اور وہ یوں کہ ایک حرف نہیں بلکہ ایک پوری آیت کو مصحف فاطمہ میں ثابت کرتے ہیں۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے مروی اس روایت میں ہے: "نبی ﷺ کی طرف وحی آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ. لِلْكَافِرِينَ (بولاية علي) لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ. مِنَ اللهِ ذِي الْمَعَارِجِ"۔"مانگنے والے نے عذاب مانگا ہے، (وہ عذاب) جو ضرور واقع ہونے والاہے۔ (ولایت علی کا) انکار کرنے والوں کے لیے ہے، کوئی اسے دفع کرنے والا نہیں۔ اُس اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے"۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا: "میں آپ پر قربان جاؤں، ہم اسے ایسے نہیں پڑھتے"۔ اس پر ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ کی قسم! جبرائیل اس آیت کو اسی طرح لے کر محمد ﷺ پر نازل ہوئے اور اللہ کی قسم! یہ آیت اسی طرح مصحف فاطمہ رضی اللہ عنہا میں ثبت ہے"۔[1]

1۔الکافی، ج: ۸، ص: ۵۷، تفسیر الصافی للکاشانی، ص: ۵/۲۲۴

اور اسی طرح یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مصحف فاطمہ قرآن کا تین گنا ہو اور پھر بھی اس میں قرآن کا کوئی ایک حرف تک نہ ہو حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ قرآن میں تمام عربی حروف پائے جاتے ہیں؟۔ ہم کوئی ایسا حرف پیش نہیں کر سکتے جو قرآن میں نہ ہو ماسوا اس صورت کے کہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا فارسی بولتی ہوں۔ اے عوامِ شیعہ! کیا آپ سوچتے نہیں ؟ کیا آپ اپنے اور اپنے اولادوں کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے؟۔

شیعہ روایات قرآن عظیم کو جس طرح سے چھوٹا بنا کر پیش کرتی ہیں وہ پوری طرح سے واضح ہے اور شیعہ کی وہ مخفی کتابیں جن کو نہ امت نے دیکھا ہے اور نہ ہی ان کی کوئی دلیل ہے ان کو جس طرح سے بڑا بنا کر پیش کرتی ہیں وہ بھی واضح ہے۔ بلکہ شیعہ خود بھی اپنی ان مبینہ کتابوں کو مخالفین کے خلاف بطور دلیل پیش نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اس لئے کہ ان کی حجیت اس طرح سے ثابت ہی نہیں جیسے قرآن کی حجیت ثابت ہے۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ ان کی کتابوں کے نام یعنی مصحفِ فاطمہ، جفر اور جامعہ وغیرہ کچھ غیر محسوس اسباب کی بنا پر وضع کئے گئے ہیں تا کہ شیعہ عوام الناس کو یہ تاثر دیا جا سکے کہ وہ اوصیاء سے جو باتیں لیتے ہیں جن کے آثار قرآن میں نہیں ملتے، ہو سکتا ہے کہ وہ ان مخفی صحیفوں میں ہوں اور ممکن ہے کہ ان میں کچھ ایسے راز اور علوم ہوں جو قرآن میں نہیں پائے جاتے اور اس طرح سے کتاب اللہ کی مخالف ہر بات کو ان کے دل پورے اطمینان کے ساتھ قبول کر لیں!۔

خود شیعہ حضرات بھی ان سابق الذکر روایات میں جو قران کو گھٹا کر پیش کرتی ہیں اور اسے ایک طرف کرنے کی دعوت دیتی ہیں اور ان کی انہی کتابوں میں موجود ان روایات میں باہم تطبیق نہیں دے سکتے جو قرآن کو اپنانے کی نصیحت کرتی ہیں اور بیان کرتی ہیں کہ قرآن ہر شے کی وضاحت ہے۔

امام صادق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : "اللہ نے قرآن میں ہر شے کی وضاحت کر دی ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ نے ہر اس شے کی وضاحت کر دی ہے جس کی بندوں کو ضرورت ہوتی ہے"۔[1]

امام صادق رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ منیٰ پر خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: " تمہارے پاس میری جو بھی ایسی بات آئے جو اللہ کی کتاب سے موافقت رکھتی ہو تو وہ میں

1۔ الکافی، ج: ۱، ص: ۵۹، کتاب فضل العلم، باب الرد إلی الکتاب.

نے کہی ہو گی، اور تمہارے پاس جو ایسی بات آئے جو اللہ کی کتاب سے موافقت نہ رکھتی ہو تو وہ میں نے نہیں کہی ہو گی"۔[1]

اور امام علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: "جو شخص قرآن کے علاوہ کسی اور شے میں ہدایت تلاش کرے گا اسے اللہ گمراہ کر دے گا"۔[2]

یہ روایات جو قرآن کریم کو اپنانے کی نصیحت کرتی ہیں ان میں غور و فکر کرنے والے شخص کو ایک واضح مفید بات کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ: رسول ﷺ اور ائمہ لوگوں کو قرآن پر توجہ دینے کی تلقین کرتے اور ان کی طرف منسوب کی گئی باتوں کو قرآن پر پرکھنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو وہ صحیح ہو گی اور جو اس کے مطابق نہ ہو وہ انہوں نے نہیں کہی ہو گی۔ اس بنا پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ کرام کی طرف منسوب روایات جن میں وہ قرآن کو حفظ اور اس میں غور و فکر نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ سب گھڑی ہوئی اور جھوٹی ہیں۔

شیعہ علماء کی اللہ کی کتاب سے دوری ان روایات سے بھری اپنی کتابوں کو پڑھتے رہنے کی وجہ سے ہے جو کتاب اللہ کو مجروح کرتی اور اس کی شان گھٹاتی ہیں اور جن کو وہ خود بھی بیان نہیں کر سکتے۔ جیسے ان کی وہ روایات جو قرآن پر ناقص اور تحریف شدہ ہونے کی تہمت لگاتی ہیں کیونکہ (انسانی) فطرت ان روایات کا انکار کرتی ہے۔ اس وجہ سے شیعہ کے علماء اور سرکردہ لوگوں نے قرآن عظیم کو بالکل ہی ترک کر دیا اور مختلف بالواسطہ طریقوں سے انہوں نے اپنی بیماری عوام تک منتقل کر دی۔ کسی شخص کے پاس جو شے خود نہ ہو وہ دوسروں کو بھی وہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ عوام اپنے علماء کے بنسبت قرآن پڑھنے کا کچھ زیادہ شوق رکھتے ہیں تاہم ان فکری پابندیوں کی بنا پر جن میں سے کچھ کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، وہ قرآن میں غور و تدبر نہیں کرتے۔

یہاں میں ہر شیعہ سے سوال کرتا ہوں کہ: گیارہویں امام یعنی حسن عسکری سے لے کر امام منتظر کے ظہور تک دعوت کی ذمہ داری کون نبھاتا رہا؟ اگر ہم حسن عسکری کی وفات سے لے کر آج کے دن تک کے ایک طویل عرصے کے سالوں اور اسلام قبول کرنے والوں کا حساب لگائیں تو وہ لاکھوں لوگ نکلیں گے جن کا شمار صرف اور صرف اللہ ہی کر سکتا ہے جس نے ان کو قبولِ اسلام کی توفیق

1۔ الکافی، ج: ا، ص: ٦٩، وسائل الشیعۃ، ج: ٢٧، ص: ١١١

2. بحار الأنوار، ج: ٩٢، ص: ٣٢

دی۔ کون تھا جو ان لوگوں کے اسلام لانے کا سبب بنا؟ کیا وہ ائمہ تھے؟ یا قرآن کریم(جسے شیعہ لوگ خاموش کتاب کہتے ہیں)، اور اس کی واضح آیات اور خیرہ کر دینے والے معجزات؟۔

اگر اسلام قبول کرنے والوں کی اتنی بڑی تعداد امامِ منتظر یا ائمہ میں سے کسی اور امام کے انتظار میں رہتی تو انقطاع کے اس طویل عرصے کے دوران ایک شخص بھی اسلام نہ لاتا اور لازم ٹھہرتا کہ اللہ اس مدت میں کوئی رسول بھیجتا تاکہ اس کی طرف سے انسانوں پر کوئی ظلم نہ ہوتا بالکل ویسے ہی جیسے گزشتہ تمام امتوں کے مابین آنے والے وقفہ ہائے مدت میں اللہ نے ہر امت کے لئے ایک رسول مبعوث فرمایا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ کے ہاں انقطاع یعنی غیبوبت کا عرصہ بہت طویل ہے۔ اس مدت کے دوران کوئی امام نہ آیا اور اب بھی یہی صورت حال ہے۔ غیبوبت کے اس زمانے میں جب کہ معصوم اوصیاء بھی نہیں ہیں لوگوں کا انجام کیا ہو گا؟ گزشتہ قومیں جس طرح اپنے زمانے میں موجود امام سے (دین) لیتی تھیں اسی طرح بعد والے لوگوں کا یہ حق کہاں گیا کہ ان کے پاس بھی کوئی امام ہوتا جس کو وہ سن اور دیکھ سکتے!؟۔

کیا ائمہ محمد ﷺ کی وفات کے بعد کوئی ایسی عبادت یا شرعی حکم لے کر آئے جو خاتم الانبیاء و الرسل ﷺ لے کر نہیں آئے تھے؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر اللہ تعالی یہ کیوں فرماتے ہیں کہ:

﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [المائدۃ: ٣]

«آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے»۔

اگر آپ کا جواب نفی میں ہے اور آپ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کی وفات کے بعد ائمہ کوئی نیا شرعی حکم لے کر نہیں آئے تو پھر آپ یہ بہت سی عبادات کہاں سے لے کر آ گئے جو زمانہ نبوت میں موجود نہیں تھی حالانکہ وہ سب سے بہتر زمانہ تھا؟۔

جیسے امام بارگاہیں، پیٹنا، گانا، عاشوراء اور چہلم کی تقریبات اور ایسی دعائیں جن میں فاطمہ زہراء، علی اور حسین رضوان اللہ علیہم سے مدد مانگی جاتی ہے جیسے صحیفہ سجادیہ اور اسی طرح نماز کے لئے دی

جانے والی اذان میں اضافہ اور آپ لوگوں کا قم، کربلاء اور نجف وغیرہ میں موجود مزارات کا رخ کرنا؟۔

سابق الذکر شیعہ عبادات شیعہ کے ہاں بہت تعظیم کی حامل ہیں۔ ان کی فضیلت کے بارے میں ان کے پاس سینکڑوں روایات ہیں جس کا مقابلہ کوئی بھی دوسرا نیک عمل نہیں کرتا۔یہ روایات ان کے مابین ائمہ کی نسبت سے مشہور ہیں یہاں تک کہ اکثر شیعہ عوام کو یہ قرآن عظیم سے بھی زیادہ یاد ہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی فضیلت کے بارے میں وہ ذکر کرتے ہیں: " جس نے فرات کے کنارے پر عبد اللہ الحسین کی قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے عرش پر اللہ کی زیارت کی"۔ پاک ہے اللہ کی ذات ان سب باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ : "جس نے یوم عرفہ حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی اللہ اس کے لئے امامِ قائم (امام مہدی) کے ساتھ کئے گئے ہزار حج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے گئے ہزار عمرے، ہزار جانوں کو آزاد کرنے، اللہ کی راہ میں ہزار گھوڑوں پر لدا سامان دینے کا ثواب لکھ دے گا اور اس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ میرا صدیق بندہ میرے وعدے پر ایمان لایا اور فرشتے کہتے ہیں: فلاں صدیق ہے، جس کی اللہ نے عرش کے اوپر سے تعریف فرمائی اور اسے زمین میں کروبی کا نام دیا گیا ہے"۔

مفضل بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت سے متعلق ایک طویل حدیث میں ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "۔۔۔ اے مفضل! پھر تم اپنی نماز میں لگ جانا اور قبر کے پاس تم جو بھی رکعت پڑھو گے اس کے بدلے میں تمہیں اس شخص کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا جس نے ایک ہزار حج کئے ہوں"۔[1]

یہ عبادات اور ان کا ثواب جس کی شیعہ مذہب میں کوئی اور نظیر نہیں ملتی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کا نہ کوئی وجود تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے اہل بیت ہی نے یہ کیں۔کیا وہ شخص افضل ہے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اللہ کی عبادت کی یا پھر وہ شخص جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ائمہ میں سے کسی امام کا ہم عصر ہوا اور یہ عبادات کرتا رہا جو ان لوگوں نے نہیں کی تھیں؟۔

1۔وسائل الشیعة، ج: ١٠، باب: ٦٩، من أبواب المزار

باوجود اس کے کہ خود شیعہ کے اپنے معتمد علیہ مصادر میں ایسی روایات آئی ہیں جو ان کو دین میں کسی بھی ایسی نئی شے کو داخل کرنے سے روکتی ہیں جو اس کا حصہ نہ ہو۔ بحار الانوار میں ہے: حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " میرے اوپر جھوٹ باندھنے والے کی کثرت ہو گئی ہے اور یہ لوگ اور بھی زیادہ ہو جائیں گے۔ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ جب تم تک کوئی بات پہنچے تو اس کو اللہ کی کتاب اور میری سنت کے سامنے پیش کرو۔ جو بات اللہ کی کتاب اور میری سنت کے موافق نکلے اسے لے لو اور جو بات اللہ کی کتاب اور میری سنت کے برخلاف ہو اس کو نہ لو"۔[1]

انہی روایت میں سے ایک شیخ صدوق کی روایت ہے کہ ایک آدمی امیر المومنین علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگا: "مجھے سنت، بدعت، جماعت اور تفرقہ کے بارے میں بتائیں۔ اس پر امیر المومنین صلی اللہ علیہ نے فرمایا: سنت وہ طریقہ ہے جس کی بنا رسول اللہ ﷺ نے رکھی ہو اور بدعت وہ ہے جسے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کیا گیا ہو۔۔۔"۔[2]

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: "میں نے کتاب اللہ اور اس کے احکامات اور جس شے کو اپنا فیصل بنانے کا یہ ہمیں حکم کرتی ہے اس پر غور کرتے ہوئے اس کی پیروی کی اور نبی ﷺ نے جو طرزِ عمل چھوڑا اس کی اقتداء کی "۔[3]

1۔ بحار الأنوار، ج: ٢، ص: ٢٢٥

2۔ بحار الأنوار، ج: ٢، ص: ٢٦٦

3. نہج البلاغۃ الخطبۃ، ص: ٢٠٣

شیعہ کے نزدیک تحریفِ قرآن کی وجوہات میں سے ایک خطرناک وجہ

چونکہ قرآن عظیم ایک ایسا نور ہے جسے بجھایا نہیں جا سکتا اور چونکہ یہ شیعوں کے اختیار کردہ نظریہ ولایت سے میل نہیں کھاتا اس لئے اس مبینہ ولایت کے بانی افراد نے قرآن کی آیات میں ہر طرح کی تحریف کی۔ جیسے ان کا قرآن میں کچھ کلمات داخل کردینا اور دعوی کرنا کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں۔ اور یہ سب کچھ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ کرتے ہیں جس دیدہ دلیری سے صرف یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ یا پھر قرآن کریم کے بارے میں اپنے باطنی عقیدے کا سہارا لیتے ہوئے نصوص کی دور از کار تاویلات کر کے ان کو ان کے حقیقی معانی اور اہداف سے دور کرنا۔

ان کی جملہ تحریفات میں سے تحریف کی ایک صورت ان کا اپنی خرافات کی تائید کرنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قرآن کی نصوص کے برخلاف استدلالات میں آیات کی قطع و برید کرتے ہیں یعنی آیت کا ابتدائی حصہ لے لیتے ہیں اور اس کا آخری جزء چھوڑ دیتے ہیں یا پھر آخری جزء لے لیتے ہیں اور ابتدائی حصہ چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح سے پوری طرح جانتے بوجھتے ہوئے ازراہِ تکبر اللہ کی کتاب سے رو گردانی کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں ہم شیعہ کی اپنی کتابوں اور تفاسیر سے ثابت کریں گے۔ ان کی ان تفاسیر سے جن کے بارے میں ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ آیات کی مخالفت کرتی ہیں بلکہ وہ اللہ کی آیات اور انسانی عقل کا مذاق اڑاتی ہیں تاکہ ان کی بے ہودگیاں پوری طرح آپ پر عیاں ہو سکیں۔

مفصل بیان کرتے ہیں کہ میں نے صادق ؑ سے اللہ کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا کہ:

﴿أُحِلَّتۡ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلۡأَنۡعَٰمِ﴾ [المائدة: ١]

«تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں»۔

صادق ؑ نے جواب دیا کہ: اس جگہ "البھیمة" سے مراد "ولی" اور "الأنعام" سے مراد "مومنین" ہیں۔ (1)

1۔ تفسیر البرھان، ج: ١، ص: ٤٣٢، تفسیر العیاشي، ج:١، ص: ٢٩٠

اور جہاں تک تعلق ہے اللہ تعالی کے اس فرمان کا کہ:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَسْتَحْيِۦٓ أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ [البقرة: ۲۶]

«اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ مچھر کی یا اس سے بڑی کسی شے کی مثال دے»۔

اس کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالی نے یہ مثال امیر المومنین علیہ السلام کے لئے دی۔ "البعوضة" سے مراد امیر المومنین ہیں اور "و ما فوقها" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔[1]

جب کہ اللہ تعالی کے فرمان﴿نَاقَةَ ٱللَّهِ وَسُقْيَٰهَا﴾ [الشمس: ۱۳][2] میں "الناقة" سے مراد "امام" ہے۔[3]

چنانچہ واضح ہوتا ہے کہ شیعہ تفاسیر صحیح قواعدِ تفسیر سے خالی ہیں۔ یہ تفاسیر نصوصِ آیات کے ساتھ سیاق کے دلائل پر کسی طور پورا نہیں اترتیں، نہ نص کے اعتبار سے اور نہ لغت، فطرت، عقل اور مزاج کے اعتبار سے۔

ان یاوہ گوئیوں کے ساتھ قرآنِ حکیم کی آیات کی تاویل ہر شیعہ کے منہ پر طمانچہ ہے یہاں تک کہ وہ اپنی نیند سے بیدار ہو جائے۔

اللہ تعالی ان اوصیاء کی تقرری نہیں کرتا بلکہ قرآن کی تفسیر کرنے والی یہ شیعہ خرافات اس کی تقرری کرتی ہیں۔

ان کی عجیب تفاسیر میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ مُبَٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوٓا۟ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ۝٢٩﴾ [ص: ۲۹]

«ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی بڑی برکت والی تاکہ وہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقلمند نصیحت حاصل کریں»۔

شیعہ کی مشہور تفسیر قمی میں ہے کہ: ان لوگوں سے مراد امیر المومنین اور ائمہ علیہم السلام ہیں۔ (وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ) میں اولو الالباب یہی لوگ ہیں۔ صاحبِ تفسیر قمی کہتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام

1۔ تفسیر القمی، ج: ۱، ص: ۴۸

2۔ الشمس: ۱۳

3۔ بحار الانوار، ج: ۲۴، ص: ۷۲-۷۳، باب أنهم النجوم و العلامات و فيه بعض غرائب التأويل.

اس پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: جس طرح کی شے مجھے عطا ہوئی وہ نہ مجھ سے پہلے کسی کو عطا ہوئی اور نہ میرے بعد کسی کو عطا ہو گی۔[1]

اس آیت کا معنی بہت واضح ہے اور اس کے لئے کسی عالم یا بہت بڑے مفسر کی ضرورت نہیں کہ وہ اس کا مفہوم بیان کرے۔کیونکہ اگر اس آیت کو کسی بھی عام شخص کے سامنے پڑھا جائے اور اس سے ہم پوچھیں کہ تم نے اس آیت سے کیا سمجھا تو وہ بنا کسی تردد کے کہے گا کہ: اللہ تعالی اپنے نبی محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرما رہے کہ ہیں کہ: ہم نے آپ پر یہ مبارک قرآن نازل کیا تا کہ آپ کی قوم اس کی آیات میں تدبر کرے اور قلبِ سلیم رکھنے والے لوگ سرِتسلیم خم کر تے ہوئے، ایمان لاتے ہوئے اور پورے اطمینان کے ساتھ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ ان لوگوں نے اللہ کے کلام میں اپنے الفاظ کے ساتھ تحریف کی ہے جن کے بارے میں ان کا یہ دعوی ہے کہ وہ بھی قرآن کریم میں سے ہیں حالانکہ یہ الفاظ قرآن میں سے نہیں ہیں۔ اس طرح کی تحریف کے بارے میں تو آپ جو کچھ کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں ۔ تفصیل سے بچتے ہوئے محض اثبات کی غرض سے ہم کچھ اشیاء کا ذکر کرتے ہیں:

جیسے علی عضدِ نبی کی حدیث ہے جس کی اسناد مقداد رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے جو فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب کہ آپ ﷺ کعبہ کے پردوں سے لٹک کر فرما رہے تھے: اے اللہ میری مدد فرما اور میری پشت پناہی کر، میرا شرح صدر فرما اور میرا ذکر بلند کر۔ راوی کہتے ہیں کہ: اس پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا: ہم نے آپ کے داماد علی کے ذریعے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے اس آیت کو پڑھا اور ابن مسعود نے اسے مصحف میں درج کیا جب کہ عثمان نے اسے ہٹا دیا۔[2]

بحار الانوار میں ہے جس سے کتاب "فصل الخطاب" نے بھی نقل کیا ہے کہ ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے فرمایا:"ألم نشرح لك صدرك بعلي، ووضعنا عنك وزرك،

1۔ دیکھیئے: تفسیر قمی، آیت: ٢٩، سورہ ص۔

2۔ بحار الأنوار للمجلسي، ج: ٣٦، ص: ١١٦، اسی طرح یہ روایت کتاب "الروضة في فضائل أمير المؤمنين لشاذان بن جبرائیل" میں بھی ہے۔ ص: ١٦٨

الذي أنقض ظهرك، فإذا فرغت من نبوتك فانصب عليا وصيا، وإلى ربك فارغب في ذلك". "کیا ہم نے علی کے ذریعے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔ چنانچہ جب تم اپنی نبوت سے فارغ ہو جاؤ تو علی کو وصی مقرر کر دینا اور اس سلسلے میں اپنے رب کی طرف راغب رہنا"۔

یہ قرآن کی ایک مکمل سورت یعنی سورہ انشراح کی تحریف ہے۔[1]

ابو جعفر الباقر روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: جبرائیل اس آیت کو اس طرح سے لے کر محمد ﷺ پر نازل ہوئے: "وَإِن كنتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا- فِي علي- فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ".[2] "اگر تم اس شے کے بارے میں کچھ شک میں ہو جسے ہم نے اپنے بندے پر- علی کے بارے میں- نازل کیا تو پھر اس کی طرح کی کوئی چھوٹی سی سورت لا دکھاؤ"۔

ابو بصیر، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں: "وَمَن يُطِعِ اللهَ وَ رَسُولَهُ في ولاية علي و الأئمة من بعده فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا".[3] کہ یہ آیت اس طرح سے نازل ہوئی تھی۔[4]

منخل، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: محمد ﷺ پر جبرائیل یہ آیت اس طرح سے لے کر نازل ہوئے: (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَانَزَّلْنَا) - في علي- (نُورًا مُبِينًا).[5][6] "اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی تھی! مان لو اُس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے- علی کے بارے میں – واضح نور"۔

1۔ بحار الانوار للمجلسی، ج: ۳۶، ص: ۱۱۶، دیکھیں: تفسیر قمی، تفسیر البرهان للبحراني لسورة الانشراح.

2۔ الكافي، ج: ۱، ۲۶/۴۱۷، دیکھیں: تفسیر قمی، تفسیر البرھان للبحرانی برائے آیت: ۲۳، سورہ بقرہ۔

3۔ الاحزاب: ۷۱

4۔ الکافی، ج: ۱، ۸/۴۱۴، دیکھیں: تفسیر قمی، تفسیر البرھان برائے آیت مذکورہ۔

5۔ النساء: ۴۷

6۔ الکافی ۱، ۸/۴۱۴، دیکھیں: تفسیر قمی، تفسیر البرھان برائے آیت مذکورہ۔

مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں دریافت کیا:

﴿ٱئْتِ بِقُرْءَانٍ غَيْرِ هَٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ﴾ [یونس: ۱۵]

« اس کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ تبدیلی کرو»۔

ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں نے کہا: "یا پھر علی کو بدل دو"۔ یعنی یا تو اسے بدل دو یا اس کے علاوہ کسی اور کو ہمارے لئے خلیفہ مقرر کردو۔ ان کی اس بات کے جواب میں اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: "قُلْ مَايَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي. إِنْ أَتَّبِعُ —في ولايته عليكم-إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ".[1] " ان سے کہو کہ میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کرلوں میں تو علی کی تم پر ولایت کے معاملے میں بس اُس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے"۔

تفسیر قمی میں ہے: جہاں تک تعلق ہے اس فرمان کا: " أَوْبَدِّلْهُ"، تو مجھے حسن بن علی نے خبر دی جو اپنے باپ سے اور وہ حماد بن عیسی سے اور وہ ابو السفاتج سے اور وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ کے اس قول کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ: "ائت بقرآن غير هذا أو بدله يعني أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام قل ما يكون لي أن أبدله من تلقاء نفسي إن أتبع إلا ما يوحى إلى يعني في علي بن أبي طالب أمير المؤمنين عليه السلام" . " اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اسے بدل دو یعنی امیر المومنین علی بن ابی طالب کو بدل دو۔ کہہ دیجئے کہ میں اسے خود اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ میں تو صرف اس بات کی اتباع کرتا ہو ں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے یعنی امیر المومنین علی بن ابی طالب کے بارے میں(جو کچھ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں"۔

اب شیعہ عوام الناس سے میں یہ چاہوں گا کہ وہ درج ذیل آیات کو پڑھیں اورملاحظہ کریں کہ کیسے اللہ نے بالکل واضح انداز میں ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے ساتھ احوال کو بیان فرمایا جس کی

1۔ الکافی، ۴۱۹/۱، دیکھیں تفسیر قمی، تفسیر البرھان للبحرانی برائے آیت ۱۵، سورہ یونس۔

کوکھ سے آپ ﷺ نے جنم لیا تھا۔ اور اس طرح سے میں آپ پر واضح کروں گا کہ آپ کی کتابیں اور علماء اللہ کے کلام کی پوری دیدہ دلیری اور افتراء پردازی کے ساتھ مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ تعالی نے اپنے نازل کردہ محکم کلام میں فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ ءَازَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا ءَالِهَةً إِنِّيٓ أَرَىٰكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ﴿٧٤﴾﴾ [الأنعام: ۷۴]

«ابراہیمؑ کا واقعہ یاد کرو جب کہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا: "کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں»۔

﴿وَمَا كَانَ ٱسْتِغْفَارُ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَآ إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَأَوَّٰهٌ حَلِيمٌ﴿١١٤﴾﴾ [التوبة: ۱۱۴]

«ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لیے جو دعائے مغفرت کی تھی وہ تو اُس وعدے کی وجہ سے تھی جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا، مگر جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ اس کا باپ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہوگیا، حق یہ ہے کہ ابراہیمؑ بڑا رقیق القلب و خدا ترس اور بردبار آدمی تھا»۔

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْـًٔا﴿٤٢﴾ يَٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدْ جَآءَنِي مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَٱتَّبِعْنِيٓ أَهْدِكَ صِرَٰطًا سَوِيًّا﴿٤٣﴾﴾ [مریم: ۴۲-۴۳]

«(انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ) جب کہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ "ابّاجان! آپ کیوں اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟۔ ابّاجان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا»۔

﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦ مَا هَٰذِهِ ٱلتَّمَاثِيلُ ٱلَّتِيٓ أَنتُمْ لَهَا عَٰكِفُونَ﴿٥٢﴾﴾ [الأنبياء: ۵۲]

« یادکرو وہ موقع جب کہ اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ "یہ مورتیں کیسی ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟»۔

﴿وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَٰهِيمَ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦ مَا تَعْبُدُونَ﴿٧٠﴾﴾ [الشعراء: ۶۹-۷۰]

«اور اِنہیں ابراہیمؑ کا قصہ سناؤ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا تھا کہ: "یہ کیا چیزیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو؟»۔

﴿وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِۦ لَإِبۡرَٰهِيمَ ۝٨٣ إِذۡ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلۡبٖ سَلِيمٍ ۝٨٤ إِذۡ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوۡمِهِۦ مَاذَا تَعۡبُدُونَ ۝٨٥﴾ [الصافات: ۸۳-۸۵]

«اور نوحؑ ہی کے طریقے پر چلنے والا ابراہیمؑ تھا۔ جب وہ اپنے رب کے حضور قلب سلیم لے کر آیا۔ جب اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: "یہ کیا چیزیں ہیں جن کی تم عبادت کررہے ہو؟»۔

﴿وَإِذۡ قَالَ إِبۡرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوۡمِهِۦٓ إِنَّنِي بَرَآءٞ مِّمَّا تَعۡبُدُونَ ۝٢٦﴾ [الزخرف: ۲۶]

«یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ: "تم جن کی بندگی کرتے ہو میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں»۔

﴿إِلَّا قَوۡلَ إِبۡرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسۡتَغۡفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمۡلِكُ لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن شَيۡءٖ﴾ [الممتحنة: ۴]

«سوائے ابراھیم کا اپنے باپ سے کہنا کہ میں تمہارے لیے معافی مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں»۔

یہ آٹھ آیاتِ بینات اور قرآن میں موجود ان کے علاوہ دیگر آیات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے۔ کیا یہ بات کسی تفسیر اورتاویل کی محتاج ہے؟۔ یہ آٹھ آیات ہمیں ان باتوں کے بارےمیں بتاتی ہیں جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہیں نہ کہ اپنے چچا یا داد سے کہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جن میں ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے " یا أبتِ" کے کلمے سے مخاطب ہوتے ہیں۔

﴿يَـٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدۡ جَآءَنِي مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَأۡتِكَ فَٱتَّبِعۡنِيٓ أَهۡدِكَ صِرَٰطٗا سَوِيّٗا ۝٤٣﴾ [مریم: ۴۳]

«ابّاجان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا»۔

﴿يَـٰٓأَبَتِ لَا تَعۡبُدِ ٱلشَّيۡطَٰنَۖ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمَٰنِ عَصِيّٗا ۝٤٤﴾ [مریم: ۴۴]

«ابّاجان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے»۔

﴿يَـٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٞ مِّنَ ٱلرَّحۡمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيۡطَٰنِ وَلِيّٗا ۝٤٥﴾ [مریم: ۴۵]

«ابّا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں»۔

چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ آزر، ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ تھا۔ اسی لئے نبی ﷺ کا وہ فرمان ہے جسے صحیح البخاری میں امام بخاری نے روایت فرمایا ہے کہ: ابراہیم روزِ قیامت اپنے باپ آزر سے ملیں گے تو اس کے چہرے پر سیاہی اور گرد ہو گی۔اس پر ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کرو۔ان کا باپ کہے گا: میں آج تیری نافرمانی نہیں کرتا۔ ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: یارب! تونے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے، اس دن تو مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ میرا باپ (رحمت سے) دور ہے؟" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے۔ پھر فرمایا جائے گا: اے ابراہیم! تمہارے پاؤں تلے کیا ہے؟۔ وہ دیکھیں گے تو ذبح کیا ہوا ایک نر بجو (گوبر یا خون یا مٹی) میں لتھڑا پڑا ہوگا، جسے ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔[(1)]

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ تمام علماءِ شیعہ جو ازراہ تعصب علم صرف اپنی ہی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں باوجود اس کے کہ وہ کتاب اللہ کی مخالفت کر رہی ہوتی ہیں ان کا خیال ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا یا نانا تھے اور یہ کہ وہ آپ علیہ السلام کے باپ نہیں تھے۔آپ کے حقیقی باپ کا نام تارح تھا۔ وہ ایسا اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ نبی کے آبا و اجداد کو شرک و کفر سے پاک کرنا چاہتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام تک نبی ﷺ کے سب آباؤ اجداد موحدین تھے۔

ان کے شیخ طبرسی کہتے ہیں: ہمارے اصحاب کا یہ کہنا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے نانا یا چچا تھے بایں طور کہ ان کے ہاں یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہوئی ہے کہ آدم علیہ السلام تک نبی ﷺ کے تمام آباء و اجداد سب کے سب موحدین تھے۔ (علماء شیعہ کے) گروہ کا اس بات پر اجماع ہے۔[(2)]

علماءِ شیعہ اپنے دین کے من گھڑت اور فصیح عربی میں نازل ہونے والے قرآن کے مخالف قواعد کی تائید کے لئے قرآنی آیات کی انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ ظالمانہ انداز میں تاویل کرتے ہیں۔

1۔ صحیح بخاری: حدیث نمبر: ۳۳۵۰

2۔ دیکھیں: تفسیر صافی للکاشانی، ج: ۲، ص: ۱۳۰-۱۳۱، البحار للمجلسی، ج: ۱۵، ص: ۱۱۸، أوائل المقالات للمفید، ص: ۴۵-۴۶۔

اگر آزر، ابراہیم علیہ السلام کا چچا یا نانا ہوتا تو اللہ تعالی اپنی کتاب میں اس کا صراحت سے ذکر فرما دیتے۔ قرآن کریم نے اس طرح کے ایک مقام پر پھوپھیوں، خالاؤں، بہنوں اور بیٹوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۳ میں ہے۔

اگر ان کا یہ خیال ہے کہ آزر، ابراہیم علیہ السلام کے چچا یا نانا تھے تو پھر کافر ابولہب نبی ﷺ کے باپ کی جگہ ہو گا!۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے ہیں حالانکہ وہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے جد ہیں۔ امام جعفر صادق فخر کیا کرتے تھے کہ ان کا نسب ابو بکر سے جا ملتا ہے اور فرمایا کرتے تھے: "مجھے ابوبکر نے دو دفعہ جنم دیا"۔ یہ بات خود شیعہ کے اپنے مصادر میں درج ہے۔ جمال الدین احمد الحسنی جو ابن عنبہ (وفات: ۸۲۶ھ) کے نام سے معروف ہیں اور شیعہ کے اکابر میں سے ہیں انہوں نے سابقہ روایت کو جعفر صادق سے اپنی کتاب (عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب) میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: جعفر صادق کی والدہ ام فروہ بنت القاسم تھیں جو فقیہ تھے اور محمد بن ابی بکر کے بیٹے تھے۔ اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر تھیں۔ اسی لئے جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ: "مجھے ابو بکر نے دو دفعہ جنم دیا اور ان کو "عمود الشرف" کہا جاتا ہے"[1]۔

کلینی اپنی کتاب اصولِ کافی میں لکھتے ہیں: "ابو عبد اللہ کی پیدائش ۸۳ ہجری میں ہوئی اور وہ ۱۴۸ ہجری میں رخصت ہوئے جب کہ ان کی عمر ۶۵ سال تھی۔ بقیع میں ان کی تدفین اسی قبر میں ہوئی جس میں ان کے والد، دادا اور حسن بن علی دفن ہیں۔ ان کی والدہ ام فروہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمن بن ابی بکر ہیں"۔[2]

مراجعِ شیعہ میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس نسب کو ذکر کیا اور اس کا انکار نہیں کیا وہ المفید، الاربلی، ابن شہر آشوب اور محمد العاملی ملقب بہ شہید اول ہیں۔[3]

1۔ عمدة الطالب في أنساب آل أبي طالب: ص: ۱۶۱

2۔الحجة من الأصول في الكافي، ج: ۱، ص: ۴۷۲

3۔ دیکھیں: الإرشاد المفيد، ج: ۲، ص: ۱۸۰، دیکھیں: کشف الغمة للإربلي، ج: ۲،ص: ۳۶۸، ابن شهر آشوب في مناقب آل أبي طالب، الدروس الشرعية في فقه الإمامية لمحمد العاملي الملقب بالشهيد الأول: ج: ۲، ص: ۱۵۔

چنانچہ قرآن اس بات سے میل نہیں کھاتا جس کا اعتقاد شیعہ رکھتے ہیں کہ رسول ﷺ اور ائمہ کے آباؤ اجداد سب موحدین تھے اور ان میں مشرک نہیں تھے۔

ہم نے جو حق بات ثابت کی ہے وہ امامتِ امام کی شروط وعلامات سے متصادم ہے اور شیعہ کے بنیادی قواعد کی خرابی کو واضح کرتی ہے۔ اس لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ قرآن کی نصوص میں ہیر پھیر کریں یا اس کی تفسیر میں تحریف کریں۔

گزرنے والی بحث کے بعد شیعہ کے سامنے دو راستوں کے سوا کوئی اور تیسری راہ نہیں بچتی۔ وہ یہ کہ یا تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تزکیہ کرتے ہوئے ان کے ایمان کا اعتراف کریں اور تسلیم کریں کہ وہ کافر نہیں ہیں یا پھر جعفر صادق کی امامت کا انکار کریں۔

جب شیعہ علماء کو اس طمانچے کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ان میں سے بعض تجاہل سے کام لیتے ہوئے کہتے ہیں: جعفر صادق (یہ کہہ کر دراصل) کمزور شیعہ سے تکالیف کو دور کرنا چاہتے تھے۔

یہ لوگ ایسا کیونکر کرتے ہیں؟ کیونکہ پہلے جھوٹ کے لئے لازمی طور پر دوسرا جھوٹ ضروری ہے اور دوسرے کے لئے تیسرا جھوٹ اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے۔

شیعہ عوام کو چاہئے کہ وہ ان حقائق سے آگاہ ہوں اور یاد کریں کہ کیسے وہ، ان کے ضعفاء اور ان کے وہ پیارے جو ان کی کفالت میں ہیں روزِ قیامت اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اس حال میں کہ جہنم سے بھیانک اور خوفناک آوازیں آ رہی ہوں گی۔

اہلسنت اور شیعہ تفاسیر کے مابین بہت زیادہ اور وسیع فرق ہے۔

پیچھے ہم نے جن آیات کی شیعہ تفاسیر کو ذکر کیا ہے اس کے مقابلے میں اب میں سادہ سی مثالوں کے ساتھ بعض اہلسنت کی تفاسیر کو ذکر کروں گا تا کہ اہلسنت اور شیعہ تفاسیر کے مابین پائے جانے والے بہت زیادہ اور وسیع فرق کی وضاحت کر سکوں۔ ہر صاحبِ شعور اور انصاف پسند شیعہ کو چاہئے کہ وہ حق سچ کے ساتھ اپنی فطرت سلیمہ کے ساتھ ایسا فیصلہ کرے جسے وہ صحت اور قبولیت کے اعتبار سے قریب ترین پائے۔ یہ بات بھی ذکر کرتا چلوں کہ اہلسنت کی کتابیں سب کی دسترس میں ہیں چنانچہ کوئی بھی شخص ان تفاسیر کا جتنی بھی آیات کے ساتھ چاہے موازنہ کر سکتا ہے۔

ان کو اہلسنت کی کتابوں میں ایک قلبی سکون اور دلوں پر طاری ہو جانے والا اطمینان ملے گا تا کہ وہ اسلام کی حقیقی حلاوت، دلی راحت اور سکون و آرام محسوس کر سکیں اور دنیا و آخرت میں ان کو ان کے حقوق اور عزت و احترام حاصل ہو۔

ہم اللہ تعالی کےاس فرمان سے آغاز کرتے ہیں:

﴿مَرَجَ ٱلۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيَانِ۝١٩ بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٞ لَّا يَبۡغِيَانِ۝٢٠ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۝٢١ يَخۡرُجُ مِنۡهُمَا ٱللُّؤۡلُؤُ وَٱلۡمَرۡجَانُ۝٢٢﴾ [الرحمن: ١٩-٢٢]

«اور سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں۔ پھر بھی اُن کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔ پس اے جن و انس! تم اپنے رب کی قدرت کے کن کن کرشموں کو جھٹلاؤگے؟۔ اِن سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں»۔

اہلسنت کی قدیم اور جدید دور کی تفاسیر میں یہ تفسیر مذکور ہے جیسے بطور نمونہ امام سیوطی کی تفسیر درِ منثور میں آیا ہے کہ: ابنِ جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا کہ: ﴿مَرَجَ ٱلۡبَحۡرَيۡنِ﴾: سے مراد ہے: دونوں سمندروں کو چھوڑ دیا۔ ﴿بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٞ﴾: سے آڑ مراد ہے۔﴿لَّا يَبۡغِيَانِ﴾سے مراد ہے کہ وہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔

عبد بن حمد، ابن جریر اور ابن منذر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ: ﴿مَرَجَ ٱلۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيَانِ۝١٩﴾ میں دونوں کے "مرج" سے مراد ان کا "استواء" ہے ﴿بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٞ﴾: یعنی اللہ کی طرف سے ایک آڑ۔ ﴿لَّا يَبۡغِيَانِ﴾ سے مراد ہے کہ وہ دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ اور ایک نسخے میں ہے کہ: ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر نہیں چڑھتا نہ میٹھا سمندر نمکین سمندر پر اور نہ نمکین سمندر میٹھے سمندر پر۔

عبد بن حمید اور ابن منذر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: :﴿مَرَجَ ٱلۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيَانِ۝١٩﴾یعنی ان کو خوبصورت بنایا۔ ﴿بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٞ لَّا يَبۡغِيَانِ﴾ یعنی برزخ اللہ کا ایک پکا ارادہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر نہیں چڑھے گا۔

آیات میں موتیوں اور مونگوں کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں سمندر نمکین ہیں کیونکہ موتی اور مونگے صرف نمکین سمندروں سے نکالے جاتے ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ بات کا تعلق نمکین سمندروں کے پانیوں سے ہے جو بظاہر یکساں خصوصیات سے متصف ایک ہی نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک دوسرے سے متصل بڑے بڑے ذخیرے ہیں جو اپنی اپنی امتیازی خصوصیات رکھتے ہیں۔

نمکین سمندروں کو اگر خالی آنکھ سے دیکھا جائے تو وہ یوں نظر آتے ہیں جیسے یکساں صفات رکھنے والا پانی کا ایک بڑا ذخیرہ ہوں۔ لیکن حقیقت میں وہ کئی ذخیرے ہیں جن کی نمکینی، حرارت اور کثافت کے اعتبار سے مختلف صفات ہیں۔کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے میں داخل تو ہوتے ہیں لیکن آپس میں ملتے نہیں گویا کہ ان کے مابین کوئی آڑ ہے جو ان کے پانیوں کے باہمی اختلاط کو روک رہی ہو ۔یہ بات اگرچہ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے ہی جانی جا سکی ہے تاہم قرآن نے ان اوصاف کو (بہت پہلے) ذکر کر دیا تھا۔

کیا یہ اس بات کی ایک واضح دلیل نہیں کہ قرآن اللہ کا معجزہ ہے۔ غور کریں!۔ اور جب قرآن کی اس نص کے بارے میں ایک امریکی ماہرِ سمندریات پروفیسرہِل اور ایک جرمن ماہرِ ارضیات شرائڈر کے ساتھ گفتگو کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ: یہ علمی حقیقت سو فیصد اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہے اور اس میں ایک واضح معجزہ ہے اور محمد کی طرح کے ایک اُمی اور سادہ شخص کے لئے محال ہے کہ وہ ایسے زمانوں میں اس علم سے واقف ہو سکتا جس میں پسماندگی اور جہالت کا دور دورہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ ٱلشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِى مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسْلُكِى سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾﴾ [النحل: ۶۸-۶۹]

«اور دیکھو، تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں، اور درختوں میں، اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتا رہ۔ اِس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں»۔

تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے بارے میں آیا ہے کہ یہاں وحی سے مراد شہد کی مکھیوں کو کیا جانے والا یہ الہام و ہدایت اور راہنمائی ہے کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے چھپروں میں اپنے رہنے کے لئے گھر بنائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک تسخیری حکم دیا کہ وہ ہر قسم کے پھلوں کو کھائےاور ان راہوں میں سے جس پر چاہے چلے جو اللہ تعالیٰ نے اس عظیم فضاء، وسیع جنگلات اور بلند و بالا پہاڑوں میں اس کے لئے بنا رکھی ہیں یعنی اس کے لئے آسان بنا دی ہیں اور پھر یہ کہ ان میں سے ہر کوئی اپنی جگہ اور اپنے اس گھر میں واپس لوٹ آئے جس میں اس کے بچے اور شہد ہوں۔ پھر وہ اپنے پروں سے موم بنائے اور اپنے منہ سے شہد اگلے اور بوقتِ صبح دوبارہ اپنی چراگاہوں کو چلی جائے۔

نبی ﷺ نے چودہ سو سال پہلے متعدد ایسی احادیث میں شہد کے فوائد کی طرف اشارہ کیا جو اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

گزشتہ بحث سے اہل سنت کے سلف صالحین کی تفاسیر کی قرآن کے ساتھ موافقت واضح ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تفاسیر میں ان کی راہ راست کی طرف راہنمائی فرمائی جب ان لوگوں کے پاس نہ تو جدید آلات تھے اور نہ ہی ترقی یافتہ ٹیکنالوجی۔ چنانچہ اس میں ان کے تقویٰ اور نیکو کاری کی قطعی دلالت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ﴾ [البقرۃ: ۲۸۲]

« اللہ سے ڈرو، وہ تم کو تمہارے معاملات کی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے»۔

اور اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجۡعَل لَّكُمۡ فُرۡقَانًا﴾ [الأنفال: ۲۹]

«اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تم کو ایک کسوٹی فراہم کردے گا»۔

اب اللہ تعالی کے اس فرمان کو لیتے ہیں:

﴿وَإِذَا تُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡ ءَايَاتُنَا بَيِّنَٰتٖ قَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرۡجُونَ لِقَآءَنَا ٱئۡتِ بِقُرۡءَانٍ غَيۡرِ هَٰذَآ أَوۡ بَدِّلۡهُۚ قُلۡ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلۡقَآيِٕ نَفۡسِيٓۖ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ۝١٥﴾ [یونس: ۱۵]

«جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سُنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ: اِس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ اے محمدؐ! ان سے کہو: میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبّدل کرلوں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے»۔

اہلسنت کی مشہور تفاسیر بغیر کسی استثناء کے اس آیت کی تفسیر نص کے پورے سیاق کے ذریعے کرتی ہیں جس میں نہ تو کوئی ہٹ کر بات ہے اور نہ ہی تناقض۔ بطورِ نمونہ ہم تفسیر ابن کثیر لیتے ہیں جس میں صاحبِ تفسیر لکھتے ہیں:

"اللہ تعالی مشرکین قریش میں سے ان کفار کی ڈھٹائی کے بارے میں بتا رہے ہیں جو حق کے منکر اور اس سے اعراض کرنے والے ہیں کہ جب رسول ﷺ اللہ کی کتاب اور اس کے واضح دلائل انہیں پڑھ کر سناتے ہیں تو وہ آپ ﷺ کو کہتے ہیں: "اس کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ" یعنی اس کو واپس کر دو اور اس کے علاوہ کسی اور طرح کا قرآن ہمارے پاس لے کر آؤ یا پھر اسے کسی اور طرز میں تبدیل کر دو۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا:

﴿قُلۡ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلۡقَآيِٕ نَفۡسِيٓ﴾ [یونس: ۱۵]۔ یعنی یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں تو ایک پابندِ حکم بندہ ہوں اور اللہ کی طرف سے اس کی بات پہنچانے کے لئے ایک پیامبر ہوں۔

﴿إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّى عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ [یونس: ۱۵]

«میں تو بس اُس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے)»۔

پھر نبی ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کی صحت کی دلیل کے طور پر فرمایا:

﴿قُل لَّوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا تَلَوْتُهُۥ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَىٰكُم بِهِۦ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾﴾ [یونس: ۱۶]

«اور کہو: اگر اللہ کی مشیّت نہ ہوتی تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟»۔

یعنی اسے میں تمہارے پاس اللہ کے حکم، اس کی مشیت اور ارادے سے لے کر آیا ہوں۔ اس بات کی دلیل کہ میں یہ کلام خود سے نہیں کہتا اور نہ خود اسے گھڑتا ہوں۔ تم اس کلام کی طرح کا کلام لانے سے قاصر ہو اور تم میرے صدق و امانت کو بھی تب سے جانتے ہو جب سے میں تم میں پل بڑھ کر بڑا ہوا ہوں یہاں تک کہ اللہ نے مجھے مبعوث فرما دیا، تم کو مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں ملے گی جس کی بنا پر مجھ پر تم تنقید کر سکو اور اس کی وجہ سے مجھے عیب دار بنا سکو۔ اسی لئے فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [یونس: ۱۶]

«آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟»۔

یعنی کیا تم ایسی عقلیں نہیں رکھتے جن کے ذریعے تم حق و باطل کے مابین فرق کر سکو؟۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ معاصر ماہر علماء اہلسنت نے قرآن و سنت میں موجود ان اہم سائنسی پہلوؤں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قرآن و سنت کے سائنسی اعجاز سے متعلق ایک عالمی ادارہ قائم کیا ہے جو رابطِہ عالم اسلامی کے ماتحت ہے اور متعدد اہداف کے لئے کام کر رہا ہے جیسے ایسے قواعد وضع کرنا جو کتاب و سنت میں موجود سائنسی اعجاز کو بیان کرنے کے لئے کئے جانے والے اجتہاد کو منضبط کرتے ہوں، کائناتی علوم سے متعلق کتاب و سنت میں موجود آیات کے دقیق معانی کو جاننا، کتاب و سنت کی

روشنی میں سائنسی مسائل میں غور وخوض کے لئے محققین کی تیاری میں حصہ ڈالنا اور اس سلسلے میں مہارت رکھنے والے اداروں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے سائنسی اعجاز کے پروگراموں میں راہنمائی فراہم کرنا تاکہ یہ دعوت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ بن جائیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے مقابلے کے اس دور میں انہوں نے اس زود افزوں میدان میں کتابیں اور میعادی مجلات (Periodicals) صادر کئے ہیں جن میں ایسے موضوعات ہیں جو اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں اور اللہ ان کے ذریعے اپنے بہت سے بندوں کو ہدایت دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی نے جن سائنسی معجزات سے ہونے والی دریافتوں کا علم اہلسنت پر ظاہر کیا اس کو انہوں نے متعدد زبانوں میں ترجمہ کر کے پورے عالم میں پھیلایا۔ اور بعد از توفیقِ باری تعالی ہزاروں عجمی غیر مسلموں کی ہدایت میں اس کا واضح اثر ہوا۔

قرآن سے کچھ ایسے جوابات جو شیعہ حضرات کو دینِ حنیف کی طرف لے جاتے ہیں۔

اب کچھ بہت ہی سادہ سے سوالات کروں گا جن کے جوابات قرآن کریم سے دیئے جائیں گے تا کہ ان کو ماننا اور ان کی اتباع کرنا لازمی ٹھہرے اور تاکہ میں شیعہ علماء اور عوام پر یہ واضح کردوں کہ انہوں نے کس قدر قرآن کو چھوڑا ہوا ہے اور وہ کس قدر اس سے دور ہیں، نہ تو انہوں نے قرآن کی حلاوت چکھی اور نہ ہی ان عظمتوں کو حاصل کیا جو اللہ نے ان کے لئے قرآن کریم میں محفوظ کر رکھی تھیں۔وہ بھی دوسرے تمام انسانوں ہی کی طرح ہیں جن کے لئے قرآن نازل کیا گیا تھا۔

سوال: اللہ تعالی نے انسان کو بہتر انداز میں تخلیق کیا، اسے بہترین ساخت دی، بہترین انداز میں اس میں روح پھونکی جس پر صرف اللہ کی ذات ہی قدرت رکھتی تھی جو احسن الخالقین ہے، چنانچہ اللہ کے نزدیک کون سی شے افضل ہے، جسم یا روح؟

جواب: روح، کیونکہ وہ دارِ خلد میں ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جب کہ جسم تو دنیائے فانی کے ساتھ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلْغُرُورِ﴿١٨٥﴾﴾ [آل عمران: ١٨٥]

«آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کردیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے»۔

سوال: جب اللہ نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا فرما دیا اور جسم کو بہترین ساخت دے دی تو کیا کوئی ایسی شے ہے جو جسم کے لئے توشہ ہو، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب: جی ہاں، جسم کے لئے ایک توشہ ہے اور انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اس سے مستغنی ہو ۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو بھوک و پیاس سے مر جائے گا۔ یہ توشہ کھانے پینے کی ہر لذیذ و پاکیزہ شے ہے جو اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر احسان ہے۔

﴿فَلۡيَنظُرِ ٱلۡإِنسَٰنُ إِلَىٰ طَعَامِهِۦٓ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبۡنَا ٱلۡمَآءَ صَبّٗا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقۡنَا ٱلۡأَرۡضَ شَقّٗا ﴿٢٦﴾ فَأَنۢبَتۡنَا فِيهَا حَبّٗا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبٗا وَقَضۡبٗا ﴿٢٨﴾ وَزَيۡتُونٗا وَنَخۡلٗا ﴿٢٩﴾ وَحَدَآئِقَ غُلۡبٗا ﴿٣٠﴾ وَفَٰكِهَةٗ وَأَبّٗا ﴿٣١﴾ مَّتَٰعٗا لَّكُمۡ وَلِأَنۡعَٰمِكُمۡ ﴿٣٢﴾﴾ [عبس: ۲۴-۳۲]

«پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے۔ ہم نے خوب پانی لنڈھایا۔ پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔ پھر اُس کے اندر اگائے غلے۔ اور انگور اور ترکاریاں۔ اور زیتون اور کھجوریں۔ اور گھنے باغ۔ اور طرح طرح کے پھل، اور چارے۔ تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست کے طور پر»۔

چنانچہ سب تعریفیں اور فضیلتیں اسی کے لئے ہیں۔

سوال: کیا جسم کے توشے میں کچھ کمی پائی جاتی ہے کہ اللہ نے کوئی نفع بخش اور حلال نعمت ہمیں عطا نہ کی ہو؟

جواب: اللہ تعالی نے ہم پر اپنے احسانات اور نعمتیں تمام کیں جس کا شمار صرف اسی کی ذات کر سکتی ہے جو سب سے زیادہ کریم اور سب سے زیادہ رحیم ذات ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿أَلَمۡ تَرَوۡاْ أَنَّ ٱللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَأَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةٗ وَبَاطِنَةٗ﴾ [لقمان: ۲۰]

«کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں تمہارے لیے مسخر کر رکھی ہیں اور اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں؟»۔

اسباغ کا معنی ہے تمام کرنا اور کشادگی کرنا یعنی اللہ نے (اپنی نعمتیں ہم پر) تمام کیں اور ہمارے لئے کشادگی فرمائی۔ اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَءَاتَىٰكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلۡتُمُوهُۚ وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَظَلُومٞ كَفَّارٞ ﴿٣٤﴾﴾ [ابراہیم: ۳۴]

«جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بےانصاف اور ناشکرا ہے»۔

سوال: کیا روح کے لئے بھی کوئی توشہ ہے، اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

جواب: جی ہاں، روح کے لئے بھی توشہ ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيۡرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقۡوَىٰۖ وَٱتَّقُونِ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ﴾ [البقرۃ: ۱۹۷]

«توشہ ساتھ لو، اور سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو»۔

روح کا توشہ اللہ کی عبادت، اس کا تقوی ہے اور یہ کہ جن باتوں کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ان کی ہم اتباع کریں اور جن باتوں سے ہمیں منع فرمایا ہے ان سے باز آ جائیں۔ یہاں اللہ تعالی نے حاجیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے سفر کے لئے زادِ راہ ساتھ لیں اور بنا زادِ راہ کے سفر نہ کریں۔ پھر اللہ تعالی نے ان کی توجہ بہترین زادِ راہ کی طرف مبذول کرائی وہ سفرِ آخرت کے لئے تقوی کا توشہ ہے جب کہ روح کا توشہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ وہ آخرت میں باقی اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا ۝١٦ وَٱلْءَاخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰٓ ۝١٧﴾ [الأعلى: ۱۶-۱۷]

«بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو جب کہ آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے»۔

سوال: جب اللہ تعالی نے ازراہِ احسان ہمیں توشہ جسد دے دیا اور جو کچھ بھی ہم نے اس سے مانگا وہ اس نے ہمیں عطا کر دیا اور نعمت تمام کر دی تو کیا یہ ممکن ہے کہ توشۂ روح جو توشہ جسمانی سے زیادہ اہم ہے اس میں کچھ کمی رہ گئی ہو یا پھر اس کا حصول مشکل ہو؟

جواب: یقینا ایسا ہونا ممکن نہیں ۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]

«آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے میں نے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا»۔

اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ توشۂ روح کا حصول مشکل ہو یا اس میں کچھ کمی رہ گئی ہو۔ جس ذات نے جسم کو بہترین انداز میں پیدا فرمایا اور کامل طور پر اس کے لئے توشہ فراہم کیا اور خشکی و تری پر جو کچھ تھا سب کچھ ہمارے لئے مسخر کرتے ہوئے نعمت کو تمام کیا تو (اس ذات سے) حق و انصاف کے تقاضے کی رو سے ضروری ہے کہ توشہ روح، توشہ جسم سے بھی زیادہ کامل اور تمام ہو۔ کیونکہ روح ہمیشہ رہنے والی ہے اور اس کا حساب ہونا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی نے اس مبارک امت کے لئے واضح عربی میں اپنی افضل ترین کتاب نازل فرمائی اور ہمارے لئے اپنے افضل ترین رسول علیه و علیهم جمیعا أفضل السلام و أتم التسلیم بھیجےاور اللہ نے اپنا دین پایہ تکمیل کو پہنچایا تا کہ کفار پر حجت تمام ہو جائیں۔

قرآن کریم میں اس بات کے اثبات میں بیسیوں ایسی آیات آئی ہیں کہ قرآن روح کاتوشہ ہے اور یہ کہ قرآن ایک نور ہے جس کے ذریعے اللہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتا ہے اور اس (چراغِ ہدایت) کو بجھانا ممکن نہیں ہے:

﴿تِلْكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِٱلْحَقِّ ۗ وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَٰلَمِينَ ﴿١٠٨﴾﴾ [آل عمران: ۱۰۸]

«یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنارہے ہیں کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا»۔

﴿إِنَّ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ٱلَّذِينَ يَعْمَلُونَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾﴾ [الإسراء: ۹]

« حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔ جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے»۔

﴿قَدْ جَآءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ عَمِىَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾﴾ [الأنعام: ۱۰۴]

«دیکھو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی روشنیاں آگئی ہیں، اب جو بینائی سے کام لے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو اندھا بنے گا خود نقصان اٹھائے گا، میں تم پر کوئی پاسبان نہیں ہوں»۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِى هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ ٱلْإِنسَٰنُ أَكْثَرَ شَىْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾﴾ [الکھف: ۵۴]

«ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو طرح طرح سے سمجھایا مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے»۔

سوال: لیکن کیا وجہ ہے کہ ہمیں ایسے لوگ ملتے ہیں جو قرآن میں بیان کردہ واضح عقائد سے ہٹے ہوئے ہیں، کیا خرابی قرآن میں ہے یا پھر ان بھٹکے ہوئے لوگوں میں؟

جواب: جو شخص حق سے بھٹک جاتا ہے خرابی اس کے اپنے دل میں ہوتی ہے نہ کہ اللہ کی کی کتاب میں۔ اللہ سبحانہ و تعالی فرماتے ہیں :

﴿قُلْ فَلِلَّهِ ٱلْحُجَّةُ ٱلْبَٰلِغَةُ ۖ فَلَوْ شَآءَ لَهَدَىٰكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ [الأنعام: ۱۴۹]

«کہہ دو کہ حقیقت رَس حجت تو اللہ کے پاس ہے، بےشک اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا»۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ﴾ [محمد: ۲۴]

«کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا، یا ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں»؟۔

سوال: پھر کیا وجہ ہے کہ قبولِ حق کے لئے ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں،ان لوگوں کی کیا صفات ہیں؟

جواب: اسباب تو بہت سارے ہیں جنہوں نے ان لوگوں کو حق سے دور کر دیا ہے اور ان کے دلوں کو حق کو ناپسند کرنے والا بنا دیا اور ان کو اسے قبول کرنے سے روک دیا ہے۔ سب سے اہم اور سب سے درست ترین سبب وہی ہے جو ہمارے رب کی علیم و حکیم ذات نے اپنے کتاب میں ان لوگوں کے بارے میں بتایا اور ان کے اوصاف و اسرار بیان فرمائے جو بیسیوں آیات میں آئے ہیں جن میں سے بغرض وضاحت ہم تھوڑے سے ذکر کرتے ہیں:

﴿سَأَصْرِفُ عَنْ ءَايَٰتِيَ ٱلَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ وَإِن يَرَوْا۟ كُلَّ ءَايَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا۟ بِهَا وَإِن يَرَوْا۟ سَبِيلَ ٱلرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا۟ سَبِيلَ ٱلْغَىِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَكَانُوا۟ عَنْهَا غَٰفِلِينَ﴾ [الأعراف: ۱۴۶]

«میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ اُن کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بےپروائی کرتے رہے»۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ

شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴿٤١﴾ [المائدۃ: ۴۱]

« اے رسول! تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیزگامی دکھا رہے ہیں، خواہ وہ اُن میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر دل اُن کے ایمان نہیں لائے، یا اُن میں سے ہوں جو یہودی بن گئے ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کی خاطر، جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے، سنگن لیتے پھرتے ہیں، کتاب اللہ کے الفاظ کواُن کا صحیح محل متعین ہونےکے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو۔ جسے اللہ ہی نے فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرلیا ہو تو اس کو اللہ کی گرفت سے بچانے کے لیے تم کچھ نہیں کر سکتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا»۔

﴿وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِى ٱلظُّلُمَـٰتِ ۗ مَن يَشَإِ ٱللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴿٣٩﴾﴾ [الأنعام: ۳۹]

«مگر جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں، تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے»۔

﴿فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلضَّلَـٰلَةُ ۗ إِنَّهُمُ ٱتَّخَذُوا۟ ٱلشَّيَـٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴿٣٠﴾﴾ [الأعراف: ۳۰]

«ایک گروہ کو تو اس نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، مگر دوسرے گروہ پر گمراہی چسپاں ہو کر رہ گئی ہے، کیونکہ انہوں نے خدا کے بجائے شیاطین کو اپنا سر پرست بنا لیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں»۔

﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا۟ لَكَ فَٱعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ ٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ﴿٥٠﴾﴾ [القصص: ۵۰]

«اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں، اور اُس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو خدائی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہر گز ہدایت نہیں بخشتا»۔

﴿وَلَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ قَالُوا۟ سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝٢١ إِنَّ شَرَّ ٱلدَّوَآبِّ عِندَ ٱللَّهِ ٱلصُّمُّ ٱلْبُكْمُ ٱلَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝٢٢ وَلَوْ عَلِمَ ٱللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا۟ وَّهُم مُّعْرِضُونَ ۝٢٣﴾ [الأنفال: ۲۱-۲۳]

«اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُنا حالانکہ وہ نہیں سُنتے۔ یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سُننے کی توفیق دیتا۔ (لیکن بھلائی کے بغیر) اگر وہ ان کو سُنواتا تو وہ بےرُخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے»۔

چنانچہ جس سے اللہ ناراض ہو جاتا ہے اسے بصیرت سے کورا کردیتا ہے بلکہ اس کے لئے اس کے برے علم کو ہی خوش نما کر دیتا ہے اور اسے وہ اچھا لگنے لگ جاتا ہے جو کہ ربِ حکیم کی طرف سے استدراج (ڈھیل) کی سب سے خطرناک صورت ہے۔

اس طرح کے لوگوں پر اللہ نے کچھ ظلم نہیں ڈھایا بلکہ یہ اپنے آپ پر خود ظلم کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان پاس ایک ڈرانے والا اور راہبر آیا تاکہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں لیکن سوائے گمراہی کے انہوں نے ہر بات کا انکار کیا جو کہ سراسر تکبر اور حق کو ٹھکرانا ہے۔ چنانچہ ان متکبر لوگوں کے لئے ربانی استدراج (ڈھیل) جس کا انہیں علم بھی نہ ہوا اس کی صورت کچھ اس طرح سے تھی کہ:

﴿وَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْءَاخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝٤٥ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى ٱلْقُرْءَانِ وَحْدَهُۥ وَلَّوْا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَٰرِهِمْ نُفُورًا ۝٤٦﴾ [الإسراء: ۴۵-۴۶]

«جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں»۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِۦ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا ۝٥٧﴾ [الكهف: ۵۷]

«اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جائے اور وہ اُن سے منہ پھیرے اور اُس برے انجام کو بھول جائے جس کا سروسامان اس نے اپنے لیے خود اپنے ہاتھوں کیا ہے؟۔ (جن لوگوں نے یہ روش اختیار کی ہے) ان کے دلوں پر ہم نے غلاف چڑھا دیے ہیں جو انہیں قرآن کی بات نہیں سمجھنے دیتے، اور اُن کے کانوں میں ہم نے گرانی پیدا کر دی ہے۔ تم انہیں ہدایت کی طرف کتنا ہی بلاؤ، وہ اس حالت میں کبھی ہدایت نہ پائیں گے»۔

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْـَٔاخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَـٰلَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ﴾ [النمل: ۴]

«حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے لیے ہم نے اُن کے کرتوتوں کو خوش نما بنا دیا ہے، اس لئے وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں»۔

﴿فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَـٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ [الأنعام: ۱۲۵]

«پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اُس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہے کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اُسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ اِس طرح اللہ (حق سے فرار اور نفرت کی) ناپاکی ان لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے»۔

کسی ڈھیل دیئے گئے شخص کو صرف تب ہی ڈھیل دی جاتی ہے جب کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا، ظلم کیا، اسے حق یاد دلایا گیا لیکن اس نے اس کا انکار کیا، اس کے نفس کو حق کا یقین آ گیا پھر بھی اس نے اس کی مخالفت کی اور اسے فراموش کر دیا، حد سے بڑھا اور اپنی ہوائے نفس کی پیروی میں لگ گیا یا پھر ایسا شخص جس نے اپنے دل میں خباثت کو چھپائے رکھا جسے اللہ کھولنے والا ہے، جس نے حد سے تجاوز کیا اور توبہ نہ کی یا وہ شخص جو لوگوں سے تو چھپتا رہا لیکن اللہ سے نہ چھپا خاص طور پر وہ لوگ جو اللہ کی آیات کو تھوڑی سے عوض میں بیچ دیتے ہیں۔ اگر مکر کرنے والوں کے لئے اللہ کی جوابی تدبیر نہ ہوتی تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے، ظلم عام اور بہت بڑھ جاتا ۔ چنانچہ اس استدراج (ڈھیل) میں نفع اور اصلاح ہے ۔ اس میں حد سے

تجاوز کرنے کے لئے والوں کے لئے سزاء، نصیحت لینے والوں کے رحمت اور سرکش لوگوں کے لئے نشانی اور عبرت ہے۔

استدراج پُرحکمت ربانی تدبیر کی ایک صورت ہے۔ یہ ایک قابل تعریف صفت ہے اور اللہ کے حق میں اس میں میں کوئی عیب نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ ہمارے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ: "إن الله ماكر" (اللہ چال چلنے والا ہے) بلکہ ہم یوں کہیں گے کہ: "إن الله يمكر بالماكرين" (چالیں چلنے والوں کے ساتھ اللہ بھی چال چلتا ہے)۔ ہم اس صفت کو مقامِ مدح میں ذکر کریں گے ۔ جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے :

﴿وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ﴾ [الأنفال: ۳۰]

«وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے»۔

﴿وَمَكَرُوا۟ مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [النمل: ۵۰]

«یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہ تھی»۔

قرآن میں استدراج کے جو واضح واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک واقعہ فرعون کا ہے جس نے مکر کیا اورحالتِ نیند میں دیکھے گئے ایک خواب کی بنا پر بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کیا تا کہ کوئی ایسا بچہ نہ اٹھ کھڑا ہو جو اس کا تخت الٹ دے۔ اللہ تعالی نے اپنی قدرت کی بدولت فرعون کو ہی اس کام کے لئے مسخر کردیا کہ وہ اپنے محل میں اس بچے کی پرورش کرے جو اس کی حکومت گرائے گا اور اس کی مملکت ختم کرے گا ۔ یہ بچے اللہ تعالی کے عالی مرتبت نبی موسی علیہ السلام تھے۔ پاک ہے اللہ کی وہ ذات جو قادر و مقتدر اور علیم و خبیر ہے۔ اللہ کے بندوں میں سے بہت تھوڑے ہی ایسی ہیں جو ذرا رک کر غور و فکر کرتے ہیں۔

بعض مستدرجین کی واقعاتی مثالوں میں سے ایک مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایٹمی اور پیچیدہ سائنسی مضامین کے ماہر غیر مسلم سائنسدان جیسے ایک ہندوستانی سائنسدان جوایک مشکل فن میں مہارت رکھتے ہیں اور بہت ہی پیچیدہ نوعیت کے ایسے سائنسی مسائل کو اچھی طرح سمجھتے ہیں جن کے لئے ایک عبقری دماغ کی ضرورت ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گائے کی پوجا کرتے ہیں اور لیٹ کر اس کے سامنے اپنا پیٹ زمین پر لگا رہے ہوتے ہیں جو کہ ان کی عبادت کی ایک شکل اور گائے کی

خوشنودی پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ اس کے پیشاب سے برکت لیتے ہیں، باہر آنے سے پہلے اسے اپنے چہرے پر ملتے ہیں اور اس کے جسم پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہیں تا کہ وہ ان سے راضی ہو جائے۔ یہ سائنسدان گو عبقری ذہن کے مالک ہیں لیکن ان کا دل خراب اور بیمار ہے۔

اس شخص کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا جو اللہ کی طرف بیوی اور بچوں کی نسبت کرتا ہے یا پھر سورج، چاند یا شجروحجر یا کسی بھی ایسی قبر کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں بن فلاں کی مرقد ہے۔ مرقد کا لفظ "رقود" (سو جانا) سے نکلاہے۔ ایسا شخص اس اللہ کا چھوڑ دیتا ہے جس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، جو حی و قیوم ہے اور جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اس شخص کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے جس کا موت نے خاتمہ کر دیا، جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ سنتا اور دیکھتا بھی ہوتا تو تب بھی وہ اس کے لئے پرکاہ کا بھی مالک نہ ہوتا۔

یہ عبقری شخص اللہ کی آیاتِ دامغات کی تلاوت سنتا ہے جو حق کی وضاحت کرتی ہیں اور ان پر ہر شے ایمان رکھتی ہے یہاں تک کہ حیوانات و حشرات اور جمادات بھی اپنے رب کو پہچانتی ہیں اور کسی شے کو اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتیں۔ ان اشیاء نے اپنی فطرت کی بنا پر اللہ کی وحدانیت کو قبول کیا اور یوں اس کی تسبیح بیان کرنے لگ گئیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ [الإسراء: ۴۴]

«کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے»۔

ہمیں کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا جو کسی جانور یا کسی کیڑے پر کفر اور شرک کا الزام دھرتا ہو جب کہ بشر جن کو اللہ نے عقلوں سے نوازا، اللہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور اللہ کی طرف ان اشیاء کو منسوب کرتے ہیں جو عقل نہ رکھنے والے جانور بھی اس کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ان کے دلوں کی خرابی نے ان کو اس حالت تک پہنچا دیا جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ان پڑھ بڑھیا جو نہ پڑھ لکھ نہیں سکتی اور نہ اتنی ہی قدرت رکھتی ہے کہ ریاضی کے سادہ ترین مسائل ہی کو حل کر سکے، اس کی عقل گو بہت کم ہے لیکن اس کا دل سلیم الفطرت ہے جس کی بنا پر

وہ اللہ کی عبادت کرتی ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی بایں طور کہ اللہ کی اپنے اوپر کی جانے والی نعمتوں پر یقین رکھتی ہے، اس کی شکر گزاری کرتی ہے، اس کے سامنے رکوع و سجدہ ریز ہوتی ہے اور اپنی ان ضروریات کے سلسلے میں جن کو پورا کرنے پر صرف اللہ سبحانہ تعالی کی ذات قادر ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں پکارتی۔

سوال: کیا اس طرح سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ تعالی ہدایت دے دیتے ہیں یا پھر گمراہ ہونے کے لئے ڈھیل دے دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالی ان کو ڈھیل دیئے رکھتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ان کے برے عمل کو ان کی نظر میں اچھا بنا دیتے ہیں اور ان کی گمراہی کو خوش نما کر دیتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿فَذَرْنِي وَمَن يُكَذِّبُ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٤﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾﴾ [القلم: ۴۴-۴۵]

«پس اے نبیؐ! تم اِس کلام کے جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔ ہم ایسے طریقہ سے اِن کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ اِن کو خبر بھی نہ ہوگی۔ میں اِن کی رسی دراز کررہا ہوں، میری چال بڑی زبردست ہے»۔

ان روگردانی کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالی نے وہ بات نہیں کہی جو اتباع کرنے والوں کے بارے میں فرمائی ہے کہ:

﴿ٱلَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ ٱلْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ ۚ أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ هَدَىٰهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿١٨﴾﴾ [الزمر: ۱۸]

«جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں»۔

اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَٱلَّذِينَ ٱهْتَدَوْا۟ زَادَهُمْ هُدًى وَءَاتَىٰهُمْ تَقْوَىٰهُمْ ﴿١٧﴾﴾ [محمد: ۱۷]

«رہے وہ لوگ جنہوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور انہیں اُن کے حصے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے»۔

دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہاں کچھ دیر ٹھہریں اور غور و فکر کریں۔

چنانچہ اللہ تعالی حکیم و علیم ہے اور وہ کچھ جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔ جب وہ ہدایت دیتا ہے تو وہ اللہ کی طرف سے تو وہ حق اور نوازش ہوتی ہے۔اور جب وہ گمراہ کرتا ہے تو وہ بھی اس کی طرف سے حق ہوتی ہے اور (کسی گناہ کا) بدلہ اور انصاف ہوتی ہے۔ اگر کسی ایسے گم گشتہ راہ کو جسے اللہ نے گمراہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہو ہدایت دینے کے لئے تمام آسمانوں اور زمین والے بھی جمع ہو جائیں تو اللہ کے سوا کوئی بھی شخص چاہے وہ جتنا بھی پہنچا ہوا ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتا۔اسی طرح جسےاللہ ہدایت اور ثابت قدمی دےاس کو اگر سب آسمانوں اور زمین والے بھی گمراہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿مَن يَهْدِ ٱللَّهُ فَهُوَ ٱلْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُۥ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ [الکھف: ۱۷]

«جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے اللہ بھٹکا دے اس کے لیے تم کوئی ولی مرشد نہیں پا سکتے»۔

چنانچہ گمراہ اور ڈھیل دیئے گئے شخص کے بارے میں جب اللہ تعالی چاہتا ہے کہ اسے اچھے انداز میں واپس لوٹا دے تو قبولِ حق کے لئے اس کا دل کھول دیتا ہے، اس کی بصیرت روشن کردیتا ہے اور اس میں اپنے گمراہ کن مذہب کے بارے میں جو عصبیت ہوتی ہے وہ اس سے دور کر دیتا ہے تاکہ وہ فلاح یاب لوگوں کے قافلے میں شامل ہو جائے ۔ ایسا کرنے پر صرف اللہ ہی کی ذات قدرت رکھتی ہے جو دلوں کا مالک اور ان میں چھپی باتوں اور رازوں کو جانتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ سچے دل اور پوری توجہ و محبت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور عصبیت کو ترک کر دیا جائے تاکہ اللہ وحدہ کے حکم سے دلوں کو ہدایت ملے۔ اللہ سبحانہ و تعالی ہر وہ کام کرکے رہتا ہے جس کاوہ ارادہ کرتا ہے۔ جو شخص ایسا کر لیتا ہے اس کے لئے یہ اللہ کے حکم سے اس کے صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی توفیق کا پہلا قدم ہوتا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ ٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ أَوِ ٱخْرُجُوا۟ مِن دِيَـٰرِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا۟ مَا يُوعَظُونَ بِهِۦ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّـَٔاتَيْنَـٰهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَـٰهُمْ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾﴾ [النساء: ۶۶-۶۸]

«حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے، اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔ اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور ہم ان کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی دیتے»۔

سوال: انسان کیسے جانے کہ آیا وہ مستدرج (ڈھیل دیا گیا) ہے یا نہیں؟

جواب: مستدرج شخص کے لئے یہ جاننا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ مستدرج ہے۔ چنانچہ یہ خیال کرنا سراسر حماقت ہے کہ انسان اپنے بل بوتے پر جان سکتا ہے کہ اللہ نے اس کے ساتھ استدراج کا معاملہ کر رکھا ہے۔کیونکہ استدراج کو استدراج کہا ہی تب جاتا ہے جب وہ مخفی ہو۔بلکہ مستدرج شخص کے لئے یہ بات خوش نما بنا دی جاتی ہے کہ وہ مستدرج نہیں ہے بایں طور کہ واضح نصوص سے ٹکرانے والے اس کے افکار اس کی نظر میں اچھے بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ ان کے معاملے میں متعصب ہوجاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا عقیدہ اور اس کا برا عمل ٹھیک ہیں۔ اس بارے میں قرآن کے واضح دلائل میں سے کچھ یہ ہیں:

﴿أَفَمَن زُيِّنَ لَهُۥ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ فَرَءَاهُ حَسَنًاۖ فَإِنَّ ٱللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهۡدِي مَن يَشَآءُۖ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرَٰتٍۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمُۢ بِمَا يَصۡنَعُونَ ۝٨﴾ [فاطر: ۸]

«(بھلا کچھ ٹھکانا ہے اُس شخص کی گمراہی کا) جس کے لیے اُس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو اور وہ اُسے اچھا سمجھ رہا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ پس (اے نبیؐ!) خواہ مخواہ تمہاری جان ان لوگوں کی خاطر غم و افسوس میں نہ گھلے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اُس کو خوب جانتا ہے»۔

اوراللہ تعالی نے فرمایا:

﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُم بِٱلۡأَخۡسَرِينَ أَعۡمَٰلًا ۝١٠٣ ٱلَّذِينَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُونَ أَنَّهُمۡ يُحۡسِنُونَ صُنۡعًا ۝١٠٤﴾ [الکھف: ۱۰۳-۱۰۴]

«اے محمدؐ، ان سے کہو، کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام و نامراد لوگ کون ہیں؟۔ وہ کہ دنیا کی زندگی میں جن کی ساری سعی و جہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ سب کچھ ٹھیک کررہے ہیں»۔

یہ بہت تشویش میں مبتلا کرنے والے بات ہے جو ہر اس شخص کو محاسبہِ نفس پر آمادہ کرتی ہے جو اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ ایسا شخص اپنی ذات کو پہلے اللہ کی کتاب پر رکھ کر پرکھتا ہے اور پھر فوری طور پر اللہ کی کتاب میں اس کی خوشنودی کا سبب بننے والی باتوں کی پیروی کر کے اپنے اور اللہ کے مابین تعلق کی اصلاح کرتا ہے تا کہ اللہ اسے ہدایت دے اور حق کے لئے اس کی بصیرت کو

روشن کر دے۔ جب کہ اس کے مقابلے ایسے لوگ ہیں جو اپنی آپ ہی تعریفیں کرتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اس بات سے بہت دور ہیں (کہ دنیا میں ان کی دوڑ دھوپ رائیگاں جائے)۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مستدرجین ہیں اور ان کی غفلت اور خود ستائشی ہی ان کے استدراج کی سب سے بڑی دلیل اور علامت ہے۔

سوال: کیا ہم پابند ہیں کہ ہم قرآن کی اتباع کریں اور ہر اس شے کو ترک کر دیں جو اس کی مخالف ہو؟

جواب: جی ہاں، ہم اللہ کی کتاب کی اتباع کے پابند ہیں ۔ اگر مخالفِ قرآن کوئی ایسا مسئلہ یا عبادت ہمارے سامنے آئے جس کو ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھا ہو یا وہ وراثت میں ہمیں ملا ہو تو اس سے بچنا اور اسے ترک کرنا ہمارے لئے واجب ہے۔ہم بنا کسی تردد کے قرآن کی اتباع کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے جس کا اللہ نے اپنے اس فرمان کے ذریعے حکم دیا ہے:

﴿وَهَٰذَا كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ مُبَارَكٌ فَٱتَّبِعُوهُ وَٱتَّقُوا۟ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [الأنعام: ۱۵۵]

«اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، ایک برکت والی کتاب پس تم اِس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے»۔

ہم حق کی طرف پلٹ آتے ہیں اور اپنی غلطی پر اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور اس سے توبہ کرتے ہیں۔بلکہ ہم پر واجب ہو جاتاہے کہ ہم نے جن غلط باتوں کو سیکھ سمجھ کر اپنے علاوہ دوسروں کو بھی سکھایا ااور یوں خود اپنے اور اپنے ماتحت لوگوں کے حق میں خرابی پیدا کی اس کی اصلاح کریں تاکہ ہم ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کی اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان میں تعریف کی ہے کہ:

﴿إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ وَأَصْلَحُوا۟ وَٱعْتَصَمُوا۟ بِٱللَّهِ وَأَخْلَصُوا۟ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ۱۴۶]

«البتہ جو اُن میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا»۔

سوال: کیا یہ بات عدلِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کی دنیوی زندگی کی تو ہر شے کو شمار کرے چاہے وہ بہت معمولی ہی ہو تاکہ اس دن ان کا حساب لیا جا سکے جس دن نہ توبہ قبول ہو گی

اور نہ ہی عذر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَـٰسِبِينَ﴾ [الأنبياء: ۴۷]

«قیامت کے روز ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں»۔

اور پھر اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول کو چھوڑ ہی دے اور قرآن میں صراحت کے ساتھ اس کا کوئی ذکر نہ کرے خاص طور پر جب کہ اس اصول کا انکار کرنے والے شخص کی سزا یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ بنا دیا!!؟

جواب: ایسا ہونا بالکل بھی ممکن نہیں ۔ یہ اللہ کے ساتھ بدگمانی ہے اور اللہ کے متعلق بدگمانی رکھنا کفر ہے، عیاذا باللہ، اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم روا نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَـٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ۴۰]

«اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے»۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ تو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

﴿وَٱللَّهُ يَدْعُوٓا۟ إِلَىٰ دَارِ ٱلسَّلَـٰمِ وَيَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ [یونس: ۲۵]

«اور اللہ تمہیں دار السلام کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ (ہدایت اس کے اختیار میں ہے) جس کو وہ چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے»۔

اور سینکڑوں آیات میں ہمیں اپنے دردناک عذاب سے ڈراتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

﴿فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ﴾ [اللیل: ۱۴]

«پس میں نے تم کو خبردار کردیا ہے بھڑکتی ہوئی آگ سے»۔

چنانچہ یہ کسی بھی طور ممکن نہیں کہ اللہ معمولی سے معمولی باتیں تو ذکر کرے اور اپنی کتابِ عزیز میں ایسے واضح انداز میں ان کے بارے میں ہدایات دے جن میں کچھ شبہہ نہ ہو جیسے سلام کرنا اور مسلمان پر اس کے جواب دینے کا وجوب، عورت سے متعلق حیض و رضاعت کے معاملات، طلاق و

عدت جب کہ اسلام کے اہم اصولوں میں سے ایک اصول یا ارکان میں سے ایک رکن کو چھوڑ ہی دے اور اس کو ایسی تفصیل اور وضاحت سے ذکر نہ کرے کہ کوئی بھی عاقل شخص اس کا انکار نہ کر سکے چاہے وہ پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو۔ کیونکہ علماء اور عوام سب کا حساب ہونا ہے۔

سوال: اگر اللہ کی کتاب کا یہ مقام ہے اور اس سے متعلق اللہ کے حضور ہم پر اتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس میں کچھ ایسی باتیں گھڑ (کر شامل کر) دی جائیں جو درحقیقت اس کا حصہ نہ ہوں؟ چاہے ایسا تحریف کے ذریعے کیا جائے بایں طور کہ کچھ اضافہ یا حذف کر دیا جائے یا پھر کچھ ایسی تبدیلی کردی جائے جو قرآن کے بعض مفاہیم کو زائل کر دے اور اس طرح سے امت گمراہی میں پڑ جائے!؟۔ خاص طور پر جب کہ قرآن کی حفاظت کرنا بندوں کا اللہ پر حق ہے اور محمد ﷺ خاتم الانبیاء و الرسل ہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی اہلِ ارض سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی رسول آنے والا ہے اور نہ کوئی کتاب!؟۔

جواب: ایسا ہونا بالکل بھی ممکن نہیں۔ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو اطمینان دلایا بایں طور کہ اپنی نازل کردہ کتاب کو کسی بھی تحریف سے محفوظ رکھنے کا خود وعدہ فرمایا۔ کیا کوئی بات اللہ کی بات اور وعدے سے بھی زیادہ واضح اور سچی ہو سکتی ہے:

﴿إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا ٱلذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر: ۹]

«ہم نے ہی اس نصیحت کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں»۔

اور جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ حفاظت قرآن سے تعلق رکھنے والی ہر شے کی ہوتی ہے چاہے وہ اس کا کامل پن ہو یا اس کی وہ ترتیب جو اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کے لئے چاہی۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ قرآن کی ایک جانب سے تو حفاظت کریں تا کہ اس میں کوئی تحریف نہ ہو سکے جب کہ دوسری جانب سے اسے چھوڑ ہی دیں اور اس میں تبدیلی کر دی جائے۔ کیونکہ تبدیلی کرنا تحریف اور افتراء پردازی میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں کسی بھی طرح سے افتراء پردازی ممکن نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ هَـٰذَا ٱلۡقُرۡءَانُ أَن يُفۡتَرَىٰ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلَـٰكِن تَصۡدِيقَ ٱلَّذِي بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيلَ ٱلۡكِتَـٰبِ لَا رَيۡبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلۡعَـٰلَمِينَ ۝٣٧﴾ [یونس: ۳۷]

«اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر ہی گھڑ لی جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام

جہانوں کے رب کی طرف سے ہے»۔

اور اسی طرح وہ اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں ہے:

﴿بَلْ هُوَ قُرْءَانٌ مَّجِيدٌ ۝٢١ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍۭ ۝٢٢﴾ [البروج: ۲۱-۲۲]

«بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے اور اس لوح میں (نقش) ہے جو محفوظ ہے»۔

چنانچہ جن لوگوں کے لئے یہ قرآن نازل ہوا او ر جن کا روزِ جزاء حساب ہونا ہے ان کے لئے اس کی حفاظت بطریقِ اولی ہونی چاہئے۔ یہ قرآن اللہ اور ملا اعلی میں اس کے فرشتوں کے ہاں بہت معظم ہے اور شیاطین سے مستور ہے اور اس میں رد و بدل، تبدیلی یا کمی بیشی کرنے کی انہیں کوئی قدرت حاصل نہیں۔ اس میں پوشیدہ و ظاہر علم کی باتیں ہیں جس میں بنی آدم کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں کرسکتے۔ اگر اس میں تحریف کر دی جائے تو پھر اللہ اپنے بندوں کا حساب کس طرح سے لیں گے جب کہ ان کے سامنے صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو جنت یا پھر جہنم اور (بصورتِ تحریف) اللہ کی کتاب مشکوک ہو گی۔

اگر قرآن میں کوئی تبدیلی یا تحریف کر دی گئی ہوتی تو ہر گمراہ شخص کے پاس روزِ قیامت اللہ کے مقابلے میں حجت ہوتی اور ایسا ہونا بالکل بھی ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

﴿رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝١٦٥﴾ [النساء: ۱۶۵]

«یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ اُن کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابل ہمیں کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہرحال غالب رہنے والا اور حکیم و داناہے»۔

اسی لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب کی حفاظت فرمائی اس بات سے کہ اس میں کوئی جھوٹی بات جیسے کچھ اضافہ یا حذف یا تبدیلی کر دی جائے۔اس کی واضح دلیل یہ فرمان ہے :

﴿وَإِنَّهُۥ لَكِتَـٰبٌ عَزِيزٌ ۝٤١ لَّا يَأْتِيهِ ٱلْبَـٰطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِۦ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ [فصلت: ۴۱-۴۲]

«حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ ہے»۔

اگر قرآن میں کوئی کمی کی گئی ہوتی یا پھر کسی آیت کو کسی دوسری آیت سے بدل دیا گیا ہوتا تو قرآن میں کجی آ جاتی جب کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ عَلَىٰ عَبۡدِهِ ٱلۡكِتَٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَل لَّهُۥ عِوَجَاۜ ۝١﴾ [الکھف: ۱]

«تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہ رکھی»۔

قرآن امت کے لئے ایک منہاج اور احکام شریعت میں اس کے لئے مصدر کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ مُصَدِّقٗا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِۖ فَٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُۖ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ ٱلۡحَقِّ﴾ [المائدۃ: ۴۸]

«پھر ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور اس کتاب سے پہلے جو کچھ موجود ہے اُس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔ لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو»۔

کیا اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ لوگ آ کر امت کے اس طریقے میں تبدیلی کرنے لگ جائیں جسے اللہ نے نبی ﷺ کے وفات کے بعد امت کے لئے شریعت قرار دیا ہے!؟۔

اور چونکہ قرآن تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا ہے:

﴿تَبَارَكَ ٱلَّذِي نَزَّلَ ٱلۡفُرۡقَانَ عَلَىٰ عَبۡدِهِۦ لِيَكُونَ لِلۡعَٰلَمِينَ نَذِيرًا ۝١﴾ [الفرقان: ۱]

«نہایت برکت والی ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تا کہ وہ سارے جہاں کے لئے ڈرانے والا ہو»۔

تو پھر یہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا کیوں کر ہو سکتا ہے اگر اس میں تبدیلی اور تحریف کر دی گئی ہو!!۔ اگر اس کی کسی آیت کو کسی اور آیت کے ساتھ بدل دیا گیا ہوتا تو اللہ تعالی اپنی کتاب کے بارے میں یہ نہ فرماتے:

﴿تِلۡكَ ءَايَٰتُ ٱللَّهِ نَتۡلُوهَا عَلَيۡكَ بِٱلۡحَقِّۗ وَمَا ٱللَّهُ يُرِيدُ ظُلۡمٗا لِّلۡعَٰلَمِينَ ۝١٠٨﴾ [آل عمران: ۱۰۸]

« یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں کیونکہ اللہ نہیں چاہتا کہ وہ جہان والوں پر کچھ ظلم کرے»۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالی ذکر فرما رہے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ ہے سب حق ہے۔ اگر اس میں کچھ کھلواڑ کیا گیا ہوتا تو اللہ تعالی کبھی بھی یہ آیت اور اس سے ملتی جلتی بہت سے دیگر آیات نازل نہ فرماتے۔

چنانچہ قرآن اپنے نزول کی ابتداء سے لے کر ہمارے نبی ﷺ پر نازل ہونے والی آخری آیت تک ویسے کا ویسے ہی ہے۔

نبی ﷺ کے لئے قرآن کو جمع کرنے والا خود اللہ سبحانہ و تعالی ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُۥ وَقُرْءَانَهُۥ ﴿١٧﴾﴾ [القیامۃ: ۱۷]

« اِس کو یاد کرا دینا اور پڑھوادینا ہمارے ذمہ ہے»۔

چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص چاہے وہ کوئی بھی ہو آ کر قرآن میں تبدیلی کرنے لگ جائے۔ کیونکہ حق سے انحرف کرنے کے لئے والوں کے لئے اللہ کا یہ ناقابل تردید فرمان ہے کہ :

﴿وَٱتْلُ مَآ أُوحِىَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَـٰتِهِۦ﴾ [الکھف: ۲۷]

«(اے نبی!) تمہارے رب کی کتاب میں سے جو کچھ تم پر وحی کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں) سنادو، کوئی اُس کے فرمودات کو بدل دینے کا مجاز نہیں ہے»۔

چنانچہ قرآن بذات خود ہر اعتبار سے، اس میں دی گئی خبروں اور ہر زمان و مکان کے لئے موزوں احکام کے لحاظ سے ایک معجزانہ کتاب ہے جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کے ساتھ چلتی ہے۔ اس میں نہ تو کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ ہی مومن لوگ اس سے اکتاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے :

﴿ٱللَّهُ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ ٱلْكِتَـٰبَ بِٱلْحَقِّ وَٱلْمِيزَانَ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ ٱلسَّاعَةَ قَرِيبٌ ﴿١٧﴾﴾ [الشوری: ۱۷]

«وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے اور تمہیں کیا خبر، شاید کہ قیامت کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو»۔

ایک شیعہ عالم جو الطبطبائی کے نام سے معروف ہیں اپنی تفسیر المیزان میں آیت میں مذکور لفظ "المیزان" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "میزان وہ شے ہے جس سے اشیاء کا وزن اور مقدار معلوم کی جاتی ہے، آیت کے آخری حصے کی رو سے اس سے مراد وہ دین ہے جو(اللہ کی) کتاب میں موجود ہے بایں طور کہ اس پر ہی عقائد و اعمال کا وزن کیا جاتا ہے اور روزِ قیامت اسی کی بنا پر حساب کیا جائے اور

اسی کی رو سے جزاء دی جائے گی۔ چنانچہ میزان سے مراد اپنے اصول و فروع سمیت دین ہے۔ اس بات کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِٱلۡبَيِّنَٰتِ وَأَنزَلۡنَا مَعَهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡمِيزَانَ لِيَقُومَ ٱلنَّاسُ بِٱلۡقِسۡطِ﴾ [الحدید: ۲۵]

«ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں»۔

قرآن پاک کی اس طور حفاظت کہ اس میں کچھ تحریف نہ ہو سکے اس کے بارے میں قرآن پاک کے واضح دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قرآن کو نبی ﷺ کے دل میں جاگزیں فرمایا جنہوں نے اس قرآن کو ایک حکیم و علیم ذات سے وصول کیا:

﴿وَإِنَّهُۥ لَتَنزِيلُ رَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝١٩٢ نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلۡأَمِينُ ۝١٩٣ عَلَىٰ قَلۡبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلۡمُنذِرِينَ ۝١٩٤ بِلِسَانٍ عَرَبِيّٖ مُّبِينٖ ۝١٩٥ وَإِنَّهُۥ لَفِي زُبُرِ ٱلۡأَوَّلِينَ ۝١٩٦﴾ [الشعراء: ۱۹۲-۱۹۶]

«یہ رب العالمین کی نازل کردہ ہے۔ روحِ امین اسے لے کر تمہارے پاس آئے ہیں تاکہ تو اُن لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق خدا کو) متنبّہ کرنے والے ہیں، صاف صاف عربی زبان میں اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے»۔

پھر آپ ﷺ کے صحابہ اور ان کے بعد آنے والے مومنین نے اسے لیا اور سینہ در سینہ یہ لاکھوں انسانوں میں منتقل ہوتا گیا جیسا کہ اب وہ مشرق و مغرب میں موجود ہے اور اس میں تحریف نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ ان لوگوں نے باتفاق امت اسلامیہ نبی ﷺ سے منقول اس کی تمام معلوم و معروف قراءتوں کے ساتھ اسے صحیح اور غیر منقطع تواتر کے ذریعے بالکل ویسے ہی خالص و صاف ستھرا نقل کیا ہے جیسے انہوں نے نبی امت ﷺ سے لیا تھا۔اس کی دلیل یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتۡلُواْ مِن قَبۡلِهِۦ مِن كِتَٰبٖ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَۖ إِذٗا لَّٱرۡتَابَ ٱلۡمُبۡطِلُونَ ۝٤٨ بَلۡ هُوَ ءَايَٰتُۢ بَيِّنَٰتٞ فِي صُدُورِ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَۚ وَمَا يَجۡحَدُ بِـَٔايَٰتِنَآ إِلَّا ٱلظَّٰلِمُونَ ۝٤٩﴾ [العنکبوت: ۴۸-۴۹]

«(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔ دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے، اور ہماری آیات کا صرف ظالم لوگ ہی انکار کرتے ہیں»۔

چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص قرآنی آیات میں سے کسی آیت میں ایک لفظ یا ایک حرف کا بھی اضافہ کرے گا تو اس کی تحریف کا پول کھل جائے گا، پھر اس زمانے کے بارے میں کیا خیال ہے جو خیرالقرون تھا!؟۔ یعنی نبی ﷺ، آپ ﷺ کے متقی صحابہ اور ان کے بعد آنے والے نیکو کار تابعین کا زمانہ اور ان کے بعد کے زمانے۔ اگر کسی بھی زمانے میں تحریف یا تبدیلی ہوئی ہوتی تو واضح اور عیاں ہو گئی ہوتی۔

قرآن کریم کے کسی بھی تحریف یا کھلواڑ سے محفوظ ہونے کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے ایک ہی دفعہ میں نازل نہیں فرمایا جیسا کہ توریت اور انجیل نازل ہوئی تھیں۔ بلکہ اللہ تعالی نے اس کی آیات کو آہستہ آہستہ تئیس سال کی مدت میں نازل کیا جو کہ خاتم الانبیاء و الرسل کی مدت رسالت ہے تاکہ یہ ان واقعات کے ساتھ سہجے سہجے مومنین کے سینوں میں راسخ ہوتا جائے جو نبی امت ﷺ کو پیش آ رہے تھے۔ یوں یہ آیات اللہ کی طرف سے مقدر کردہ واقعات و حالات کے ساتھ ساتھ ذہنوں اور دلوں میں راسخ ہو گئیں اور بیٹھ گئیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کی بہت سی آیات کے اسبابِ نزول ہیں۔ یہ بھی قرآن کی حفاظت اور اسے پختہ کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے ۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقُرۡءَانًا فَرَقۡنَٰهُ لِتَقۡرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكۡثٖ وَنَزَّلۡنَٰهُ تَنزِيلٗا ١٠٦﴾ [الإسراء: ۱۰۶]

«اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سناؤ، اور اسے ہم نے (موقع موقع سے) تدریج اتارا ہے»۔

اسی طرح ہم سب یہ بھی جانتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اس شے کی اتباع کا حکم ہے جو آپ ﷺ پر وحی کی جائے۔ نبی ﷺ اس پر سب سے پہلے خود عمل پیرا ہوتے ہیں اور پھر اپنی امت تک قرآن پہنچاتے ہیں اور ان کو اس کی اتباع کا حکم دیتے ہیں اور ہمیں قرآن اسی طرح سے سکھاتے ہیں جس طرح سے اللہ نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے اور اپنی طرف سے قرآن میں کوئی شے آگے پیچھے نہیں کرتے۔ اس کی واضح دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿وَإِذَا تُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡ ءَايَاتُنَا بَيِّنَٰتٖ قَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرۡجُونَ لِقَآءَنَا ٱئۡتِ بِقُرۡءَانٍ غَيۡرِ هَٰذَآ أَوۡ بَدِّلۡهُۚ قُلۡ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلۡقَآيِٕ نَفۡسِيٓۖ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ ١٥﴾ [یونس: ۱۵]

«جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سُنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ: اِس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ اے محمدؐ! ان سے کہو: میرا یہ کا من ہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبّدل کر لوں، میں تو بس اُس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے»۔

کیا اس سب کے بعد بھی ہم یہ مان لیں اور تصدیق کر دیں کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کوئی شخص آ کر قرآن کے ساتھ کھلواڑ کر سکتا ہے اور اس طرح اللہ کی قدرت اور اس کی کتابِ عظیم کی ہیبت کو چیلنج کر سکتا ہے!!؟۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی اہل کتاب کو ان کی کتابوں میں تحریف ہو چکنے کے بعد قرآن کی خوشخبری دیں اور ان کو اس کی اتباع کا حکم دیں اور پھر کوئی شخص آ کر قرآن میں تحریف کرنے لگ جائے جب کہ اللہ تعالی نے اپنے اس سچے فرمان کے ذریعے ان کو یہ **اطمینان** دلایا تھا کہ:

﴿يَـٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَـٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ كَثِيرٗا مِّمَّا كُنتُمۡ تُخۡفُونَ مِنَ ٱلۡكِتَـٰبِ وَيَعۡفُواْ عَن كَثِيرٖۚ قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَـٰبٞ مُّبِينٞ ﴿١٥﴾ يَهۡدِي بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضۡوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَـٰمِ وَيُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَـٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذۡنِهِۦ وَيَهۡدِيهِمۡ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ ﴿١٦﴾﴾ [المائدة: ۱۵-۱۶]

«اے اہل کتاب! ہمارا رسول تمہارے پاس آ گیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی اُن باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے، اور بہت سی باتوں سے در گزر بھی کر جاتا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہےاور اپنے اذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی راہنمائی کرتا ہے»۔

چنانچہ قرآن ہمیشہ باقی رہنے والے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے اور یہ تمام نازل شدہ کتابوں میں سے افضل ترین کتاب ہے۔ اس کی امتیازی خصوصیت اس کا محفوظ رہنا ہے جو کہ دیگر کتابوں میں نہیں ہے۔ اگر اس میں تحریف ہو جاتی تو اسلام مٹ جاتا اور اس کا نور بجھ جاتا جب کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِـُٔواْ نُورَ ٱللَّهِ بِأَفْوَٰهِهِمْ وَيَأْبَى ٱللَّهُ إِلَّآ أَن يُتِمَّ نُورَهُۥ وَلَوْ كَرِهَ ٱلْكَٰفِرُونَ ۝٣٢﴾ [التوبة: ۳۲]

«یہ لوگ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کررہے گا خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو»۔

کیونکہ قرآن ہی اسلام کا سب سے اولین مصدر ہے جو تمام ادیان میں سب سے زیادہ عرصہ تک باقی رہے گا کیونکہ وہ سب سے آخر میں آنے والا ہے۔

سوال:اس شخص کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ قرآن تحریف شدہ ہے یا س میں تبدیلی اور تغیر ہوا ہے؟ اس سوال کا روئے سخن علماء اہلسنت اور علماء شیعہ کی طرف ہے۔

جواب: ہم دیکھتے ہیں کہ اگلے پچھلے سب علماء اہل سنت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ جو شخص قرآن کے محفوظ ہونے میں شک کرتا ہے کہ اس میں کچھ تحریف ہوئی ہے یا اس کے ساتھ کچھ کھلواڑ ہوا ہے اور یہ کہ وہ اس طرح سے نہیں ہے جس طرح نازل کیا گیا تھا یا پھر قرآن کے کسی ایسے ایک حرف میں ہی شک کرتا ہے جو بالاجماع متفق علیہ ہے تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے اور اس بات کی مخالفت کرنے والا ہے جس پر اس مبارک امت کا اجماع ہو چکا ہے بلکہ جو شخص ایسے شخص کو کافر نہیں گردانتا ہے جو قرآن میں تحریف کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ تحریف کا عقیدہ رکھنے والے کا کفر بنا کسی شک کے واضح ہو چکا ہے ۔ وہ شخص قرآن کی ایسی کھلی آیات کی تکذیب کرنے والا ہے جن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے قرآن میں صراحت کے ساتھ اٹھائی ہے۔ ایسے شخص کو نہ تو غسل دیا جائے، نہ کفن پہنایا جائے، نہ ہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے ۔ بلکہ اس سے اظہارِ براءت کر کے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جائے ۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: "مسلمانوں کا اجماع ہے کہ زمین کے تمام علاقوں میں پڑھا جانے والا قرآن جو مسلمانوں کے ہاتھوں مصحف میں لکھا ہوا ہے اور جو اس کے دونوں اطراف کے مابین ﴿ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝٢﴾ [الفاتحة: ۲]سے لے کر ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ ٱلنَّاسِ ۝١﴾ [الناس: ۱] کے آخر تک موجود ہے وہ سب اللہ کا کلام اور اس کی وہ وحی ہے جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل کی گئی اور یہ کہ اس کی ہر شے حق ہے۔ جس شخص نے اس میں سے بالارادہ ایک حرف بھی کم کیا یاپھر اسے کسی اور حرف سے بدل دیا یا اس میں کسی ایسے حرف کا عمدا اضافہ کیا جو اس مصحف میں موجود نہیں تھا

جس پر اجماع منقعد ہو چکا اور اس بات پر بھی اتفاق ہو چکا کہ وہ حرف قرآن میں سے نہیں ہے، وہ شخص کافر ہے"[1]۔

ابن قدامہ کتاب لمعۃ الاعتقاد میں لکھتے ہیں: "مسلمانوں کے مابین اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص قرآن کی کسی سورت یا آیت یا لفظ یا متفق علیہ حرف کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے"۔

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں: "قرآن میں نہ تو کوئی تغیر کیا گیا اور نہ کوئی تبدیلی اور نہ اس میں سے کوئی شے کم کی گئی اور نہ ہی کوئی شے زیادہ کی گئی بخلاف روافض کے جن کا یہ کہنا ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدل اور اس کے نظم و ترتیب میں فرق پیدا کر دیا گیا"۔

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں: "قرآن کو صحابہ کی موجودگی میں جمع کیا گیا اور اس پر ان کا اجماع منعقد ہو گیا، کسی انکار کرنے والے نے انکار نہ کیا اور صحابہ میں سے نہ تو کسی نے اسے رد کیا اور نہ ہی اس پر اعتراض اٹھایا۔ اگر یہ تغیر و تبدل شدہ ہوتا تولازما تو صحابہ میں سے کسی نہ کسی صحابی سے اعتراض ضرور نقل کیا جاتاکیونکہ اس طرح کی بات عام طور پر چھپی نہیں رہتی۔ اور اس لئے بھی کہ اگر قرآن تغیر و تبدل شدہ ہوتا تو علی رضی اللہ عنہ پر واجب ہوتا کہ وہ اس کو بیان کرتے اور اس کی اصلاح کرتے اور لوگوں کے سامنے کھلے طور پر وضاحت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بات کی اصلاح کر دی ہے جس میں تغیر کیا گیا تھا۔ جب علی رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ وہ اسے پڑھا کرتے تھے اور استعمال کیا کرتے تھے تو یہ بات نشاندہی کرتی ہے کہ وہ غیر مبدل و غیر مغیر ہے"۔[2]

قائمہ کمیٹی برائے علمی تحقیقات و افتاء، سعودیہ سے ایک فتوی صادر ہوا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ: قرآن غیر محفوظ ہے یا اس میں کچھ تحریف یا کمی ہوئی ہے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ اسے توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اگر توبہ کر لے تو ٹھیک وگرنہ مرتد ہونے کی بنا پر حاکم پر اس کا قتل کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کی یہ بات اللہ تعالی کے اس فرمان سے متصادم ہے کہ:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر: ۹]

«ہم نے ہی اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں»۔

1۔ قاضی عیاض، الشفا فی بیان حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۳۰۴/۲

2۔ المعتمد فی اصول الدین: ص: ۲۵۸

اور اس کا یہ قول قرآن کے محفوظ و سالم ہونے کے بارے میں امت کے اجماع سے بھی متصادم ہے۔[1]

علماءِ ازہر یونیورسٹی نے ایک اجتماعی بیان جاری کیا ہے جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ سلفِ صالحین اور ان کے بعد آنے والے سب علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص قرآن میں تحریف کا قائل ہے وہ کافر ہے۔

اہلسنت نے اس بارے میں کئی انواع کی صریح اور بالکل واضح تحریریں لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تذکرہ تو وہ کتبِ فقہ میں ارتداد کے ابواب میں کرتے ہیں اور اس مسئلے کا حکم بیان کرتے ہیں، کچھ کا ذکر زنادقہ، ملحدین اور دیگر منحرف گروہوں کے رد میں ہوتا ہے اور کچھ کا ذکر عقائد کی کتابوں میں قرآن کریم کی منزلت بیان کرنے کے دوران کیا جاتا ہے۔

تمام اہل سنت علماء جب اس شخص کے کفر پر فتوی دیتے ہیں جو قرآن میں شک کرتا ہے تو وہ اس لئے کہ وہ قرآن عظیم کی تحریف، تبدیلی و تغیر اوراس کے کسی بھی طرح کی کمی بیشی سے محفوظ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی بات کرنا اللہ کے کلام اور اس کے اس وعدے میں طعن کے مترادف ہے جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا ٱلذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ۝٩﴾ [الحجر: ۹]

اور اسی طرح یہ گمان رکھنا کہ صحابہ یا ان میں سے کچھ لوگ قرآن کو اکٹھا کرنے میں اس کے ساتھ کھلواڑ کرتے رہے اور یوں انہوں نے اس میں کمی اور تبدیلی کردی، یہ اللہ اور اس کی قدرت اور اس کے رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ میں طعن ہے جن کے ساتھ آپ ﷺ ہم نشیں ہوا کرتے تھے، جن کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی زندگی گزاری، ان کی تربیت کی، انہیں تعلیم دی اور انہوں نے اپنے جان و مال کے ساتھ آپ ﷺ کی ہم رکابی میں قتال کیا اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے لائے ہوئے پیام (کو آگے پہچانے) کی ذمہ داری اٹھائی۔ اس کی دلیل نبی ﷺ کے زندگی میں ہونے والی فتوحات ہیں جو آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ حاصل کیں اور جن کا دائرہ آپ ﷺ کے وفات کے بعد اور وسیع ہو گیا۔

1۔ فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث و الإفتاء بالسعودية: ج: ۴، ص: ۸، نمبر: ۶۱۳۷

اس سب کے بعد شیعہ لوگ رسول اللہﷺ کی اس دوڑ دھوپ کی کس طرح سے تفسیر کریں گے جو آپﷺ لوگوں کو راہ راست دکھلانے اور ان کی تالیفِ قلبی کے لئے کیا کرتے تھے تا کہ وہ باہم بھائی بھائی بن جائیں جب کہ (دوسر طرف بقول شیعہ حضرات)آپﷺ اپنے گرد موجود افراد میں سے ایک مختصر صالح گروہ کے انتخاب میں بھی قاصر رہے!؟۔ اگر کوئی شیعہ بلا استثناء اہلسنت عوام میں سے کسی بھی چھوٹے بڑے شخص سے پوچھے کہ: تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو قرآن کے پورا ہونے میں شک کرتا ہے؟ تو وہ بنا کسی تردد کے جواب دے گا کہ: جو شخص قرآن کریم کے محفوظ ہونے میں شک کرتا ہے وہ کافر ہے، اس کا کفر واضح ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

اب ہم گزشتہ سوال تمام علمائے شیعہ سے کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ:

سوال: اس شخص کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے کہ قرآن تحریف شدہ ہے یا اس میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے؟

جواب: نہیں، شیعہ علماء میں سے ہمیں ایک بھی ایسا عالم نہیں ملے گا جو قائلینِ تحریف کی تکفیر کرے۔

ہم پورے شیعہ معاشرے کو کہتے ہیں کہ وہ اپنے علماء کے تمام فتاوی میں خود بحث و تحقیق کریں ۔ انہیں ان میں ایک بھی ایسا عالم نہیں ملے گا جو تحریف کے قائل شخص کے کافر ہونے کا فتوی دیتا ہو اور نہ ہی ان کو اپنے فقہاء کی ایسی تحریریں ملیں گی جو اس شخص کے کفر کا اثبات کرتی ہوں جو قرآن کو نامکمل سمجھتا ہے۔

اگروہ فتوی دینے پر مجبور ہو ہی جائیں تو قائلِ تحریف کے بارے میں بس اتنا کہیں گے کہ اس سے خطاہوئی اور صحیح بات کو پانے کی اسے توفیق نہ مل سکی جو کہ تقیہ ہے۔ کیونکہ ان کا پکا عقیدہ ہے کہ قران تحریف شدہ ہے اور وہ اس طرح سے نہیں جس طرح اللہ نے نازل فرمایا تھا۔ہم شیعہ عوام کو ان کی وہ دعا یاد کراتے ہیں جو "دعائے صنمی قریش" کے نام سے معروف ہے اور جو ان کے عقیدے اور تحریفِ قرآن پر ان کے ایمان کو ثابت کرتی ہے۔ اس دعا میں ہے: "اللهم صلى على محمد وآل محمد. اللهم العن صنمي قريش وجبتيهما وطاغوتيهما وإفكيهما وابنتيهما الذين خالفا أمرك وأنكرا وحيك وعصيا رسولك وقلبا دينك وحرفا كتابك". "اے اللہ! رحمت بھیج محمد پر اور آلِ محمد پر اور اے اللہ! لعنت کر قریش کے دونوں بتوں پر، اور ان کے دونوں

جبتوں پر، ان کے دونوں طاغوتوں پر، ان کے دونوں جھوٹوں پر، ان کی دونوں بیٹیوں پر، جنہوں نے تیرے حکم کی مخالفت کی، تیری وحی کا انکار کیا، تیرے رسول کی نافرمانی کی، تیرے دین کو الٹ پلٹ دیا اور تیری کتاب میں تحریف کی!!"۔

یہ رہا ایک شیعہ محمد صالح المازندرانی جس کا کہنا ہے کہ: "قرآن کے کچھ حصے کا اسقاط اور اس کی تحریف ہماری روایات سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہو جاتا ہے جو کتبِ حدیث میں شروع سے آخر تک غور کرتا ہے"۔[1]

اسی طرح اس بات کے واضح دلائل میں سے کہ ان کا مذہب اس بات قائم ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی ہے اور اس کے ساتھ کھلواڑ ہوا ہے، ان کا یہ دعوی ہے کہ صحیح قرآن امام غائب کے پاس ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ قرآن جو ہمارے سامنے ہے وہ کامل نہیں ۔ ان کی کتابوں میں ایسی صریح عبارتیں ہیں جو صحابہ پر یہ الزام دھرتی ہیں کہ انہوں نے قرآن کے ساتھ کھلواڑ کیا، اس میں کمی بیشی کی اور اس کی آیات کو حذف کیا۔ (یہ بات کہتے ہوئے) وہ ان تمام صریح آیات سے رو گردانی کر رہے ہوتے ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ قرآن میں نہ تو کوئی تحریف ممکن ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ کھلواڑ ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اس صریح آیت کی بھی اس طرح سے تاویل کر دی جس سے ان کے مذہب کی تایید ہوتی ہے جس میں اللہ تعالی نے اپنے کتاب کو کسی بھی قسم کی تحریف سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ۝٩﴾۔ ان کے خیال میں یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ اللہ تعالی نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے بلکہ ان تمام کے ہاں اس سلسلے میں یہ آیت خاموش ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں قرآن کی حفاظت سے مراد امام مہدی کے پاس محفوظ رہنا ہے ۔ اس سلسلے میں ان کی اہم بنیادی کتابوں میں روایات موجود ہیں۔

چنانچہ ان کی طرف سے اس شخص کی تکفیر نہ کرنا جو قرآن کے بارے میں یہ بدترین عقیدہ رکھتا ہے ان کی حقیقت ثابت کرنے کے لئے کافی دلیل ہے۔ عنقریب ہم شیعہ کی اپنی کتابوں سے ایسے واضح اور ناقابل تردید دلائل لائیں گے جو ان کے اس جرم (یعنی قرآن کو تحریف شدہ اور ناتمام ماننا۔ العیاذ باللہ۔) کو ثابت کریں گے۔

---

1. شرح جامع الكافي، لمحمد المازندراني، ج: ۱۱، ص: ۷۶

ممکن ہے کوئی شخص یہ پوچھے کہ: کیا وجہ ہے کہ متاخرین شیعہ علماء اور سرکردہ لوگ اپنے متقدمین علماء کی طرف سے بیان کئے گئے قرآن کے بارے میں عقائد کو کھلم کھلا بیان نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عقیدے کو اس صریح باطل بنیاد پر استوار کیا تھا؟

جواب: اس کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اول: ان کی پہلی نسل کے لوگوں نے جو شیعہ مذہب کے اولین بانی تھے، اپنی کتابوں کو ایسی صریح مفہوم کی حامل روایات سے بھر دیا ہے جو یہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام نے قرآن کو جمع کرتے ہوئے اس کے ساتھ کھلواڑ کیا اور یہ کہ قرآن پورا نہیں ہے۔وہ خلفاء اور صحابہ کو الزام دیتے ہیں کہ انہوں نے ان آیات کو حذف کر دیا جن میں اہلِ بیت اور خاص طور پر علی بن ابی طالب کے فضائل اور ان کی امامت کا بیان تھا اور انہوں نے قرآن میں ذکر کردہ مہاجرین و انصار کے عیوب کو چھپا دیا جن کو شیعہ لوگ منافق شمار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام میں صرف ایک سازش کے تحت داخل ہوئے تھے جیسا کہ ان کی مشہور کتبِ تفسیر و حدیث میں ان کے بڑے علماء نے صراحت کی ہے۔ اس وجہ سے متاخرین شیعہ علماء کسی ایسے شخص کے بارے میں کفر کا فتوی صادر نہیں کر سکتے جو تحریف کا قائل ہو چاہے ایسا ازراہِ تقیہ ہی کیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے وہ تحریف کے قائل افراد کی تکفیر کر بیٹھیں گے جو ان کے قدماء بانیانِ مذہب میں سے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اس طرح سے تو ان کے سارے مذہب کی عمارت ہی گر جائے گی۔

شیعہ مذہب کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر علماء شیعہ سوائے اس کے جس نے تقیہ کرتے ہوئے خود کو مخفی رکھا ہو، اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو ثقل اصغر (اہل بیت) میں طعن کرتا ہے جب کہ ثقل اکبر (قرآن کریم) میں طعن کرنے والے کی تکفیر نہیں کرتے۔یا پھر ان کے ہاں قرآن کریم میں طعن کرنا جائز ہے اور اہل بیت میں طعن کرنا جائز نہیں !!؟۔

دوم: متاخرین شیعہ علماء کو تحریف والی بات کے خطرے کا ادراک ہو گیا کیونکہ یہ بات ہی بہت بدنما ہے۔ اوراس وجہ سے بھی کہ یہ ان کے عوام اور ان کے مخالفین میں ان کے دین کی اصل کے بارے میں شک پیدا کرتی ہے۔ اپنی عوام کی امہات کتب(خاص طور پر جو بہت زیادہ اجزاء میں ہیں) سے ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے بظاہر تو تحریفِ قرآن کا انکار کیا تاہم باطنی طور پر اس کے قائل رہے۔ چنانچہ وہ مکرو فریب کے اس پردے میں آ گئے جس کو شیعہ کی لغت میں تقیہ کا نام دیا جاتاہے۔

سوم: سب لوگ حتی کہ شیعہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کو صحابہ کرام نے جمع کیا جن میں سب سے پہلے ابوبکر، عمر عثمان اور نبی ﷺ کے صحابہ میں کچھ دیگر افراد آتے ہیں۔ بانیانِ مذہب شیعہ کی کتابوں اور ان کی روایات کی رو سے یہ سب مرتد ہیں جنہوں نے اسلام کو صرف اس لئے قبول کیا تھا تاکہ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف سازش کر سکیں اور یہ کہ انہوں نے قرآن کو جمع کرتے ہوئے اس سے کھلواڑ کیا اور اس میں تبدیلی کی۔ چنانچہ اس طرح کے لوگوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ان کو کتاب اللہ کی حفاظت اور تدوین کی امانت کس طرح سونپی جا سکتی ہے۔چنانچہ یہ کہنے میں کہ قرآن محفوظ ہے اور ویسےہی ہے جیسے اللہ نے اسے نازل کیا تھا، ان خلفاء اور صحابہ کی ستائش ہے جنہوں نے اسے جمع کیا۔

شیعہ کے علامہ یوسف البحرانی اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے کہتےہیں: "مجھے میری زندگی کی قسم! تبدیلی نہ ہونے کے قائل ہونے میں ائمہِ ظلم کے بارے میں حسن ظن پایا جاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے امانتِ کبری میں کوئی خیانت نہیں کی۔ حالانکہ ایک دوسری امانت میں ان کی خیانت بالکل واضح ہے جس کا دین کے لئے ضرر اس سے بھی شدید تر ہے"۔ علامہ صاحب کی مراد یہ ہے کہ عدمِ تحریف کا قول ابوبکر، عمر اور عثمان کے بارے میں حسنِ ظن سے خالی نہیں اور اس سے یوں لگتا ہے کہ انہوں نے قرآن اور امامت کے معاملات میں کوئی خیانت نہیں کی۔(1)

خمینی کا کہنا ہے: "ان کے لئے-یعنی صحابہ کے لئے- یہ بہت آسان تھا کہ وہ ان آیات کو قرآن سے نکال دیں،آسمانی کتاب میں تحریف کریں، قرآن پر پردہ ڈالیں اور دنیا کی آنکھوں سے اسے چھپا دیں۔ تحریف کا جو الزام مسلمان یہود و نصاری پر لگاتے ہیں وہ صحابہ پر بھی لگتا ہے"۔(2)

چہارم: چونکہ قرآن کریم میں کوئی ایسی نص نہیں ہے جو نبی ﷺ کی وفات کے بعد امت پر امامت کے وجوب کو ثابت کرتی ہو، اس لئے شیعہ لوگ تحریف کی بات کرنے لگ گئے اور انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد اس عقیدے پر رکھ دی۔ اسی نے ان پر دروغ گوئی کا دروازہ کھول دیا اور عام لوگوں کے لئے اسےماننا آسان بنا دیا۔ائمہ شیعہ جن کے پیش رو آیت اللہ خمینی ہیں، اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ امامت سے متعلق قرآ ن میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ عقیدہ عقلی کی ایجاد

1۔ یوسف البحراني في الدرر النجفية، ص: ۲۹۸

2۔ كشف الأسرار للخميني، ترجمة الدكتور محمد البداري،ص: ۱۱۴

ہے۔ چنانچہ خمینی اپنی کتاب کشف الاسرار میں لکھتے ہیں: "عقل، اللہ کا وہ مقرب پیامبر ہے جو انسان کے لئے ایک بیدار آنکھ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بغیر وہ کسی بھی شے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یا تو یہ کہے گی کہ: اللہ اور اس کے رسول کے وجود کی کوئی ضرورت نہیں اور بہتر یہ ہے کہ عقل کی روشنی میں تصرف کیا جائے یا پھر یوں کہے گی کہ: اسلام میں امامت ایک تسلیم شدہ امر ہے جس کا اللہ نے خود حکم دیا ہے خواہ اس کا بیان قرآن میں آیا ہو یا نہ آیا ہو"۔(1)

بلکہ خمینی کشف الاسرار میں علیحدہ طور پر ایک بڑا عنوان قائم کرتا ہے جس کی عبارت یہ ہے: "قرآن نے امام کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیوں نہیں کیا؟"۔ پھر اس سوال کا جواب اپنے ان الفاظ کے ساتھ خود ہی دیتاہے کہ: "زیادہ بہتر ہوتا اگراللہ کسی ایسی آیت کو نازل کر دیتے جو اس بات کی تاکید کرتی کہ نبی ﷺ کے بعد علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد ائمہ ہوں گے۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے اس مسئلہ میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا"۔ اپنی اس بات کے ذریعے خمینی دراصل اللہ پر دلیر ہو رہا ہے اور اللہ کو تعلیم دے کر تصحیح کرنا چاہ رہا ہے۔ پاک ہے اللہ کی ذات ان باتوں سے جو وہ بیان کرتےہیں اور جو وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں۔ اپنی اس بات سے خمینی خود اپنے ہی اس دعوے کی مخالفت کرتا ہے جس میں اس نے صحابہ پر ان آیات کو حذف کرنے کا الزام لگایا تھا جو علی بن ابی طالب اور ان کے اولاد سے متعلق تھیں۔

چنانچہ امامت تب تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک اس بات کو مان لیں کہ قرآن کی ان آیات میں حذف ہو ا ہے جو اہلِ بیت اور ان کی امامت سے متعلق تھیں!۔ محسن کاشانی جو شیعہ کے محدث و محقق ہیں اپنی تفسیر صافی میں کہتے ہیں: " کہنے والے کےلئے میرا یہ کہنا ہے کہ : جیساکہ مومنین کی طرف سے قرآن کو نقل کرنے اور اس کی حفاظت کے محرکات پائے جاتے تھے اسی طرح ان منافقین کی طرف سے اس میں تغییر کے محرکات بھی پائے جاتے تھے جنہوں نے وصیت کو بدلا اور خلافت میں تغیر کیا۔ کیونکہ قرآن میں وہ باتیں تھیں جو ان کی رائے اور منشا کے خلاف تھیں"۔(2)

اسی طرح ہاشم البحرانی البرہان فی تفسیر القرآن میں کہتے ہیں: "احادیث کے تتبع اور آثار کے بغور مطالعے کے بعد میرے نزدیک اس بات کی صحت واضح ہے کہ قرآن میں تحریف ہوئی اور وہ ویسے

---

1. كشف الأسرار للخميني، ترجمة الدكتور محمد البداري، ص: ۱۱۴
2. محسن الكاشاني، تفسير الصافي، ج: ۱، ص: ۳۵-۳۷

نہیں ہے جیسے نازل کیا گیا تھا اور اسے مذہبِ شیعہ کے ضروری امور میں سے قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ کہ غصبِ خلافت کے خرابیوں میں سے یہ سب سے بڑی خرابی ہے۔ ذرا غور کریں"۔[1] چنانچہ اگر قرآن پورا ہو اور تحریف شدہ نہ ہو تو اس صورت میں کوئی بھی شیعہ عالم قرآن کی ایک بھی واضح اور صریح آیت نہیں لا سکے گا جو امامت کی اہمیت اور اس کے وجوب کو بیان کرتی ہو اور یوں ہر شیعہ پر حق بات عیاں ہو جائے گی۔

علماء شیعہ کو جب اپنے ہی علماء کی لکھی ہوئی تحریفِ قرآن کی اس شرمناک بات سے خلاصی کا کوئی راستہ نہ ملا تو وہ جان گئے کہ اس تنگ نائے سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ اہلسنت پر اس کفر کا الزام دھر دیا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عوام کو دھوکا دیتے ہیں اورقرآن کو تحریف سے متہم کرنے والی کوئی روایت جو صرف اور صرف ان کی کتابوں میں آئی ہوتی ہے اسے اہلسنت کی کتابوں کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ روایت اہلسنت اور شیعہ دونوں کے ہاں موجود ہے۔ حالانکہ وہ کذب بیانی اور بہتان و جھوٹ سے کام لے رہے ہوتے ہیں۔جیسا کہ ان کے شیخ یحیی البحرانی اور الکرکی کے تلمیذ کا کہنا ہے کہ: "خاص و عام تمام اہلِ قبلہ کا اجماع ہے کہ یہ قرآن جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے کامل قرآن نہیں ہے اور یہ کہ اس قرآن میں سے وہ حصہ زائل چکا ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے"۔ [2]

چنانچہ شیعہ عوام کو چاہئے کہ وہ اپنے علماء کی ان خطرناک چرب زبانیوں سے ہوشیار رہیں۔

چونکہ ان کو نہ تو کوئی اہلسنت عالم، طالب علم یا عام آدمی ملا اور نہ کبھی ملے گا جو تحریف کا قائل ہو چنانچہ انہوں نے اہل سنت کے ہاں پائے جانے والے منسوخ آیات،، بظاہر اختلافِ احادیث، اختلافِ قراءات یا ضعیف و شاذ قراءات کو لے لیا جو اہل سنت کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں اور ان کی اس طرح سے جھوٹے اور باطل انداز میں تاویل کی کہ یہ سب کتاب اللہ میں طعن ہے اور ایک قسم کی تحریف ہے۔ کوشش ان کی یہ تھی کہ برابر کا جواب دے کر وہ اہل سنت کی ساکھ خراب کریں۔ا س رویے کی بنیاد متعصبانہ اختلاف ہے۔ نسخِ آیات پر تو خود قرآن دلالت کرتاہے اور سنت نے اس کا

1. هاشم البحراني، في مقدمة البرهان في تفسير القرآن، ص: ۴۹

2۔ فصل الخطاب سے منقول، ص: ۲۳ اور طبرسی نے اس بات کو الکرکی کے شاگرد یحیی بحرانی کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

اثبات کیا ہے۔ نسخ یا تو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے یا اس کے رسول ﷺ کی طرف سے۔ قرآن سے اس کی دلیل یہ آیات ہیں:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾﴾ [البقرة: ۱۰۶]

«ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بُھلا دیتے ہیں، اس کی جگہ اس سے بہتر لے آتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟»۔

اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا۟ إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾﴾ [النحل: ۱۰۱]

«جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ اِن میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں»۔

اور فرمایا:

﴿يَمْحُوا۟ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُۥٓ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ ﴿٣٩﴾﴾ [الرعد: ۳۹]

« اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، ام الکتاب اُسی کے پاس ہے»۔

خود علماء شیعہ نے بعض انواعِ نسخ کا اقرار کیا ہے جن میں نسخِ تلاوت بھی شامل ہے ۔ ہم ان میں سے بعض کو ذکر کرتے ہیں۔

ابو علی الفضل الطبرسی (مصنف کتاب: مجمع البیان فی تفسیر القرآن)۔ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۶ کی تشریح میں انہوں نے نسخ کا ذکر کیا۔

ابو جعفر محمد الطوسی نے جو شیعہ کے ہاں شیخ الطائفہ کے لقب سے معروف ہیں اپنی کتاب "التبیان فی تفسیر القرآن" کے اندر صفحہ نمبر ۱-۱۳ مقدمہ مؤلف میں اور اسی طرح اپنی کتاب "العدۃ فی اصول الفقہ" کی جلد دوم، صفحہ نمبر ۵۱۶ پر نسخ کی انواع کا ذکر کیاہے۔

ان کے علامہ محسن جو الفیض الکاشانی کے لقب سے جانے جاتے ہیں نے جب اپنی تفسیر الصافی میں آیت ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا﴾ کی شرح کی تو نسخِ تلاوت کا اقرار کیا۔

ان کے علامہ باقر مجلسی نے مرآۃ العقول، جلد ۲۳، صفحہ ۲۶۷ پر کتاب الکافی میں موجود آیت رجم کو صحیح قرار دیا اور کہا کہ اس آیت کا شمار ان آیات میں ہوتا ہے جن کی تلاوت تو منسوخ کر دی گئی تاہم حکم باقی رہا۔

حمزہ بن علی بن زہرہ الحلبی (۵۱۱ھ - ۵۸۵ھ) (جو امامیہ شیعہ کی ایک بہت بڑی شخصیت ہیں) نے اپنی کتاب "غنية النزوع إلى علمي الأصول و الفروع" کی جلد ۲ ص: ۳۴۳-۳۴۴ میں نسخ کی تمام انواع بشمول نسخِ تلاوت کو درست قرار دیا۔

المرتضی (جو علم الہدی کے لقب سے جانے جاتے ہیں) نے اپنی کتاب "کتاب الذریعة إلی أصولِ الشریعة" کی جلد ۱، صفحہ نمبر ۴۲۸ پر تمام انواعِ نسخ بشمول نسخِ تلاوت کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح ان کے دیگر علماء بھی نسخ کے قائل ہیں۔

علماء شیعہ کی طرف سے نسخِ تلاوت کے اقرار کے بعد یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ وہ علماء اہلِ سنت پر یہ تہمت لگائیں کہ وہ نسخِ تلاوت کے قائل ہیں اور اس کی بنا پر باطل انداز میں ان کی گرفت کریں۔

شیعہ علماء کے معتمد مصادر سے تحریفِ قرآن کا اثبات جو ان کے ایمان کے خرابی کی دلیل ہے۔

سب نہیں تو اکثر شیعہ عوام کے پاس وہ امہات کتب نہیں ہیں جو ان کے مذہب کو بنیاد فراہم کرتی ہیں خاص طور پر وہ مجلدات اور کثیر اجزاء پر مشتمل کتابیں جو ایسی روایات سے بھری پڑی ہیں جن کی رو سے قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ چونکہ ان کے متاخرین علماء اس خطرناک راز کو اپنی عوام سے مخفی رکھتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ہم شیعہ عوام میں سے ہر انجان شخص کے سامنے حق واضح کریں۔ ہم ان کے معتمد مصادر سے ان کے روبرو کچھ ایسی سازشوں کا ذکر کریں گے جن کو ان کے علماء اور سرکردہ لوگ اپنے عوام سے مخفی رکھتے ہیں۔

وہ علماء شیعہ جو تحریف کے قائل ہیں ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے اور ان سب کے اقوال ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن ہم ان میں سے بعض کے اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفاء کریں گے جو بیانِ حق کے لئے کافی ہیں۔

ابو منصور احمد بن منصور الطبرسی (تاریخ وفات: ۶۲۰ھ)

الطبرسی اپنی کتاب الاحتجاج میں لکھتے ہیں: "اگر میں آپ کے لئے ہر اس شے کی تشریح کرنے لگ جاؤں جسے قرآن سے اسی طرح سے ساقط کر دیا گیا یا اس میں تحریف و رد و بدل کیا گیا تو بات بہت لمبی ہو جائے گی اور اولیاء کی وہ خوبیاں اور دشمنوں کے وہ عیوب ظاہر ہو جائیں گے جن کے اظہار سے تقیہ روکتا ہے"۔[1] یہ ہے قرآن کے بارے میں الطبرسی کا عقیدہ۔ اس نے جس بات کا اظہار کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جسے اس نے مخفی رکھا ہے۔

الطبرسی کا کہنا ہے: "قرآن میں بڑے جرائم کے مرتکب منافقین کے اسماء کا کنایہ کے انداز میں تذکرہ اللہ تعالی کا فعل نہیں بلکہ یہ رد و بدل کرنے والوں کا کیا ہوا ہے۔ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور دین کے عوض میں دنیا حاصل کی"۔[2]

1۔ الاحتجاج للطبرسی، ج: ۱، ص: ۲۵۴

2۔ الاحتجاج للطبرسی، ج: ۱، ص: ۲۴۹

الطبرسی نے سابق الذکر بس انہی باتوں پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنی ہوائے نفس کے مطابق اللہ کی کتاب کی تاویل بھی شروع کر دی اور دعوی کیا کہ قرآن میں ایسے رموز ہیں جن سے منافقین کی عیب کشائی ہوتی ہے۔ان رموز کے معانی کو صرف ائمہِ اہلِ بیت ہی جانتے ہیں۔ اگر صحابہ کو ان کا علم ہوتا تو وہ دیگر نکالی گئی باتوں کے ساتھ ان کو بھی قرآن سے نکال دیتے۔[1]

الفیض الکاشانی (تاریخ وفات: ۱۰۹۱ھ):

تفسیرِ صافی کے مصنف ۔ انہوں نے اپنی کتاب کے بطور تمہید بارہ مقدمات لکھے جن میں سے چھٹے مقدمے کو قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لئے مخصوص کیا اور اس مقدمے کو ان الفاظ کے ساتھ عنوان دیا : "المقدمة السادسة في نبذ مما جاء في جمع القرآن وتحريفه وزيادته ونقصه، وتأويل ذلك" (چھٹا مقدمہ جمع قرآن، اس میں تحریف اور کمی بیشی کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا اس کے اور اس کی تاویل کے بیان میں)۔ ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد جن سے انہوں نے تحریف قرآن پر استدلال کیا ہے اور جن کو انہوں نے اپنے باوثوق ترین اور معتمد مصادر سے نقل کیا ہے وہ اپنی تفسیر میں درج ذیل نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہتے ہیں: "ان اخبار اور اہلِ بیت کے واسطے سے نقل ہونے والی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو قرآن ہمارے درمیان موجود ہے وہ اس طرح سے کامل نہیں ہے جیسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا تھا بلکہ اس میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو اللہ کے نازل کردہ قرآن کے خلاف ہیں اور بعض ایسی ہیں جو تبدیل شدہ اور تحریف زدہ ہیں اور یہ کہ اس میں سے بہت سی اشیاء کو حذف کر دیا گیا جن میں کثیر مقامات پر علی علیہ السلام کا نام، ایک سے زائد مرتبہ آلِ محمد کانام، منافقین کے اسماء اور بہت سی دیگر باتوں کا حذف ہے اور یہ اس ترتیب پر نہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پسندیدہ تھی"۔[2]

اس کے بعد وہ ذکر کرتے ہیں کہ تحریف کا قائل ہونا اثنا عشری شیعہ کے بڑے مشائخ کا عقیدہ ہے۔ کہتے ہیں: "جہاں تک اس بارے میں ہمارے مشائخ کے اعتقاد کا تعلق ہے تو ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب الکلینی کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ وہ قرآن میں تحریف اور کمی واقع ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے"۔[3]

1۔ الاحتجاج للطبرسی، ج:۱، ص: ۲۵۳

2۔ تفسیر الصافی للکاشانی، ج:۱، المقدمۃ السادسۃ، ص: ۴۹

3۔ تفسیر الصافی للکاشانی، ج:۱، المقدمۃ السادسۃ، ص: ۴۹

ان کے شیخ مفید کہتے ہیں:

بعض ظالموں کی طرف سے قرآن میں تبدیلی کرنے اور اس میں حذف و کمی کرنے سے متعلق آل محمد ﷺ میں سے ائمہ ہدایت سے مشہور احادیث مروی ہیں۔[1]

ابو الحسن العاملی کہتے ہیں:

جان لیں کہ آنے والی متواتر روایات اور دیگر اخبار کی رو سے وہ حق بات جس کو ماننے سے کوئی مفر نہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے موجود قرآن میں رسول اللہ ﷺ کے بعد کچھ نہ کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور جن لوگوں نے اسے جمع کیا انہوں نے آپ ﷺ کے بعد اس میں سے بہت سے کلمات اور آیات نکال دیں۔[2]

نعمت اللہ الجزائری کہتے ہیں:

یہ تسلیم کر لینے سے کہ قرآن وحی الٰہی کے ذریعے تواتر کے ساتھ پہنچا اور اس سارے کو روح الامین لے کر نازل ہوئے، نتیجہ نکلتا ہے کہ ان مشہور بلکہ متواتر اخبار کو ایک طرف ڈال دیا جائے جو صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ قرآن میں کلام، مادہ اور اعراب کے لحاظ سے تحریف ہوئی۔ حالانکہ ہمارے اصحاب ان اخبار کی صحت پر متفق ہیں اور سب ان کی تصدیق کرتے ہیں۔[3]

محمد باقر المجلسی:

ہشام بن سالم کی ابوعبداللہ سے روایت کردہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں: "وہ قرآن جسے جبرائیل علیہ السلام محمد ﷺ پر لے کر نازل ہوئے اس کی سترہ ہزار آیات تھیں"۔ اس حدیث کے بارے میں ان کی رائے ہے کہ: یہ حدیث "قابل اعتماد" ہے۔ بعض نسخوں میں ہارون بن سالم کی جگہ "عن ھشام بن سالم" ہے، چنانچہ خبر صحیح ہے۔اس بات میں کچھ خفاء نہیں کہ یہ اور بہت سی صحیح اخبار اس باب میں صریح ہیں کہ قرآن میں کمی اور تبدیلی ہوئی۔[4]

1۔ أوائل المقالات، باب: ۵۹، القول في تاليف القرآن و ما ذكر قوم من الزيادة فيه و النقصان، ص: ۸۱/۸۰

2۔ دیکھیں: مقدمہ دوم از تفسیر: مرآۃ الأنوار و مشکاۃ الأسرار، ص: ۳۶، یہ مقدمہ بحرانی کی تفسیر برہان کے مقدمہ کے طور پر طبع ہوا ہے۔

3۔ الأنوار النعمانية، ج: ۲، ص: ۲۴۶

4. مرآۃ العقول، ج: ۱۲، ص: ۵۲۵

سلطان محمد الخراسانی کہتے ہیں:

"جان لو کہ ائمہ اطہار سے قرآن میں کمی بیشی اور تحریف و تغییر کے بارے میں اس طرح سے مشہور اخبار آئی ہیں کہ کوئی شک نہیں رہتا"۔(1)

بہت بڑے شیعہ عالم عدنان القارونی البحرانی کا کہنا ہے:

(تحریف کے بارے میں) ایسی بہت سی ان گنت اخبار ہیں جو حدِ تواتر سے بھی آگے بڑھی ہوئی ہیں۔(2)

مفسر ہاشم البحرانی کہتے ہیں:

"یہ بات علم میں رہے کہ متواتر اور دیگر اخبار کی رو سے وہ حق بات جس کو ماننے سے کوئی مفر نہیں، یہ ہے کہ ہمارے سامنے موجود قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی بعد کچھ نہ کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور جن لوگوں نے اسے جمع کیا انہوں نے آپ ﷺ کے بعد اس میں سے بہت سے کلمات اور آیات نکال دیں اور وہ قرآن جو ان مذکورہ باتوں سے محفوظ رہا اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن کے موافق ہے اسے صرف علی علیہ السلام نے جمع کیا اور محفوظ رکھا تھا۔ یہاں تک وہ ان کے بیٹے حسن علیہ السلام تک پہنچا او راسی طرح (منتقل ہوتے) امام القائم علیہ السلام تک پہنچ گیا اور وہ آج بھی انہی کے پاس ہے۔ صلوات اللہ علیہ"۔(3)

اسی طرح وہ کہتے ہیں: "احادیث کے تتبع اور آثار کے بغور مطالعے کے بعد میرے نزدیک اس بات (کہ قرآن میں تحریف ہوئی اور وہ ویسے نہیں جیسے نازل کیا گیا تھا) کی صحت اتنی واضح ہے کہ اسے ضروریات مذہب شیعہ میں سے قرار دیا جا سکتاہے اور یہ کہ یہ غصبِ خلافت سے در آنے والے مفاسد میں سے سب سے بڑا ہے۔ ذرا غور کریں"۔(4)

شیعہ عالم طیب موسوی الجزائری (ہم عصر) مسئلہ تحریف کے بارے میں گفتگو کے بعد اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے پیش رو علماء قرآن میں وقوعِ تحریف پر ایمان رکھتے تھے۔طیب موسوی کہتے

1۔ تفسیر بیان السعادة فی مقامات العبادة، ص: ۱۹

2۔ مشارق الشموس الدرية، ص: ۱۲۶

3۔ البرهان في تفسير القرآن، مقدمة، ص: ۳۶

4۔ البرهان فی تفسیر القرآن، مقدمہ، ص: ۴۹

ہیں: " ان کے علاوہ دیگر متقدمین و متاخرین علماء و محدثین کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (قرآن میں) کمی واقع ہونے کے قائل تھے جیسے الکلینی، البرقی، العیاشی، النعمانی، فرات بن ابراہیم، احمد بن ابی طالب الطبرسی مصنف الاحتجاج، المجلسی، السید الجزائری، الحر العاملی، علامہ الفتونی اور السید البحرانی۔ اپنے مذہب کے اثبات کے لئے انہوں نے ایسی آیات اور روایات کا دامن تھاما جن سے چشم پوشی کرنا ممکن نہیں ہے"۔[1]

چنانچہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ جان لیں کہ آپ کے قدیم بانیانِ مذہب کی کتابوں میں موجود روایات صراحت کے ساتھ بیان کرتی ہیں کہ قرآن میں تحریف ہوئی۔ ان روایات کی تعداد تقریبا دو ہزار ہے جن کو حسین نوری الطبرسی نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے ۔ اس کتاب کے عنوان ہی سے واضح ہے کہ وہ تحریف پر ایمان رکھتے تھے۔ کتاب کا عنوان ہے: "فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب"۔ (رب الارباب کی کتاب کے اندر تحریف کے اثبات کے بارے میں فیصلہ کن کلام)۔

یہ طبرسی ایک شیعہ مذہبی شخصیت اور محدث ہیں ۔ یہ ایرانی ہیں اور شیعوں کے ایک بہت بڑے عالم اور ان کی علمی شخصیات میں سے ایک ہے۔یہ ۱۲۴۵ھ میں طبرستان میں پیدا ہوئے۔

مذہب شیعہ کے عقیدہ تحریف کی جس بات سے مزید تاکید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں شیعہ کی تمام کتابوں میں ائمہ کی زبان سے مروی کوئی بھی ایسی شیعہ روایت نہیں ملتی جو قرآن میں تحریف کی نفی کرتی ہو۔

جب کہ بزبانِ ائمہ مروی دو ہزار سے زائد ایسی خودساختہ روایات ہیں جو قرآن پر تحریف کا الزام عائد کرتی ہیں۔

الطبرسی نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں ایسی روایات کے ایک جمِ غفیر کو ذکر کیا ہے جو موجود قرآن میں تحریف کو ثابت کرتی ہیں اور یہ کہ وہ ان کے دعوی کی رو سے کامل نہیں ہے۔

یہ رافضی الطبرسی کتاب فصل الخطاب کے مقدمہ میں کہتا ہے: "یہ ایک لطیف و مکرم کتاب ہے۔ اسے میں نے قرآن میں تحریف اور اہلِ جور و ظلم کی خرابیوں کے عیوب کے اثبات کے لئے لکھا ہے

1۔ تفسیرِ قمی، مقدمۃ المصحح الطیب الموسوی، ج:۱، ص: ۲۳، دار السرور، بیروت۔

اور اس کا عنوان رکھا ہے: فصل الخطاب في إثبات تحريف كتاب رب الأرباب"۔ صفحہ نمبر ۲۱۱ پر وہ کہتا ہے: "قرآن میں تحریف ہونے کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے کچھ قطعات نصوص اتنے فصیح ہیں کہ حدِ اعجاز کو پہنچے ہوئے ہیں جب کہ دوسرے پھسپھسے اور کمزور سے ہیں"۔

چنانچہ شیعہ لوگوں پر واجب ہے کہ اگر تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہیں تو اس الطبرسی سے اظہارِ براءت کریں جو اللہ کی کتاب پر تحریف کا عیب لگاتا ہے اور اس کی بعض آیات کو پھسپھسا بتاتا ہے اوراس کینہ پرور شخص، اس کے متبعین اور ان علماء کی حقیقت سے آگاہ ہوں جنہوں نے اسے سراہا اور اس حد تک اس سے راضی ہوئے کہ اسے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی مبینہ قبر کے جوار میں دفن کردیا۔

طبرسی کا اس بات سے آخر کیا مقصد ہے کہ اسے کچھ آیات پھسپھسی معلوم ہوئی ہیں؟۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ کچھ آیات انسانوں کی وضع کردہ ہیں جنہیں صحابہ نے لکھا اور قرآن کو جمع کرتے ہوئے انہیں اس کی آیات میں شامل کردیا؟ یا پھر الطبرسی اس حد تک جراءت رکھتا ہے کہ وہ قرآن کی بعض آیات کو پھسپھسا کہہ ڈالے؟ ہم اس کا جواب شیعہ عوام پر چھوڑتے ہیں۔

شیعہ میں سے اگر کسی کو یہ کتاب یعنی "فصل الخطاب" حاصل ہو جائے تو اچھی بات ہو گی۔ میرے خیال میں تو ان کے لئے یہ مشکل ہے۔ کیونکہ شیعہ لوگوں کو ان کے مذہب کی ان بنیادی کتابوں سے دور ہی رکھا جاتا ہے جن سے ان کے علماء اور سرکردہ لوگ اپنا علم حاصل کرتے ہیں۔ یہ کتابیں ان کے علماء اور دوسرے سرکردہ لوگوں کے لئے خاص ہوتی ہیں اور عوام کو وہ ان تک رسائی نہیں دیتے۔ان کا معاملہ سنی لوگوں کا سا نہیں ہے جو نہایت آسانی سےاپنی کسی بھی مذہبی یا کسی بھی عالم کی کتاب جب چاہیں فورا حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر پبلک لائبریری میں اہلِ سنت کی معتبر اور مشہور اہم ترین کتابیں موجود ہوتی ہیں۔

اس لئے میں شیعہ عوام جو اپنی امہات کتب کو حاصل نہیں کر سکتے ان کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ انٹرنیٹ کی طرف رجوع کریں اور مشہور بین الاقوامی سرچ انجن گوگل (Google) سے جتنی ہو سکیں اپنی مشہور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں ۔ اس ڈاؤن لوڈنگ کا آغاز وہ حسین طبرسی کی کتاب "فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الأرباب" سے کریں۔ تاکہ وہ اپنی ان سربستہ راز کتابوں

کی حقیقت سے متعلق خود یقین دہانی کر سکیں جو ان کے اُس دین کے علمبرداروں کے مابین مسلسل چلی آ رہی ہیں جس کے دس میں سے نو حصے تقیہ اور اس میں پائی جانی والی رسوا کن باتیں ہیں۔

اسی طرح مشہور ویب سائٹ یو ٹیوب (YouTube) پر ایسی بہت سی ویڈیوز ہیں جن کی طرف ہم شیعہ عوام کو متوجہ کرتے ہیں۔ وہ یو ٹیوب سرچ انجن پر یہ لکھیں : (تحريف القرآن عند الشيعة بأصوات المعممين) اس مفہوم کے قریب تر کوئی اور جملہ لکھیں تا کہ وہ اپنے پگڑی باندھے ہوئے علماء کو قرآن میں تحریف اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے خود دیکھ لیں کہ قرآن کامل نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو رسوا کیا اور ان کا پردہ فاش کیا، وہ ذاتِ باری تعالی جس کا فرمان ہے:

﴿وَٱللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ [البقرة: ۷۲]

« اور اللہ ان باتوں کو نکال باہر کرنے والا ہے جو تم چھپاتے ہو»۔

ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس سے بڑھ کر شیعہ کی ایسی کتابیں بھی ہیں جو تحریف کے اثبات میں لکھی گئی ہیں اور جن کی عناوین سے ہی ان کا یہ عقیدہ واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ مثلا:

۱- کتاب التحریف، جس کے مولف ان کے شیخ اور معتمد احمد بن خالد البرقی ہیں جو کتاب المحاسن کے بھی مصنف ہیں۔

۲- کتاب التنزیل و التعبیر، جس کے مولف ان کے معتمد محمد بن خالد ہیں۔

۳- التنزیل من القرآن و التحریف، جس کے مصنف حسن بن فضال ہیں۔

۴- کتاب التحریف و التبدیل، جس کے مصنف محمد بن الحسن الصیرفی ہیں۔

قرآن میں عدمِ تحریف کے قائل چار اہلِ تشیع علماء کا مسلکی علماء کی طرف سے کا رد

ابتدائی تین صدیاں گزرنے تک تمام علماء شیعہ کا اس بات پر اتفاق تھا کہ وہ قرآن کریم میں تحریف ہوئی ہے یہاں تک کہ محمد بن علی بن بابویہ القمی آیا جس کی وفات ۳۸۱ھ میں ہوئی۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے عدمِ تحریف کی بات کی۔ اس نے یہ بات اپنی کتاب میں کی جو "الاعتقادات" کے نام سے معروف ہے، وہ لکھتا ہے: "ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ جو قرآن اللہ نے اپنے نبی محمدﷺ پر نازل کیا وہ وہی ہے جو (کتاب کے) دونوں پہلوؤں (اطراف) کے مابین ہے۔ یہ وہی ہے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے۔لوگوں کے ہاں اس کی سورتوں کی کل تعداد ایک سو چودہ ہے۔ جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ قرآن اس سے زیادہ ہے وہ شخص جھوٹا ہے"۔

علماء شیعہ میں اس بات کا اکیلا القمی ہی قائل تھا یہاں تک کہ المرتضی آیا جس کی وفات ۴۳۶ھ میں ہوئی۔ اس نے آ کر اس کی رائے کی موافقت کی اور المرتضی کی اس بات کی موافقت ان کے شاگرد ابوجعفر الطوسی متوفی ۴۶۰ھ نے کی۔ الطوسی اپنی کتاب التبیان میں لکھتے ہیں: "باقی رہا وہ کلام جو قرآن میں زیادتی و کمی کے بارے میں ہے تو بظاہر مسلمانوں کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ ہمارے مذہب میں بھی مناسب یہی ہے کہ یہی بات درست ہو، المرتضی نے بھی اسی کی تایید کی ہے"۔[(1)]

یہ تین علماء جو متقدمین علماء شیعہ میں سے تحریف کے قائل نہیں تھے، ان کے طبقے تک کوئی بھی ان کا موافق نہیں ملتا جیسا کہ اس بات کی تصریح خود ان کے علماء نے کی ہے۔ ان تین کے بعد ابو علی الطبرسی آئے جن کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی۔

1۔ التبیان فی تفسیر القرآن للطوسی: ۳/۱

النوری الطبرسی اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں: "جن لوگوں نے بصراحت یہ بات کی ان میں سے ایک ابو علی الطبرسی ہیں جنہوں نے مجمع البیان میں اس کی صراحت کی۔۔"۔ پھر لکھتے ہیں: "ان کے طبقے تک ان چار مشایخ کے علاوہ (دیگر علماء میں) واضح اختلاف پایا جاتا ہے"۔[1]

یہاں ایک سوال سامنے آتا ہے: ان چار علماء نے عدم تحریف کی بات کا اظہار کیوں کیا حالانکہ وہ اس کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے؟ اس سوال کا جواب ہمیں نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب الانوار النعمانیہ میں دیں گے۔ عقیدہ تحریفِ قرآن پر شیعہ امامیہ کے اجماع کو ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: "ہاں، اس بارے میں المرتضی، الصدوق اور شیخ الطبرسی نے اختلاف کیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ مصحف کے دونوں پہلوؤں (اطراف) کے مابین جو کچھ ہے وہی قرآنِ منزل ہے، اس کے سوا کوئی اور شے قرآن نہیں ہے اور اس میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے اس قول کا صدور بہت سے مصالح کی بنا پر ہوا۔ ان میں سے ایک مصلحت ان پر ہونے والے اس اعتراض کا سدِباب تھا کہ اگر قرآن کے بارے میں یہ ممکن ہے تو اس میں تحریف لاحق ہونے کے امکان کے ہوتے ہوئےاس کے قواعد و احکام پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے؟، (تحریف کی بات) کیسے (تسلیم نہ کی جائے) جب کہ ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں ایسی کثیر باتیں نقل کی ہیں جو قرآن میں ان امور کے وقوع کی خبر دیتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ آیت اس طرح سے نازل ہوئی اور بعد ازاں اسے بدل دیا گیا"۔[2]

نعمت اللہ الجزائری کہتے ہیں: "اخبار میں روایت ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعہ کو حکم دیا کہ وہ موجودہ قرآن کو نماز وغیرہ میں پڑھا کریں اور اس کے احکام پر عمل کریں یہاں تک کہ ہمارے مولا صاحب الزماں (امام مہدی) کا ظہور ہو، اور پھر یہ قرآن لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر آسمان کی طرف اٹھ جائے اور وہ قرآن آ جائے جو امیر المومنین علیہ السلام نے تالیف کیا تھا اور پھر اسے پڑھا جائےا ور اس کے احکام پر عمل کیا جائے"۔[3]

1۔ فصل الخطاب: ص: ۳۴

2۔ الأنوار النعمانیۃ لنعمۃ اللہ الجزائري، ج: ۲، ص: ۲۴۶-۲۴۷

3۔ الأنوار النعمانیۃ لنعمۃ اللہ الجزائري: ۲/۲۴۸

متاخرین شیعہ علماء جب تحریف کی نفی سے متعلق اپنے ان چار علماء کی بات سے دلیل پکڑیں تو نعمت اللہ الجزائری کا گزشتہ کلام اور اعتراف ان کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں۔

ہندوستان میں ان کے ایک بہت بڑے عالم احمد سلطان احمد نے پوری صراحت کے ساتھ اس کا اظہار کیا اور کہا کہ: " وہ علمائے شیعہ جنہوں نے قرآن میں تحریف کا انکار کیا ان کے اس انکار کو تقیہ پر محمول کیا جائے گا"۔[1]

ہر عام شیعہ یا عالم اس بات پر ناگواری کا اظہار کرتا ہے کہ ہم ان پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اپنے سابق الذکر چار علماء کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ہم ان مخالفین سے کہتے ہیں کہ: یہ چار بھی قرآن میں تحریف کے قائل ہیں!!۔ یہ چار علماء کیسے قائلینِ تحریف کو اپنے زعماء ٹھہراتے ہیں اور ان پر کچھ اعتراض نہیں کرتے، بلکہ یہ کس طرح اپنی تالیف کردہ کتابوں میں ایسی روایات کو نقل کرتے جاتے ہیں جو تحریف کی تصریح کرتی ہیں؟!! انہوں نے قائلِ تحریف کی تکفیر کیوں نہیں کی؟ یا پھر کم ازکم ان کی طرف سے ان پر کچھ ملامت اور ناگواری کا اظہار ہی ہوا ہوتا!!۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے دل باہم دگر ملے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ یہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ شیعہ علماء اپنے دین کے ساتھ کس قدر کھلواڑ کرتے ہیں اور اپنی پیروکاروں کی عقل کس قدر پامال کرتے ہیں۔

میرا خیا ل ہے کہ ان چار علماء نے تحریف کا انکار صرف اس لئے کیا کہ تحریف کی نفی میں ان کے اقوال کو اس شخص کے سامنے بطور دفاعی اسلحہ پیش کیا جا سکے جو ان سے بحث کرے اور ان کے خلاف اس جرم کو ثابت کرے۔

یہاں ایک سوال پوری طاقت کے ساتھ سامنے آتا ہے اور میں ہر شیعہ سے چاہوں گا کہ وہ اس کا جواب پوری صراحت اور سچائی کے ساتھ دے: کیا قرآن تحریف شدہ ہے یا نہیں ہے؟

اگر آپ کہتے ہیں کہ :قرآن میں تحریف نہیں ہوئی تو یہ کہہ کر آپ بڑے متقدمین علماء شیعہ جو آپ کے ہاں معتمد ہیں اور جن کا ابھی ابھی ذکر گزرا ہے اور جو قائلینِ تحریف ہیں ان کی تکذیب کرتے ہیں ۔ یہ وہ علماء ہیں جن کے کندھوں پر مذہب تشیع قائم ہے!!۔ آپ کے اس عقیدے اور ایمان کی بنا پر کہ قرآن پورا ہے اور تحریف شدہ نہیں، یہ سب علماء گمراہ اور اللہ کی کتاب پر جھوٹ

1۔ مشارق الشموس الدریۃ، ص: ۱۲۹

باندھنے والے ٹھہرتے ہیں ۔ اس طرح سے ان کی کتابیں اور ان میں آنے والی اخبار و روایات سب باطل ہو جاتی ہیں جن پر آپ کا مذہب کھڑا کیا گیا ہے!!؟

اگر آپ بھی انہی کی طرح تحریفِ قرآن کے قائل ہوتے ہیں تو اس طرح کہنے سے آپ اپنے رب کی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں جیسا کہ یہ لوگ کافر ہوئے اور آپ ان چار علماء کی تکذیب کرتے ہیں جو آپ کے ہاں ثقات ہیں، جو اپنی زبانوں سے اپنے دلوں میں موجود باتوں کی مخالفت کرنے والے ہیں!!۔ گزشتہ دونوں باتوں میں سے ایک تو آپ پر لازم آتی ہے اور ان میں سے جو زیادہ شیرین محسوس ہو رہی ہے وہی کڑوی ہے!!۔

ہم جب شیعہ عوام الناس سے یہ کہتے ہیں کہ ان کا مذہب اس بات پر قائم ہے کہ قرآن ناقص اور تحریف شدہ ہے تو ہم یہ محض تسکینِ قلب اور انتقام کے نہیں کہتے بلکہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ خود کو درپیش خطرے کی حقیقت جان سکیں اور روزِ قیامت اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو گھاٹے میں نہ ڈال لیں۔

ایسے مضبوط دلائل جو علماء شیعہ کے تحریف قرآن پر ایمان کو ثابت کرتے ہیں

جب کوئی شخص نشہ آور اشیاء استعمال کرتا ہے تو اس استعمال کے آثار اس کی عقل، جسم اور طرزِ عمل پر عیاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ علماء پر تحریفِ قرآن اور ان کے اس عقیدے کی بنا پر کہ قرآن کامل نہیں، ان کے عقائد، اقوال، افعال اور احوال پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں چاہے وہ اپنی حقیقت کو چھپانے کی کوشش بھی کریں۔ ان آثار و واضح علامات میں سے کچھ یہ ہیں:

قرآن ان کے ہاں مہمل ہے۔ ان میں ایک بھی ایسا عالم نہیں پایا جاتا جو اس کا حافظ ہو کیونکہ ان کا دین انہیں اسی کا حکم دیتا ہے اور اسی پر انہیں ابھارتا ہے اگرچہ وہ بتکلف اس کے ساتھ اپنی جھوٹی اپنایت کا اظہار کریں اور اس کی کچھ آیات پڑھیں۔ شیعہ معاشروں پر اس کا اثر یہ مرتب ہوا کہ انہوں نے اپنی مجالس و مدارس اور یونیورسٹیوں میں قرآن کو بالکل ہی فراموش کر دیا اور تحفیظ القرآن سے متعلق انجمنوں اور دورہ جات کو ختم کرکے انہیں صرف حسین رضی اللہ عنہ کے تذکروں میں بدل دیا ۔ شیعہ معاشرہ اپنا حال بخوبی جانتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی تقریروں اور دروس میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قرآن سے شاذ و نادر ہی استدلال کرتے ہیں۔ کیوں ؟ کیونکہ قرآن ان کی بالکل بھی ہم نوائی نہیں کرتا بلکہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔

جب ہم ان کی تقریروں اور مواعظ کو سنتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ علومِ قرآن، اس کی تفسیر اور اس کے فنون سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اگر بات کرتے ہیں تو صرف سیاسی واقعات، اہلِ بیت کی مظلومیت اور ان واقعات سے متعلق جن کے بارے میں وہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ فلاں اور فلاں کے مابین پیش آئے اور یہ کہ یہ کافر ہے، یہ منافق ہے، یہ خائن ہے اور یہ عمل ایسا ہے تو ویسا ہے۔اسلام کی کشادہ روی اور اس کے اہدافِ عالیہ ایک طرف ہیں اور یہ لوگ دوسری طرف۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اکثر اپنی خاص کتبِ تاریخ و سیر سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ ان کے علماء جب اپنی عوام کے سامنے کسی مسئلے کا اثبات کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں تو ہم ان کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ: تاریخ کی کتابیں پڑھو!۔ ہم ان کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنتے کہ قرآن پڑھو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا دین سیاست پر قائم ہےنہ کہ اللہ کے نور اور اس کے تقوی پر اور وہ ان باتوں میں مصروف رہتے ہیں جن کا حکم نہ تو اللہ نے دیا اور نہ ہی اس کے رسولﷺ نے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے ٹیلی ویژن چینلز پر شیعہ علماء چھوٹی چھوٹی سورتوں میں بھی غلطیاں کرتے ہیں اور ان کے ناظرین کو ان کے قرآن کریم پڑھنے پر تعجب ہوتا ہے۔ان میں سے کچھ تو قرآن کی چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی کاغذ پر سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ چھوٹی سورتیں اہل سنت کے بچوں کو چار یا پانچ سال کی عمر میں اچھی طرح زبانی یاد ہوتی ہیں۔

انہوں نے جمعہ اور جماعتوں کو بھی چھوڑ دیا۔ چنانچہ ہمیں کوئی ایسا پگڑی والا نظر نہیں ملتا جو ترتیل (سے قرآن) پڑھتا ہو، اپنی نماز میں خشوع اپناتا ہو اور اپنی تمام نمازوں میں لمبی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھتا ہو۔ ان کا قرآن پڑھنا بغیر تجوید و ترتیل کے ہوتا ہے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے جس کا کوئی شیعہ انکار نہیں کر سکتا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ تمام شیعہ ٹی وی چینلز اور ان کے سارے میڈیا پر بہت ہی کم شیعہ قراء ہوتے ہیں۔

اب ہم ان کے اپنے علماء کے کچھ گواہیاں ذکر کریں گے جو دلالت کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

ڈاکٹر جعفر الباقری جو طہران میں پروفیسر ہیں کہتے ہیں: " بنیادی اشیاء میں سے ایک شے جو علمی مجالس میں اپنے حجم اور اہمیت کے بقدر توجہ نہ پا سکی وہ قرآن کریم اور اس سے متعلقہ علوم و معارف

اور حقائق و اسرار ہیں۔ قرآن کریم عام طور پر اسلامی وجود کے لئے ثقل اکبر (بیش قیمت شے) اور بنیادی سرچشمے کی حیثیت رکھتا ہے تاہم جو بات دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس بزرگ کتاب کے علوم کو خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا رہی اور نہ ہی اسے علمی مجالس میں جاری علمی دلچسپیوں میں مناسب مقام دیا جا رہا ہے۔یہ اس نصاب میں بھی داخل نہیں جسے طالب علم اپنی پوری مدت تعلیم کے دوران پڑھتا ہے اور نہ ہی اس کی تعلیمی تگ و دو کے کسی بھی مرحلے پر اس کا کم یا زیادہ کچھ امتحان ہی لیا جاتا ہے۔چنانچہ اس (تعلیمی) ڈھانچے میں طالب علم کے لئے کیسے ممکن ہو گا کہ وہ مراتبِ علم پر ترقی پائے اور اپنی منزلِ مقصود کو جا پہنچے، جب کہ اس نے علومِ قرآن اور اس کے اسرار سے کچھ آگاہی حاصل نہیں کی اور نہ ہی اس پر کچھ توجہ دی ہے، چاہے وہ تلاوت یا اچھی طرح ادائیگی ہی کی سطح پر ہو ۔ اس حساس معاملے کی وجہ سے بہت دشوار مسائل سامنے آ رہے ہیں اور اس بنا پر واقعاتی اعتبار سے علمی مجالس میں ایک حقیقی کمی پیدا ہو گئی ہے جس میں نہ کچھ شک ہے اور نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے"۔

ڈاکٹر الباقری مزید کہتے ہیں: " شاید کہ بعض علماء کی قرآن اور اس کے علوم پر اس طرح کی توجہ اور ان میں مہارت کو عیب گردانا جاتا تھا جو علومِ دینیہ کے طالبِ علم کو علمِ اصول سے دور لے جائے اور اللہ کی کتاب کے علم کے قریب تر ہوتا جائے۔ ان حلقوں میں اس قسم کے طالب علموں کو سنجیدہ اور کچھ قابلِ قدر طور پر وزن دار نہیں سمجھا جاتا تھا"۔[1]

ان کے آیت اللہ خامنائی کہتے ہیں: "باعث افسوس یہ ہے کہ ہمارے لئے ممکن ہے کہ پڑھائی کا آغاز کریں اور سند اجتہاد کے وصول کر لینے تک قرآن پڑھے بغیر اسے جاری رکھیں چاہے ایک دفعہ ہی ہو!!۔ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ ہمارے اسباق کا دار ومدار قرآن پر نہیں ہوتا۔علمی مجلس میں ہونے والی قرآن سے اس پہلو تہی اور عدمِ مانوسیت دورِ حاضر میں بہت سے مشکلات کو پیدا کرنے کا باعث بنی ہے اور یہ مستقبل میں بھی مشکلات پیدا کرے گی۔ ۔۔ قرآن سے یہ دوری ہمیں کوتاہ نظری میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گی"۔

خامنائی کہتے ہیں: "جب کوئی شخص علمی طبقے میں کوئی علمی مقام پا نا چاہتا تو ضروری ہوتا کہ وہ تفسیر قرآن میں مشغول نہ ہو تا کہ اسے جہالت سے متہم نہ کیا جائے ۔ کیونکہ عالمِ تفسیر جس کی تفسیر

---

1. ثوابت و متغيرات الحوزة العلمية، الدكتور جعفر الباقري، ص: ۱۰۹

سے لوگ مستفید ہوتے اسے یوں دیکھا جاتا گویا وہ جاہل ہو اور علمی اعتبار سے اس کا کوئی مقام نہ ہو ۔ اس طرح سے وہ شخص مجبور ہو جاتا کہ اپنا درس چھوڑ دے۔ کیا آپ اسے آفت نہیں سمجھتے؟"۔

وہ مزید کہتے ہیں: "فقہ میں بعض قرآنی آیات آتی ہیں لیکن ان کو نہ تو پڑھا جاتا ہے اور نہ ہی ان پر زیادہ غور و خوض کیا جاتا ہے جیسا کہ روایات میں ہوتا ہے"۔[1]

شیعہ کے آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ کہتے ہیں: "ہمارے لئے یہ بات باعث حیرت ہو گی کہ نجف یا قم یا ان کے علاوہ دیگر علاقوں کے علمی حلقوں میں قرآن کے لئے کوئی درسی نصاب نہیں ہے"۔[2]

مرتضی مطہری کہتے ہیں: "۔۔تعجب ہے!! قدیم نسل نے بذات خود قرآن کو چھوڑ ا اور ترک کر دیا اور پھر اب نئی نسل کو قرآن سے شناسائی نہ ہونے پر ملامت کیا جاتا ہے!۔

ہم خود ہیں جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور اب ہم نئی نسل سے منتظر ہیں کہ وہ اس سے جڑ جائے۔ میں آپ کے سامنے ثابت کروں گا کہ قرآن ہمارے مابین کس طرح سے متروک ہے؟۔

جب کوئی شخص قرآن کا علم رکھتا ہو یعنی اس نے قرآن میں بہت تدبر کیا ہو اور تفسیر کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہو، آپ کے خیال میں ایسا شخص ہمارے مابین کس قدر محترم ہوتا ہے؟ اس کا کچھ بھی احترام نہیں ہوتا۔

جب کہ اگر اس شخص نے ملا کاظم خراسانی کی کتاب کفایہ پڑھی ہو تو وہ بہت محترم اور معروف شخصیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس طرح سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن کو ہمارے ہاں چھوڑ دیا گیا ہے۔ قرآن سے ہماری یہ رو گردانی ہی اس مصیبت و شقاوت کا سبب ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کے بارے میں نبیﷺ اپنے رب سے یہ شکایت کریں گے کہ:

﴿وَقَالَ ٱلرَّسُولُ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوۡمِي ٱتَّخَذُواْ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ مَهۡجُورٗا ٣٠﴾ [الفرقان: ۳۰]

«اور رسول کہے گا اے میرے رب! بے شک میری قوم نے اس قرآن کو نظرانداز کر رکھا تھا»[3]۔

1۔ سابقہ مصدر، ص: ۱۱۰

2۔ سابقہ مصدر، ص: ۱۱۱

3۔ إحياء الفكر الديني في الإسلام، مرتضى مطهري، ص: ۵۲

چنانچہ کسی جگہ بھی شیعوں کے علمی حلقوں میں قرآن کریم کے حفظ، اس کی تفسیر اور اس کے علوم پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ صرف یہی بات ہی علمی حلقوں کے لئے بہت بڑی رسوائی ہے۔ یہ لوگ ایسا جان بوجھ کر کرتے ہیں کیونکہ قرآن عظیم ان کے دینی عقائد سے میل نہیں کھاتا بلکہ ان سے ٹکراتا ہے اور ان کو رد کرتا ہے۔

اگر شیعوں کے شاگرد قرآن سیکھ لیتے، اسے حفظ کر لیتے، اس کے اصول تفسیر سے آگاہی حاصل کر لیتے اور اہل سنت و الجماعت کے عقیدے کی رو سے قرآن کے محکم اور متشابہہ جان لیتے تو قرآن ان کے دلوں میں بہت بڑا مقام حاصل کر لیتا اور یوں وہ اپنے ان عقائد کی ان بے سروپا باتوں سے آگاہ ہو جاتے جو ازراہ تعصب نسل در نسل نقل ہوتی آ رہی ہیں اور انہیں یہ بھی علم ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن سے پوری طرح متصادم ہیں اور اس طرح ان کے سامنے ان کے دین کی حقیقت کا پول واضح طور پر کھل جاتا۔ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ جو شخص قرآن پر توجہ نہیں دیتا وہ ضائع ہو جاتا ہے اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم سے اسلام کے ارکانِ خمسہ کا ثبوت

سوال: ارکانِ اسلام جو قرآن میں واضح دلائل کے ساتھ مذکور ہیں گن کر بتائیں۔

جواب: اہلِ سنت اسلام کے ارکانِ خمسہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر سلف و خلف تمام علماء کا اتفاق ہے۔ یہ سارے ارکان قرآن کریم میں مذکور ہیں اور نبیﷺ کے اس فرمان میں انہیں ترتیب سے بیان کیا گیاہے کہ: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔[1]

محکم آیات میں ان کے دلائل پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آئے ہیں جن کو ہر وہ شخص جانتا ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا وہ سن کر ان سے آگاہی رکھتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ان میں سے کسی رکن کا انکار کرتا ہے وہ تمام اہل سنت کے نزدیک کافر ہے۔ اس لئے کہ ایسا شخص اس قرآن و سنت کی تکذیب کرتا ہے جس پر علماء کا اجماع ہے۔

سوال: اب ہم یہی گزشتہ سوال شیعہ سے کرتے ہیں کہ: ان پانچ ارکانِ اسلام کو شمار کر کے بتائیں جن کا ذکر قرآن میں واضح دلائل کے ساتھ آیا ہے؟

شیعہ لوگ بھی اپنی مشہور کتابوں میں موجود متعدد روایات کی بنیاد پر کہیں گے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ ان روایات میں سے کچھ کو ہم ذکر کرتے ہیں:

ابو جعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: " اسلام کی بنیاد پانچ اشیاء پر رکھی گئی ہے: نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور ولایت پر۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ: ان میں سے کون سی شے زیادہ افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ولایت زیادہ افضل ہے کیونکہ یہ ان سب کی کلید ہے۔ اور والی (ولایت والا) باقی سب کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔[2]

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۸، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶

2۔ أصول الكافي، ج: ۲، کتاب الإیمان و الکفر، باب دعائم الإسلام۔

(اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے: نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور امیر المومنین اور ان کے اولاد میں آنے والے ائمہ علیہم السلام پر)۔[1]

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ولایت شیعہ کے ہاں ایک بنیادی رکن ہے۔

میں نے شیعہ کی کتابوں میں بہت تلاش کیا لیکن مجھے ایسی روایات نہیں ملیں جو اللہ کے بندوں کو صرف شہادتین کا پابند کرتی ہوں۔

کیونکہ انہوں نے ان کو ولایت کے ساتھ تبدیل کر لیا ہے۔ اگر وہ اسلام میں شہادتین کی اہمیت کو بیان کرنا چاہیں جو کہ شاذو نادر ہی ہوتا ہے تو پھر وہ اہل سنت کی کتابوں جیسے بخاری و مسلم و غیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات مل جائیں جو شہادتین کے بارے میں گفتگو کرتی ہوں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ شہادتین کا اقرار کرنے والے شخص کو ضرور ولایت کا بھی پابند کریں گے۔

امام باقر علیہ السلام سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ: " اللہ تعالی نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت نکالی اور پوچھا کہ: کیا میں تمہارا رب، محمد میرے رسول اور علی امیر المومنین نہیں ہیں؟ جیسا کہ اللہ جل شانہ نے تمام مخلوق اور انبیا و رسل سے اس بات پر عہد لیا کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالی کی وحدانیت، محمد کی نبوت اور علی کی ولایت کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اپنے خاتم النبین کی طرف یہ وحی فرمائی کہ: میں اس شخص کے سوا کسی عمل کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں کروں گا جو آپ کی نبوت اور علی کی ولایت کا اقرار کر لے۔ چنانچہ جو شخص یہ کہے گا کہ : اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی کی ولایت کو تھامے رکھے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"۔[2]

بلکہ ہمیں شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات ملتی ہیں جو شہادت لا الہ الا اللہ کی شان گھٹاتی ہیں جب کہ اس میں صرف اللہ ہی کی شہادت ہو اور امامت کا ذکر نہ ہو۔ اصولِ کافی وغیرہ میں ابان بن

1۔ ان سے ملت جلتے الفاظ کے ساتھ، أصول الکافي، ج: ۲، کتاب الإیمان و الکفر، الأمالي للصدوق، ص: ۲۶۸، وسائل الشیعة، ج: ۱، ص: ۱۶

2۔ دیکھیں: سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۷۲ کی تفسیر میں شیعہ تفاسیر، اور الکافي، ج: ۱، ص: ۳۴۰، کتاب الحجة.

تغلب سے روایات ہے جو عبد اللہ الصادق ؑ سے روایت کرتے ہیں کہ: اے ابان جب تم کوفہ پہنچ جاؤ تو اس حدیث کو روایت کرنا: جس شخص نے اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ ابان کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ الصادق سے دریافت کیا: میرے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، کیا میں ان کے لئے یہ حدیث روایت کروں؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں اے ابان! جب روزِ قیامت ہو گا اور اور اللہ اگلے پچھلے سب لوگوں کو جمع کر لے گا تو اس وقت ان سے شہادت لا الہ الا اللہ سلب کر لی جائے گی سوائے اس شخص کے جو اس امر (یعنی اقرار ولایت) پر قائم ہو گا۔[1] پاک ہے اللہ کی ذات ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں، وہ ذات باری تعالی جس کا فرمان ہے:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوٓاْ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴿٣٥﴾﴾ [الصافات: ۳۵]

«جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر (کرتے ہوئے انکارِ حق) کیا کرتے تھے»۔[2]

چنانچہ شیعہ صرف چار ارکان میں اہل سنت کے ساتھ شریک ہیں جو یہ ہیں: نماز قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوۃ دینا اور حج کرنا۔ اگرچہ ان ارکان اربعہ اور ہر رکن سے متفرع ہونے والے ارکان و واجبات اور سنن کی ادائیگی کی کیفیت میں ان کے مابین بہت زیادہ اختلافات پائے جاتے ہیں۔

اگر ہم شیعہ سے کہیں کہ وہ ارکانِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے دلائل قرآن سے پیش کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ اہلِ سنت کی طرح قرآن سے ان کے متعدد واضح دلائل لے آئیں گے۔ کیونکہ اللہ کی کتاب میں یہ ارکانِ اربعہ بنا کسی التباس کے واضح طور پر بیان ہوئے ہیں اور ان کی آیات محکم و صریح ہیں۔

ان سب باتوں کے بعد اہل سنت پر واجب ہے کہ وہ قرآن سے اپنے پہلے رکن کو ثابت کریں جو کہ شہادتین ہے اور شیعہ پر واجب ہے کہ وہ رکنِ ولایت کے درست ہونے کو قرآن سے بعینہ اسی طرح ثابت کریں جیسے ارکانِ اربعہ ثابت جن کے ارکانِ اسلام ہونے پر وہ متفق ہیں۔

1۔ الکافي، جلد ثانی، باب من قال: لا إله إلا الله مخلصا۔

2۔ الکافی للکلینی، ج: ۲، ص: ۵۲۰، مرآۃ العقول للمجلسي، ج: ۱۲، باب من قال لا إله إلا الله ملخصا۔

شہادتین پر قرآن کریم سے اہل سنت کے دلائل

شہادتین کی اہمیت اور اوراس کے وجوب کی وضاحت کے لئے میرا شیعہ لوگوں سے یہ سوال ہے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر مسلم شہادتین کے بغیر ہی اسلام قبول کر لے اور مسلمان ہو جائے؟ کیا کوئی موالی (ولایت کا ماننے والا) شہادتین کا اقرار کئے بغیر موالی ہو سکتا ہے؟۔ سب شیعہ کہیں گے کہ ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ دخولِ اسلام کے لئے شہادتین کا اقرار ضروری ہیں اور کسی شیعہ موالی کے لئے شہادتین کا اقرار کئے بغیر موالی بننا ممکن نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ شہادتین ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن اور بابِ اسلام ہے۔ اس وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کہ شہادتین کے بغیر اللہ کسی شخص سے سارے ارکانِ اسلام قبول کر لے۔

چنانچہ اے ہوش مند شیعہ! آپ کا دین کیسے ثابت ہوتا ہے اور کس طرح وہ لوگوں کو ولایت کا پابند کرتا ہے حالانکہ وہ شہادتین کو تمہارے ارکان میں ذکر ہی نہیں کرتا؟!

اگر شہادتین کے پہلے حصے کو ہم قرآن میں تلاش کریں جو کہ لا الہ الا اللہ ہے تو ہمیں وہ قرآن کی اکثر آیات میں صریح اور واضح طور پر مل جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَٱعۡلَمۡ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ﴾ [محمد: ۱۹]

«جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں»۔

قرآن میں اس کی ہم مثل آیات اور شواہد کا شمار کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ قرآن کو اللہ نے نازل ہی اس لئے کیا کہ:

اولا: اللہ سبحانہ و تعالی کی وحدانیت اور الوہیت و ربوبیت، صفاتِ جبروت و ملکوت اور کبریائی و عظمت میں اس کے یکتا ہونے کا اثبات کیا جائے۔ ان آیات میں سے کچھ یہ ہیں:

﴿وَإِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلرَّحۡمَٰنُ ٱلرَّحِيمُ ١٦٣﴾ [البقرة: ۱۶۳]

«اور تمہارا معبود خدائے واحد ہے اس بڑے مہربان (اور) رحم کرنے والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں»۔

﴿ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَٱعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٢﴾﴾ [الأنعام: ۱۰۲]

«یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہٰذا تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے»۔

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفَّٰرُ ﴿٦٦﴾﴾ [ص: ۶۵-۶۶]

« (اے نبیؐ) اِن سے کہو!: میں تو بس خبردار کردینے والا ہوں کوئی حقیقی معبود نہیں مگر اللہ، جو یکتا ہے، سب پر غالب۔ آسمانوں اور زمین کا مالک اور اُن ساری چیزوں کا مالک جو ان کے درمیان ہیں، زبردست اور درگزر کرنے والا»۔

﴿ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمْ خَٰلِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٦٢﴾﴾ [غافر: ۶۲]

«وہی اللہ تمہارا رب ہے ہر چیز کا خالق اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کدھر بہکائے جارہے ہو»؟۔

قرآن کی جس سورت میں بھی ہم دیکھیں اس میں اپنی شایان شان مدح و ثناء کے ساتھ اللہ اپنی بزرگی بیان کرتا ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ خالص انداز میں اللہ سبحانہ و تعالی کی عبادت کی جائے اور شرک کی تمام اقسام سے ڈرایا جائے۔

ثانیا: لاالہ الا اللہ کہنا اللہ کا بندوں پر حق ہے۔ واجبات میں یہ سب سے اولین اور اہم ترین واجب ہے۔ یہ اسلام کا شعار اور اس کا جوہر ہے اور یہ دار السلام کی کلید ہے۔اگلوں پچھلوں سب سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اسی کی وجہ سے اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، اپنی کتابیں نازل کیں اور بشارت و انذار کے لئے اپنے رسول بھیجے۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾﴾ [الأنبياء: ۲۵]

«ہم نے تُم سے پہلے جو رسُول بھی بھیجا ہے اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو»۔

اور اس کی ضد سے ڈرانے کے لئے رسول بھیجے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَ﴾ [النحل: ۳۶]

«ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو»۔

چنانچہ تمام انبیاء اور رسولوں نے جن و انس سب کو لا الہ الا اللہ ہی کی دعوت دی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾﴾ [الأنبياء: ۶۶-۶۷]

«ابراہیمؑ نے کہا: "پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمھیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبُودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کررہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟»۔

اور اسی طرح نوح، صالح اور شعیب علیہم السلام سب نے بیک زبان اپنی قوموں سے کہا:

﴿يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ﴾ [الأعراف: ۵۹]

«اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے»۔

اسی طرح عیسی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَٱعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ [آل عمران: ۵۱]

«حقیقت یہ ہےکہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ اُسی کی تم عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے»۔

اور اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَٱتَّبَعْتُ مِلَّةَ ءَابَآءِيٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَآ أَن نُّشْرِكَ بِٱللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِن فَضْلِ ٱللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾﴾ [یوسف: ۳۸]

«میں نے اپنے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ در حقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر (کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا) مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے»۔

اگر آپ چاہیں تو سورہ اعراف کی ان آیات کو بھی دیکھ بھی سکتے ہیں: ۵۹، ۶۵، ۷۳ اور ۸۵۔

یہ اس لئے ہے کہ توحیدِ ربوبیت ہی توحید الوہیت اور توحیدِ عبادت کی اساس اور بنیاد ہے تاکہ ہم اپنے رب کے ساتھ پوری طرح مرتبط ہو جائیں اور اس کی ویسے تعظیم کریں جیسے تعظیم کا حق ہے۔

جب کہ اہل سنت کے نزدیک اسلام کے رکن اول یعنی شہادتین کا دوسرا جزء جو "أشھد أن محمّدا رسول اللہ" ہے اس کے بارے میں وہ قرآن سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ شیعہ بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اس کی دلیل قرآن سے واضح ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ﴾ [الفتح: ۲۹]

«محمد اللہ کے رسول ہیں»۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

«(محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں)»۔

قرآن میں اس طرح کی آیات کے شواہد کا شمار مشکل ہے کیونکہ وہ بکثرت اور تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔بلکہ ہم جونہی کوئی ایسی آیت پڑھتے ہیں جس میں اطاعتِ خدا کا حکم دیا گیا ہو تو وہ رسول کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہوتی ہے جو اپنے رب کی طرف سے (وحی کو) پہنچانے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَوَلَّوۡاْ عَنۡهُ وَأَنتُمۡ تَسۡمَعُونَ ۝٢٠﴾ [الأنفال: ۲۰]

«اے ایمان لانے والو! اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو اور حکم سُننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو»۔

بلکہ ہمیں ایسی آیات بھی ملتی ہیں جن میں اللہ سبحانہ و تعالی نے اپنے نبیﷺ کی اطاعت کو ہی اللہ کی اطاعت قرار دیا:

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ ٱللَّهَ﴾ [النساء: ۸۰]

«جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی»۔

کیا اللہ کے نبی کو کتاب اللہ میں اس مقام کے دیئے جانے کے بعد بھی ہمارے لئے یہ مان لینا ممکن ہے کہ نبیﷺ کا ارکان اسلام میں نہ کوئی ذکر ہو اور نہ ہی کوئی ظاہری حصہ؟

ولایت کے قرآن کریم سے اثبات کے لئے شیعہ مذہب کے دلائل

ہم اس اہم ترین آیت سے آغاز کرتے ہیں جس کا تذکرہ ہم ان کی گفتگو میں ہمیشہ سنتے رہتے ہیں۔ وہ آیت اللہ کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿هُنَالِكَ ٱلْوَلَـٰيَةُ لِلَّهِ ٱلْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾﴾ [الکھف: ۴۴]

« اُس وقت معلوم ہوا کہ کارسازی (ولایت) کا اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے، انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے»۔

میری عرض یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ "الولایۃ" صرف ایک ہی آیت میں آیا ہے جو کہ گزشتہ آیت ہے۔

الطوسی اپنی کتاب "التبيان في تفسير القرآن" میں کہتے ہیں: "اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ: هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ للهِّ الحَقِّ . اللہ تعالی کی طرف سے اس بات کی خبر ہے کہ اس مقام پر نصرت اور قوت دینے کی ولایت اللہ کی ہےاور بندوں میں سے کسی بندے کے پاس اختیار نہیں کہ وہ اس میں فساد پیدا کرے۔۔۔"۔

فیض کاشانی "تفسير الصافي في تفسير كلام الله الكافي" میں کہتے ہیں: " الْوَلَايَةُ للهِّ الحَقِّ یعنی نصرت کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے، اس کے علاوہ کسی کو نصرت کرنے کی قدرت حاصل نہیں ۔ اسے کسرہ (زیر) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ (اس صورت میں مراد ہو گی) اقتدار و بادشاہت۔ "الحق" کو ولایت کی صفت بناتے ہوئے رفع (پیش) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے:هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا۔ یعنی اپنے اولیاء کے لئے۔ "عقبا" کو سکون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے"۔

اسی طرح الکلینی اصولِ کافی میں روایت کرتے ہیں: عبد الرحمن بن کثیر سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارےمیں دریافت کیا : هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ للهِّ الحَقِّ، تو انہوں نے جواب دیا: "اس سے مراد امیر المومنین کی ولایت ہے"۔[1]

1۔ اصول کافی، ج: ۱، ص: ۴۲۲

شیعہ کا اس آیت کے ذریعے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ولایت پر استدلال کرنا آیت کی نص سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آیت میں وارد ہونے والے لفظ "ولایت" سے مراد یہ ہے کہ: ولایت صرف اور صرف اللہ کے لئے ہے اور اس میں کوئی ایسا شبہ نہیں پایا جاتا جس کی یہ تاویل کی جا سکتی ہو کہ ولایت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ہے۔ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو آیت اس طرح ہوتی کہ: هنالك الولاية لعلي الحق۔ اللہ حق کو بیان کرنے میں کوئی حیاء نہیں کرتا، وہ نہ تو کسی سے خوف کھاتا ہے اور نہ ہی اس کے انجام سے ڈرتا ہے۔پھر یہ لوگ آیت کو کیسے ولایتِ علی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی اس طرح کا واضح ثبوت نہیں جس طرح یہ واضح ہے کہ ولایت اللہ کی ذات برحق کے لئے ہے۔

ہم اس سے پہلے خمینی کا اعتراف بیان کر چکے ہیں کہ: امامت جو ان کے دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہےاس کی قرآن کچھ صراحت نہیں کرتا بلکہ عقل اس کو لازمی ٹھہراتی ہے!!۔

چنانچہ علماءِ شیعہ اثباتِ اصول میں قرآن و سنت کو بطور ایک متعمد اساس ماننے کی نفی کرتے ہیں اور ان مصادر کو پہلے سے عقل کے ذریعے سے ثابت شدہ چیز کی تایید سے زیادہ کچھ نہیں مانتے

شریف مرتضی کہتے ہیں: کیونکہ معلوم ہے کہ ان کے ہاں وجوبِ امامت کا عقیدہ اور اوصافِ امام عقل سے ثابت ہیں اور ان سب میں اسی پر تکیہ کیا جاتا ہےاگرچہ بسا اوقات اپنی تایید کے لئے اور دلائل میں تصرف کے لئے اپنے بڑوں سے سنی ہوئی باتوں سے بھی استدلال کیا ہے"۔

مزید کہتے ہیں: " ہمارے نزدیک تواتر ائمہ کے اجمالی طور پر اثبات اور (مختلف) زمانوں میں ان کے لازمی وجود کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ اس کے اثبات کا ذریعہ عقل اور اس کی حجت ہے"۔

وہ کہتے ہیں: "جہاں تک تعلق ہے امام اور اس کی مخصوص صفات کے پائے جانے کا تو اس کے علم کے لئے کسی خبر کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ عقل ہماری اس کی طرف راہنمائی کرتی ہے جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں"۔ مزید کہتے ہیں: "یہ سب واضح کرتا ہے کہ امام، اس کی کیفیت اور مجموعی طور پر وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں امام سے کوئی نص قطعی کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک ان امور کا بیان اس کا محتاج نہیں ہے۔ جس بات پر عقل دلالت کر رہی ہوں ان کے بیان کے لئے نقلی دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی"۔[1]

1۔ الشافي في الإمامة، ج: ۱، ص: ۹۸

شیعہ عوام کے لئے ان حقائق کو ذکر کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے علماء کے اعتراف کے ساتھ یہ ثابت کروں کہ ان کے مذہب کا سب سے اہم ستون جو کہ امامت ہے اس کا قرآن میں نام و نشان تک نہیں ہے۔

ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا شہادتین پڑھ کر اسلام میں داخل ہوئیں۔حتی کہ خود شیعہ کے ہاں بھی ثابت نہیں کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تیسری شہادت یعنی علی اور ان کے بعد ائمہ کی ولایت کی شہادت دی تھی۔بلکہ نبی ﷺ کی وفات سے پہلے تمام مسلمانوں کے اسلام لانے میں بھی (اس تیسری شہادت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا)۔

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ کے لئے شہادتِ ولایت کا عقیدہ جیسا کہ شیعہ کے ہاں پائی جاتی ہے وہ ارکانِ اسلام میں سے نہیں ہے۔اگر آپ یہ کہیں کہ اس وقت یہ مسلمانوں کے لئے عمومی فرض نہیں تھی تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کی کتابوں میں ایسی کثیر روایات کیوں پائی جاتی ہیں جو تمام انسانوں پر امامت واجب ٹھہراتی ہیں حتی کہ ان پر بھی جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے آئے۔ ان روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جسے آپ کے شیخ ہاشم البحرانی نے ذکر کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب المعالم الزلفی میں اس عنوان کے تحت ایک باب باندھا ہے: "باب أن الأنبياء بعثوا على ولاية الأئمة " (باب اس بات کے بیان میں کہ تمام انبیاء ولایتِ ائمہ پر مبعوث کئے گئے تھے)۔ ان کا کہنا ہے: ثابت ہوا کہ اللہ کے تمام انبیاء و رسول اور تمام مومنین علی بن طالب سے محبت کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مخالفین آپ اور آپ سے محبت رکھنے والوں سے نفرت کرتے تھے۔۔۔ جنت میں صرف وہی داخل ہو گا جو اگلوں اور پچھلوں میں سے اس سے محبت رکھتا تھا چنانچہ وہ (علی بن ابی طالب) جنت و جہنم کے مابین قسیم (فیصل) ہیں۔

وسائل شیعہ کے مصنف الحر العاملی اپنی کتاب الفصول المهمة في أصول الأئمة تكملة الوسائل جو حدیث میں شیعہ کے معتمد علیہ مصادر میں سے ہے، کہتے ہیں کہ: ان کی وہ روایات ایک ہزار احادیث سے زیادہ ہیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو انبیاء سے پختہ عہد لیا۔

تمہارے دعوی کے مطابق اگر تو ولایتِ علی تمام صحفِ انبیاء میں مکتوب تھی تو پھروہ قرآن میں کیوں نہیں حالانکہ وہ تمام کتابوں پر نگران ہے؟ (جب کہ حال یہ ہے کہ اگر) انہوں نے اسے ثابت کیا ہی ہے تو وہ ہوائے نفس کی تابع عقلِ فاسد سے ۔

اہل سنت و الجماعت کے طے شدہ اصولوں میں سے ہے کہ: عقل کو نقل پر مقدم نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ اگر نقل صحیح ہو اور عقل بھی آفات سے محفوظ ہو تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود وہ عقل کی شان میں کمی نہیں کرتے اور نہ ہی اسے کالعدم ٹھہراتے ہیں، فاقد العقل مرفوع القلم ہوتا ہے جس طرح پاگل کہ وہ مکلف نہیں اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

کتاب و سنت کی نصوص کے ذریعے شریعت نے عقل والوں کو مخاطب کیا ہے اور آدمی کے لئے ذمہ داری کا مدار عقل کو ٹھہرایا ہے۔ پھر اہلِ سنت عقل کی حدود سے تجاوز بھی نہیں کرتے۔ وہ ہر شے کی حکمت اور علت تلاش کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے جو ظاہر ہو اسے لے لیتے ہیں اور جو ظاہر نہ ہو اسے تسلیم کر لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں۔ نص کی اتباع کرنا کمالِ عقل کی دلیل ہے اور رائے کو اچھا سمجھنا، ہوائے نفس کی پیروی کرنا اور عقل کو نص پر مقدم کرنا عقلی کوتاہی کی دلیل ہے۔

جب اللہ نے نعمت تمام کی اور دین کامل کیا تو تب اللہ سبحانہ و تعالی نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم (خود) دین کا انتخاب کریں، عقل کو اچھا جانیں اور اس کو نصوص پر مقدم کریں۔ قرآن میں سے اس کی واضح دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾﴾ [الاحزاب: ٣٦]

«اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انہیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا»۔

شریعت کتاب و سنت میں مکمل طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ یہ لوگوں کی منتظر نہیں کہ جو ان کی باہم دگر متفاوت عقول کو بھلا لگے اسے مشروع کرتے جائیں کیونکہ لوگ کچھ اشیاء کو جانتے ہوتے ہیں اور کچھ اشیاء ان سے پوشیدہ ہوتی ہیں جن تک وہ اپنی عقلوں کے واسطے سے نہیں پہنچ سکتے۔ جیسا کہ روح ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ.

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾﴾ [الإسراء: ٨٥]

ترجمہ: اور یہ لوگ تجھے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور قول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: "اگر دین کا مدار عقل پر ہوتا تو پھر موزوں کے نچلے حصے کا مسح ہوتا نہ کہ اوپر والے کا"۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لوگوں کے مابین نزاع کا فیصلہ صرف وہ کتاب کرے گی جو آسمان سے نازل کردہ ہے۔ اگر ان کو ان کی عقلوں کے حوالے کر دیا جائے تو پھر تو ان میں سے ہر ایک کی اپنی عقل ہے"۔[1]

شیخ وادعی نقل کے خلاف عقل سے استدلال کرنے والے کے بارے میں کہتے ہیں: "یہ معتزلہ کا رجحان ہے، صحیح بات یہ ہے کہ: نقلِ صحیح، عقلِ صحیح کی مخالف نہیں ہوتی۔ پھر صحیح وہ ہے جو معصوم ہو جب کہ عقل معصوم نہیں ہوتی۔ مزید برآں اللہ سبحانہ و تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا﴾ [النساء: ۵۹]

«پھر اگر آپس میں کوئی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے»۔

اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ عقل کی طرف لوٹا دو۔[2]

عوام الناس کی سمجھ بوجھ کم ہوتی ہے۔ ان کے لئے آیاتِ بینات ہی کافی ہوتی ہیں جن کی فطرت تایید کر رہی ہوتی ہے، خاص طور پر اصولِ دین میں جن کا قرآن و سنت نے بہت اہتمام کیا، ان کو مکمل کیا اور ان پر بہت سخت توجہ دی تاکہ روزِ قیامت گمراہ ہونے والے شخص کے لئے رب تعالی سبحانہ کے مقابلے میں کوئی حجت باقی نہ رہے۔

جب کہ فقہی مسائل میں فروعیات کے لئے اللہ تعالی نے ربانی علماء مقرر کئے جو لوگوں کو سکھانے اور باعثِ اشکال باتیں سمجھانے کے لئے انبیاء کے ورثاء مقرر ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَسۡـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ﴾ [النحل: ۴۳]

«اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو»۔

1۔ دیکھیں: مجموع الفتاوی، ج: ۲۰، ص: ۱۶۳، درء تعارض العقل و النقل لابن تیمیۃ۔

2۔ صعقۃ الزلزال: ۲۸۸/۱

ویسا ہر گز نہیں جیسا کہ شیعہ عوام سمجھتے ہیں ۔ ان کے تفاسیر میں ہے کہ آیت میں اہلِ ذکر سے مراد ائمہ ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں کسی محال اور ایسی بات کا حکم کیسے دے سکتا ہے جس تک رسائی مشکل ہو!؟۔

ائمہ تو وفات پا چکے اور دنیا سے ان کا وجود ختم ہو چکا۔ اب کوئی شیعہ شخص ان کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شیعہ نے اپنی عوام کے لئے فقہاء اور دوسرے قابل اتباع کیوں متعین کر رکھے ہیں جن کی طرف وہ رجوع کرتے ہیں حالانکہ وہ ائمہِ معصومین نہیں ہیں!؟۔

باقی رہنے والے صرف قرآن و سنت ہیں جو ہمارے سامنے موجود ہیں اور الحمد للہ ہم جس وقت بھی چاہیں ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

اگر دین کے اصول عقل سے اخذ کئے جاتے تو اللہ کا دین غیر کامل ہوتا اور اسے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی جو اس کی تکمیل کرے۔اگر دین کو عقل سے اخذ کیا جانا ہوتا تو یہ ایک ظلم ہوتا ۔ وہ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عقل ذہانت اور سمجھ میں باہم دگر متفاوت ہوتی ہیں۔ اگر مدارِ دین عقل ہوتی تو پھر ہر صاحبِ عقل کے اپنے خاص احکام شریعت ہوتے جن تک اس کی رسائل بذریعہ عقل ہوئی۔ اور روزِ قیامت خطا کار اپنے رب کے روبرو اللہ کی عطا کر دہ عقل کے ذریعے اپنے کئے افعال کے جواز میں بطور عذر پیش کریں گے کہ یہ سب ان کےرب کی طرف سے جائز کردہ تھا جس نے اصولِ دین کے استنباط و اختیار میں ان کو عقل کے حوالے کر دیا۔

چنانچہ شیعہ کے بیسیوں گروہ بن گئے۔ کیونکہ کہ وہ اپنے ہوائے نفس کی تایید کے لئے اپنی عقلوں کا سہارا لیتے ہیں، قرآن کی نصوص سے ان کی دوری کی وجہ سے، وہ قرآن جس کے ذریعے اللہ نے لوگوں کے دلوں کو اکٹھا کیا اور ان کے مابین الفت پیدا فرمائی تاکہ وہ باہم دگر محبت کرنے والے بھائی بھائی ہو جائیں۔

ولایت کے بارے میں شیعہ کی طرف سے اہم قرآنی دلائل پر گفتگو

ہو سکتا ہے کہ شیعہ کہیں کہ ہمارے پاس ولایت کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل آیات بھی ہیں :

﴿وَجَعَلْنَٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِمْ فِعْلَ ٱلْخَيْرَٰتِ وَإِقَامَ ٱلصَّلَوٰةِ وَإِيتَآءَ ٱلزَّكَوٰةِ ۖ وَكَانُوا۟ لَنَا عَٰبِدِينَ ﴿٧٣﴾﴾ [الأنبیاء: ٧٣]

« اور ہم نے انہیں امام (پیشوا) بنایا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے»۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا۟ ۖ وَكَانُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾﴾ [السجدة: ٢٤]

«اور ہم نے ان میں سے امام بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا تھا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے»۔

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾﴾ [القصص: ٥-٦]

«اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کیے گئے تھے اور انہیں امام (سردار) بنا دیں اور انہیں وارث کریں۔ اور انہیں ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس کا وہ اندیشہ رکھتے تھے»۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾ [النساء: ٥٩]

«اے ایمان والو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر آپس میں کوئی چیز میں جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو۔ یہی بات اچھی ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت بہتر ہے»۔

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمۡ رَٰكِعُونَ﴾ [المائدۃ: ۵۵]

«تمہارا ولی (دوست) تو اللہ اور اس کا رسول اور ایمان دار لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ (اللہ کے سامنے) جھکنے والے ہیں»۔

﴿وَإِذِ ٱبۡتَلَىٰٓ إِبۡرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٖ فَأَتَمَّهُنَّۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامٗاۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِيۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهۡدِي ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ [البقرۃ: ۱۲۴]

«یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: "میں تجھے سب لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں"۔ ابراہیم نے عرض کیا: "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے»۔

﴿يَوۡمَ نَدۡعُواْ كُلَّ أُنَاسِۭ بِإِمَٰمِهِمۡۖ فَمَنۡ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ يَقۡرَءُونَ كِتَٰبَهُمۡ وَلَا يُظۡلَمُونَ فَتِيلٗا﴾ [الإسراء: ۷۱]

«پھر خیال کرو اس دن کا جب کہ ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے امام (پیشوا) کے ساتھ بلائیں گے اُس وقت جن لوگوں کو ان کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا»۔

میں کہوں گا —و اللہ المستعان- کہ: اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ شیعہ ولایت کے اثبات کے لئے گزشتہ آیات سے استدلال کرتے ہیں اور قرآن میرے سامنے ہوتا تو میں قرآن کی بطورِ خاص انہی آیات کو ولایت کے بطلان کے لئے پیش کرتا۔کیونکہ شیعہ کے مزعومہ ولایت کے بطلان کے لئے یہ قوی ترین آیات ہیں۔

شیعہ علماء سابق الذکر آیات سے اس لئے استدلال کرتے ہیں کیوں کہ ان کو ان میں کچھ ایسے الفاظ مل گئے ہیں جو ولایت اور امامت سے مناسبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شیعہ عوام کو دھوکا دینے کے لئے ان کو تھام لیا۔ وہ الفاظ یہ ہیں: "ولیکم"، "اماما" اور "ائمۃ"۔ اب وہ شیعہ عوام کی سادگی اور کتاب اللہ اور اس کے تدبر سے ان کی دوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے کانوں میں ان گونج دار الفاظ کے ساتھ فلسفہ جھاڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

چونکہ یہ آیات ان کے ڈھول کا پول کھولتی ہیں اس لئے وہ ان کو کاٹ کاٹ کر ذکر کرتے ہیں۔یعنی پہلے والی آیات یا بعد والی آیت کو چھوڑ دیتے ہیں یا دونوں آیات ہی کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو یہ آیت پڑھے کہ ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ﴾ [الماعون: ۴]اور ترکِ صلاۃ کے لئے اس کو بطور حجت پیش کرے۔

اثباتِ ولایت کے لئے ان کا استدلال سورہ انبیاء کی آیت نمبر ۷۳ کے ساتھ ہے جو اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ﴾ [الأنبياء: ۷۳]

«اور ہم نے اُن کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے»۔

ہم اس سے پہلے والی آیت پیش کرتے ہیں جو کہ آیت نمبر ۶۹ ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ [الأنبياء: ۶۹]

«ہم نے کہا "اے آگ، ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر»۔

یہ آیت نمبر ۷۳ کا آغاز اور اس کا تکملہ سمجھی جاتی ہے۔چنانچہ مکمل آیت اس طرح سے ہو گی کہ:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ﴾ [الأنبياء: ۷۲-۷۳]

«اور ہم نے اسے اسحاق عطا کیا اور یعقوب اس پر مزید، اور ہر ایک کو صالح بنایا۔ اور ہم نے اُن کو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی، اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے»۔

یہ آیت ابراہیم علیہ السلام اور انبیاء میں سے ان کے بیٹوں یعنی اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے نہ کہ ائمہ کے بارے میں۔ یہ بات بالکل واضح ہے اوراس میں کوئی التباس نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کچھ جانچ پڑتال کی ضرورت ہے اور کسی کی طرف رجوع کی۔ کیونکہ آیت

نمبر ۷۳ میں ضمیر اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ اللہ نے ان کو وحی کی کہ وہ نیکی کے کام سرانجام دیں۔ اس میں ائمہ کا ذکر کہاں ہے؟ کیا شیعہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ان کے ائمہ کی طرف بھی وحی کرتا ہے اور یہ کہ وحی کا سلسلہ ابھی منقطع نہیں ہوا؟ کیا اللہ کے کلام و بیان سے بھی زیادہ واضح کوئی شے ہے؟۔

اے عوامِ شیعہ: بذات خود اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرو اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ تم اللہ سے ملنے والے ہو۔

فطرتِ سلیم جومحبت و خضوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہووہ شیعہ عوام میں سے ہر باشعور شخص کے لئے لازم ٹھہراتی ہے کہ وہ جب بھی اپنے علماء میں سے کسی کو دیکھے کہ وہ آیت میں سے اپنے موقف سے مناسبت رکھنے والا حصہ پیش کر رہا ہے اور اس سے پہلے اور بعد والا حصہ چھوڑ رہا ہے تواس کے جھوٹ اور دھوکہ دہی سے آشنا ہو کراس سے اظہارِ براءت کر دے بلکہ اس سے بچ کر رہے اور یہ جان رکھے کہ اس طرح کے داعیانِ ضلالت جہنم کی طرف بلاتے ہیں جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ جس دن پیروکار جن کی پیروی کیا کرتے تھے ان کو پہچانیں گے بھی نہیں، ہر کوئی اپنے ساتھی پر الزام لگائے کہ اس نے اسے گمراہ کیا۔ جس دن ہر گمراہ ہونے والا اس شخص پر لعنت کرے گا جس نےاسے گمراہ کیا۔یہ لوگ ایک دوسرے سے اظہارِ براءت کریں گے بلکہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ إِنَّمَا ٱتَّخَذْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ أَوْثَٰنًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَأْوَىٰكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴿٢٥﴾﴾ [العنکبوت: ۲۵]

«اور اُس نے کہا: "تم نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دُوسرے کا انکار اور ایک دُوسرے پر لعنت کروگے اور آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا»۔

اسی طرح امامت پر ان کے دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِـَٔايَٰتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾﴾ [السجدة: ۲۴]

«اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے ائمہ (پیشوا) پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے»۔

ان کا کہنا ہے کہ یہ آیت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ ہمارا جواب گزشتہ جواب کے مشابہ ہے کہ علماء شیعہ قرآن کا وہ حصہ لے لیتے ہیں جو ان کے حسبِ منشا ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس سے پہلے والی آیت نمبر ۲۳ کو ہم دیکھیں جو اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ فَلَا تَكُن فِى مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآئِهِۦ ۖ وَجَعَلْنَٰهُ هُدًى لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٢٣﴾﴾ [السجدة: ۲۳]

«اس سے پہلے ہم موسی کو کتاب دے چکے ہیں، لہٰذا اُسی چیز کے ملنے پر تمہیں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔ اُس کتاب کو ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا تھا»۔

جیسا کہ بہت واضح ہے کہ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً﴾ میں ضمیر موسی علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جو شخص ان آیات کو ایک تسلسل کے ساتھ پڑھتا ہے اس کے لئے اس میں کوئی التباس نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ شیعہ علماء ان کلمات یعنی "ائمہ" اور "ولایۃ" کا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے ماقبل اور مابعد کو چھوڑ دیتے ہیں اور شیعہ لوگوں نے اللہ تعالی کی واضح کتاب کو چھوڑ دیا ہے، جو اللہ کی عدالت میں حساب کے دن ان کے خلاف گواہ بن کر آئے گی، جس دن کوئی ایسا حامی و ناصر نہ ہو گا جس کی بات مانی جائے۔

باقی رہا ان کا اس آیت سے استدلال کہ:

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ ﴿٥﴾﴾ [القصص: ۵]

«اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کیے گئے تھے اور انہیں ائمہ (سردار) بنا دیں اور انہیں وارث کریں»۔

اس کے بارے میں شیعہ کے شیخ القمی معانی الاخبار میں مفضل بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، حسن اور حسین علیہم السلام کو دیکھا اور رو دیئے اور فرمایا: میرے بعد تم ہی مستضعفین (کمزور کئے گئے) ہو گے۔ مفضل کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا: "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! اس کا کیا مطلب ہے؟"۔ ابو عبد اللہ نے جواب دیا: اس کا معنی یہ ہے کہ میرے بعد تم ہی ائمہ ہو گے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُواْ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ۝٥﴾ [القصص: ۵]

«اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کیے گئے تھے اور انہیں ائمہ (سردار) بنا دیں اور انہیں وارث کریں»۔

یہ آیت قیامت تک کے لئے ہمارے لئے ہے۔[1]

اسی طرح القمی نے امالی میں ابو الصادق سے روایت کیا ہے کہ: مجھ سے علی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے لئے اور ہمارے بارے میں ہے: ﴿وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُواْ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ۝٥﴾ [القصص: ۵]

اب میں شیعہ عوام سے یہ چاہوں گا کہ وہ اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات کو پڑھیں تا کہ ہماری طرف سے کسی بھی طرح کی دخل اندازی کے بغیر ہی ان کے سامنے حق واضح ہو جائے اوروہ بذات خود فیصلہ کر سکیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى ٱلْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْىِۦ نِسَآءَهُمْ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلْمُفْسِدِينَ۝٤ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسْتُضْعِفُواْ فِى ٱلْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ ٱلْوَٰرِثِينَ۝٥ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَٰمَٰنَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُواْ يَحْذَرُونَ۝٦﴾ [القصص: ۴-۶]

«بےشک فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر دیئے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کمزور کر رکھا تھا بایں طور کہ ان کے لڑکوں کو قتل کرتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھتا۔ بےشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کیے گئے اور انہیں ائمہ (سردار) بنا دیں اور انہیں وارث کریں۔ اور انہیں ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھا دیں جس کا وہ خطر کیا کرتے تھے»۔

اے انصاف پسند آدمی! کیا آپ پر بات واضح نہیں ہو رہی کہ شیعہ علماء قرآن کے ساتھ کھلواڑ کر تے ہیں اور اس میں جو کچھ ان کی جھوٹی باتوں کے موافق ہوتا ہے صرف اسے لیتے ہیں!۔

1۔ معانی الاخبار، القمی، ص: ۷۹

وہ آیت جس کو شیعہ امامت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اس سے پہلے اور بعد والی دونوں آیات سے ہم پر پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ آیت فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کو کمزور کرنے، ان پر غالب ہونے، ان کے لڑکوں کو ذبح کرنے اور عورتوں کو زندہ رکھنے، زمین پر قابض ہو جانے اور ظلم و زیادتی کے ساتھ تسلط جما لینے کے سیاق میں آئی ہے۔

یہ تمام آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اور اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ: (وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ)، اس کا معنی یہ ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کے بعد وہ زمین کے وارث ہوں گے۔ یہی سب کچھ موسی علیہ السلام کے دور میں ہوا۔ اللہ تعالی نے فرعون کو اس کے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں ہلاک کر دیا اور ان کی سرزمین کمزور کر دیئے جانے والے لوگوں کو دے دی۔ آیت میں "المستضعفون" سے مراد کمزور لوگ ہیں جو کچھ بھی طاقت و سکت نہیں رکھتے جیسے ایسے عاجز و قاصر لوگ جو اپنے اندر اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے حقوق ہی چھڑا سکیں۔ کیا ائمہ اس طرح کے تھے؟

باقی رہیں شیعہ کی سابق الذکر روایات جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہیں ان کے بارے میں واضح ہے کہ وہ سب من گھڑت ہیں کیونکہ وہ اللہ کی کتاب میں مذکور اس کے کلام کے برخلاف ہیں جو یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان لوگوں کو قرآن میں جب کوئی ایسی بات نہ ملی جو ان کی افتراء پردازیوں میں ان کو سہارا فراہم کرتی تو آیات کے واضح معانی کو ائمہ کی طرف منسوب جھوٹی روایات کے ذریعے منسوخ کرنا شروع ہو گئے۔ حالانکہ ائمہ ان سے بری ہیں۔

اس سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ شیعہ علماء اور عوام اپنے اولیاء اور ان کے دین کے بانیان کی خرافات کی اتباع کرتے رہے اور انہوں نے ان کو اپنے رب اور خالق کے کلام پر بھی تھوپ دیا اور اس طرح اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی جس کا فرمان ہے:

﴿ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ۝٣﴾ [الأعراف: ٣]

«لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو»۔

جہاں تک تعلق ہے اس آیت کا جس کو وہ اثباتِ امامت کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں یعنی اللہ تعالی کا فرمان کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء: ۵۹]

«اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے»۔

میں بڑے سادہ انداز اور آہستہ روی سے اس آیت کی تشریح کروں گا تاکہ شیعہ عوام اللہ کے حکم سے حق کو سمجھ کر اس کی اتباع کر سکیں۔ کیونکہ قرآن کریم سے اثباتِ ولایت کے لئے وہ سب سے زیادہ اسی سے استدلال کرتے ہیں اور یہی ان کی طاقت ور ترین دلیل ہے۔

آیت کے آغاز میں اللہ تعالی تمام مومنوں سے مخاطب ہیں: (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا)۔ اس لئے اللہ سب سےپہلے حکم دیتا ہے کہ: أَطِيعُوااللهَ (اللہ کی اطاعت کرو)۔ یہ اطاعت مطلق ہے۔ اس لئے دوسرا حکم یعنی اطاعتِ رسول کا حکم آتا ہے اور یہ بھی مطلق اطاعت ہے: وَأَطِيعُواالرَّسُولَ (اور رسول کی اطاعت کرو)۔ کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور اپنے رب کی طرف سے (اس کے پیغام کو) پہنچانے والے ہیں۔ آپ ﷺ معصوم ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔

اللہ اور اس کے رسول کی مطلق اطاعت کے بعد اللہ سبحانہ و تعالی کی طرف سے اولی الامر کی اطاعت کا حکم آتا ہے: وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ. (اور اطاعت کرو اپنے میں سے اولی الامر افراد کی)۔ لیکن ہم آیت میں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اولی الامر سے پہلے لفظ " وَأَطِيعُوا" ذکر نہیں کیا۔ یعنی آیت اس طرح سے نہیں ہے: وَأَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ بلکہ اس طرح سے ہے: وأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ- یہ (واو) ما قبل عبارت کے لئے واو عاطفہ ہے۔ اس طرح کیوں کیا گیا؟

ایسا اس لئے کیا گیا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اولی الامر ان کی مخالفت کر رہا جن کی مطلق اطاعت کا حکم ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول۔ چنانچہ اولی الامر کی اطاعت ماقبل یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہو کر آئی۔

اگر ہم شیعہ کی ہم نوائی کرتے ہوئے فرض کر لیں کہ اولی الامر سے مراد ائمہ ہیں تو ہم پوچھیں گے کہ: اللہ تعالی نے آیت میں یوں کیوں نہ فرما دیا کہ: "أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأَطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ"۔ کیا ائمہ معصوم نہیں ہیں جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے؟ اور معصوم کی تو اطاعت مطلقہ واجب ہوتی ہے۔ بلکہ آیت کے آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف یعنی قرآن و سنت کی طرف لوٹانے کا حکم ہے اور ائمہ کی طرف کسی بھی قسم کا کوئی اشارہ نہیں کیا گیا۔

اللہ جل تعالی نے اختلاف کی صورت میں صرف اس قدر فرمانے پر اکتفاء کیا کہ: ﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾. «اگر تمہارا کسی شے میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اورا س کے رسول کی طرف لوٹا دو»۔ اگر اولوالامر سے مراد ائمہ ہوتے تو بصورتِ تنازع آیت کے آخر میں اللہ تعالی ہمیں معاملے کو ان کی طرف لوٹانے کا حکم دیتے۔کیوں؟ کیونکہ یہ ان کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ آیت کے شروع میں اللہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم دے اور آیت کے آخر میں معاملے کو ان کی طرف لوٹانے کو واجب نہ ٹھہرائے!۔ معاملے کو ائمہ معصومین کے پاس لے جانے کا حق کہاں گیا!!؟ اور بوقتِ نزاع امت کا ان پر جو حق آتا ہے وہ کہاں گیا!!؟۔

چنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس آیت میں اللہ کی (اولی الامر) سے مراد مراد ائمہ ہوں۔ شیعہ کے عقیدہ کی رو سے جس بات کا وہ دعوی کر تے ہیں اس میں آیت غیر مربوط ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص ربطِ آیت میں شک کرتا ہے وہ ملحد ہے۔

چنانچہ ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ شیعہ علماء اپنے دین کی تایید میں کتاب اللہ کی طرف وہ غلط باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کر رہے ہیں جو اس میں نہیں ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ہم یہ کہیں گے کہ اگر یہ آیت ولی امر کی مطلق اطاعت کے بارے میں ہوتی تو ہر فاسق ولی امر کے لئے ایک سبب اور حجت بن جاتی کہ نصِ قرآن کی رو سے اس کی

اطاعت واجب ہے اور اس بنا پر وہ اپنی رعیت سے یہ کہہ کر قتال کرتا کہ قرآن میں اس کی اطاعت مطلقہ کا ذکر ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی نص کی رو سے ولی الامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول ﷺ یعنی کتاب و سنت کی اطاعت سے مشروط ہے کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ غیر صالح اولو الامر بھی ہوں گے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی دی گئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے۔

یہ بات دلالت کرتی ہے کہ یہ عظیم آیت مسلمانوں کے امور کو سنبھالنے والے حکمرانوں کے لئے اتری جو ہر جگہ اور ہر دور میں کتاب و سنت کے ساتھ فیصلے کرتے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ غیر معصوم ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ خطا بھی کریں اس لئے ان کی اطاعت، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔

اور جب تنازع ہو جائے تو ان کے مابین تنازع کے فیصلے کے لئے اس کو صرف اور صرف کتاب و سنت کی طرف لوٹا یا جائے گا۔

چنانچہ قرآن میں ایک بھی ایسی آیت نہیں جس کے ساتھ شیعہ ہر زمانے میں امام کے وجود کی اہمیت کو ثابت کر سکیں۔ بلکہ قرآن پوری صراحت کے ساتھ ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴿٤٧﴾﴾ [یونس: ۴۷]

«ہر امّت کے لیے ایک رسُول ہے۔ پھر جب کسی امّت کے پاس اُس کا رسُول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پُورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا»۔

اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالی نے رسول کے بعد کسی وصی یا امام (کی اطاعت) کا حکم نہیں دیا۔

قرآن کی جس آیت سے شیعہ حضرات ولایت پر استدلال کرتے ہیں وہ اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ﴿٥٥﴾﴾ [المائدۃ: ۵۵]

«تمہارے ولی (دوست/رفیق) تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں»۔

سابق الذکر آیت کی تفسیر اور اس کے سببِ نزول کے بارے میں کتبِ شیعہ میں متعدد روایات آئی ہیں جو ان کے مابین مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک امامِ باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ: "یہودیوں کی ایک جماعت مسلمان ہوگئی جن میں عبداللہ بن سلام، اسد، ثعلبہ، ابن یامین اور ابن صوریا شامل تھے۔ یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: اے اللہ کے نبی! موسی علیہ السلام نے یوشع بن نون کو وصی بنایا تھا۔ یا رسول اللہ! آپ کا وصی کون ہے؟ اور آپ کے بعد ہمارا ولی کون ہو گا؟۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ﴾۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اٹھو۔ چنانچہ یہ لوگ اٹھ کر مسجد میں آ گئے تو دیکھا کہ ایک سائل باہر آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اے سائل! کیا کسی نے تمہیں کوئی شے نہیں دی؟ اس نے جواب دیا: یہ انگوٹھی دی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تم کو یہ انگوٹھی کس نے دی؟ اس نے جواب دیا: مجھے یہ اس شخص نے دی ہے جو نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: اس نے تم کو یہ انگوٹھی کس حالت میں دی؟ اس نے جواب دیا: حالتِ رکوع میں۔ اس پر نبی ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور مسجد میں موجود تمام لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تمہارا ولی علی ہو گا۔ لوگوں نے کہا: ہم اللہ کے رب ہونے اور محمد کے نبی ہونے اور علی بن ابی طالب کے ولی ہونے پر راضی ہو گئے۔ اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ﴾ [المائدۃ: ۵۶]۔

شیعہ لوگ عمر بن شمر سے اور وہ جابر سے اور وہ ابو جعفر الباقر صلوات اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ: "جب عمر بن خطاب کی وفات کا وقت آیا۔۔۔یہاں تک کہ امام علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے میرے علاوہ کسی اور نے حالت رکوع میں زکوۃ دی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: نہیں۔ علی علیہ السلام نے فرمایا: میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میرے علاوہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ۝٥٥﴾ [المائدۃ: ۵۵]

«تمہارے ولی (دوست) تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں»۔

انہوں نے جواب دیا کہ : نہیں"۔

میں کہتا ہوں- و اللہ المستعان -: اگر ہم آیت میں الفاظ (والذین آمنوا) پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ یہ الفاظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آئے ہیں جب کہ علی رضی اللہ عنہ واحد ہیں۔ یہ بات عربی زبان کی فصاحت سے مکمل طور پر متعارض ہے چنانچہ خود قرآن سے اس کا تعارض کیوں نہ ہوگا جب کہ وہ اللہ تعالی کا کلام ہے۔

اگر یہاں مراد علی رضی اللہ عنہ ہوتے تو آیت اس طرح سے ہوتی کہ: "والذي يقيم الصلوة و يؤتي الزكوة و هو راكع"۔(جو نماز قائم کرتا ہے اور زکوۃ ادا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ رکوع میں ہو)۔ یا پھراللہ ان کا نام ذکر کردیتا یا کسی ایسی واضح شے کو ذکر فرما دیتا جو اس بات پر دلالت کررہی ہوتی کہ یہاں علی رضی اللہ عنہ مقصود ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالی حق کو بیان کرنے سے حیا نہیں کرتے۔

چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ کی عظیم کتاب میں اس کی طرف اس طرح کے غلط لغوی تناقضات منسوب کئے جائیں ۔ پاک ہے اللہ جس نے اپنی کتاب کی تعریف فرمائی اور اسے احسن الحدیث اور اصدق القول کہا اور جو عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں:

﴿قُرْءَانًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِى عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝٢٨﴾ [الزمر: ۲۸]

«ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے، تاکہ وہ برے انجام سے بچیں»۔

اسی طرح اہلِ علم نے بیان کیا ہے کہ انگوٹھی کو بطور زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ زکوۃ دراہم و دنانیر، سامانِ تجارت اور زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کے ذریعے ادا ہوتی ہے اور اس کی اپنی شرائط، کیفیت اور حساب ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ پر تو کوئی زکوۃ واجب ہی نہیں ہوتی تھی کیونکہ خود شیعہ اعتراف کرتے ہیں کہ مالی طور پر آپ فقیر تھے خاص طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور خلافت سنبھالنے سے پہلے جب یہ آیت نازل ہوئی تھی!!۔

اسی طرح زکوۃ بذات خود ایک مستقل عبادت ہےچنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ زکوۃ دینے والا جب خشوع کے ساتھ اپنی نماز میں ہو تو اس دوران زکوۃ یا صدقہ بھی دے دے۔چنانچہ یہ سائل علی رضی اللہ عنہ سے کیسے مانگ رہا تھا حالانکہ وہ آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ رہا تھا اور علی رضی اللہ عنہ اپنی نماز میں خشوع کر

چھوڑ کو کس طرح اس کی بات سن رہے تھے!!؟۔ کیا اس میں علی رضی اللہ عنہ کے خشوع پر طعن نہیں کیونکہ وہ فقیر کی بات سن کر اللہ تعالی کے اس فرمان کی مخالفت کر رہے تھے کہ:

﴿ٱلَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ﴾ [المؤمنون: ۲]

« وہ جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں»۔

اسی طرح اگر حقیقت میں علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا بھی تھا تو پھر شیعہ نے اس فعل کو اپنے نمازوں میں بطور سنت اختیار کیوں نہ کیا علی رضی اللہ عنہ کے بعد وہ اس سنت کی اتباع کرتے ۔ کیا علی رضی اللہ عنہ امام اور شارع نہیں تھے؟۔ اسی طرح آیت میں کلمہ حصر "إنما" موجود ہے۔تو کیا پھر شیعہ نے اس بنا پر ولایت کو علی رضی اللہ عنہ پر مقصور کر دیا اور باقی ائمہ کو انہوں نے بھلا دیا!!؟

شیعہ کےاس استدلال کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا صرف ایک امام ہو گا یعنی علی بن ابی طالب !!۔

مجمع الزوائد میں الہیثمی اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں: "اس (روایت کی سند) میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا"۔ الہیثمی رحمہ اللہ اشارہ کر رہے ہیں کہ روایت (کے سلسلہ سند) میں کچھ نامعلوم افراد ہیں۔[1] (جو روایت کی کمزوری پر دلیل ہے۔)

ابن کثیر اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: اس روایت کو ابن مردویہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر کی حدیث سے روایت کیا ہے اور اس میں کوئی بات درست نہیں کیونکہ اس کی اسانید میں ضعف ہے اور رجال میں جہالت ہے۔[2]

طبرانی المعجم الاوسط میں کہتے ہیں: "اس روایت (کو نقل کرنے) میں خالد بن یزید متفرد ہیں اور جس شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ ثعلبی ہیں ۔ ثعلبی وہ شخص ہیں جن کو "حاطب اللیل" (رطب و یابس جمع کرنے والا) کہا جاتا ہے کیونکہ وہ صحیح اور ضعیف کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے اور ان کی اکثر راویات" کلبی عن ابی صالح" کے طریق سے مروی ہیں اور اہلِ علم کے نزدیک تفسیر میں ان کی مرویات کمزور ترین ہوتی ہیں"۔[3]

1۔ مجمع الزوائد للہیثمی: ۱۷/۷

2۔ تفسیر ابن کثیر: ۱۳۰/۳

3۔ المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۱۸/۶

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: "طبرانی نے اسے محمد بن علی الصائغ کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں نقل کیا ہےاور ابن مردویہ نے عمار بن یاسر کی حدیث سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: علی کے پاس ایک سائل کھڑا ہو گیا دراں حالیکہ وہ نماز میں کھڑے تھے۔۔۔الحدیث۔

اس حدیث کی اسناد میں خالد بن یزید العمر ہیں جو متروک ہے۔ ثعلبی نے اسے ابو ذر کی طویل حدیث میں روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ساقط ہے"۔[1]

چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ اسلام کے رکن امامت کی بنیاد ان ضعیف آثار پر رکھی جائے۔

یہ آیت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب انہوں نے یہودیوں کے ساتھ اپنے پہلے سے کئے گئے ایک معاہدے سے اظہارِ براءت کیا جب یہودیوں نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تھا۔

آیت کے بارے میں تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر میں ابن جریر کے واسطے سے آیا ہے کہ یہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب بنو قینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ اس پر عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے طرف چل دیئے ۔ وہ بنی عوف بن الخزرج کے ایک فرد تھے اور ان سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت میں ان کے حلف سے دستبردار ہو گئے اور کہا: میں اللہ، اس کے رسول اور مومنین کو دوست بناتا ہوں اور کفار کے حلف اور ان کی ولایت سے میں اظہارِ براءت کرتا ہوں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ﴾ [المائدة: ۵۵].

«تمہارا دوست اللہ، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے»۔

یعنی یہودی تمہارے اولیاء (دوست) نہیں ہیں بلکہ تمہاری ولایت (دوستی) اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ﴾ [المائدة: ۵۵]

«جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں»۔

1۔ الکافي الشافي في تخريج أحاديث الكشاف، لابن حجر العسقلاني، کشاف کا حاشیہ: ۶۴۹/۱

یعنی مومن جو ان صفات سے متصف ہیں یعنی نماز قائم کرنا جو اسلام کے اہم ترین ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ یہ نماز صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لئے ہوتی ہے اور زکوۃ دینا بندوں کا حق اور ضرورت مند کمزور و مساکین کی مدد ہے۔ جہاں تک تعلق ہے اللہ کے فرمان : وَهُمْ رَاكِعُونَ کا۔ تو اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ یہ: "وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ"یعنی حالتِ رکوع میں، سے جملہ حالیہ ہے ۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر تو حالت رکوع میں زکوۃ دینا دوسری صورتوں سے افضل ہوتا کیونکہ اس کی تعریف کی گئی ہے، حالانکہ ائمہ فتوی کے نزدیک معاملہ ایسا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بعض نے تو اس بارے میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ یوں کہ جب وہ حالتِ رکوع میں تھے تو ان کے پاس سے ایک مانگنے والا گزرا تو انہوں نے اس کو اپنی انگوٹھی دے دی۔

ابن کثیر نے ایسی روایات ذکر کی ہیں جو اس طرف اشارہ کرتی ہیں ۔ پھر انہوں نے وضاحت کی کہ ان میں سے کوئی شے بھی صحیح نہیں کیونکہ ان کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے اور ان کی روایت کرنے والے افراد نامعلوم ہیں۔بعد ازاں انہوں نے لکھا ہے کہ: ہم نے جو احادیث پہلے ذکر کی ہیں ان میں گزر چکا ہے کہ یہ تمام آیات عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئیں جب انہوں نے یہودیوں کے حلف سے براءت کا اظہار کیا اور (اس کے بدلے میں) انہوں نے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے ساتھ دوستی کو پسند کیا۔

اسی لئے اس سب کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ﴿٥٦﴾﴾ [المائدۃ: ۵۶]

« اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بنالے اُسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے»۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے یہ فرمایا کہ :

﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُوْلَٰٓئِكَ كَتَبَ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْإِيمَٰنَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ ۚ أُوْلَٰٓئِكَ حِزْبُ ٱللَّهِ ۚ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ﴿٢٢﴾﴾

[المجادلۃ: ۲۲]

«تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ اُن کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے، یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کرکے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں»۔

چنانچہ جو شخص بھی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کی ولایت (دوستی) پر راضی ہو جاتا ہے وہی حقیقی مومن ہے اور وہی ہے جو دنیا و آخرت میں کامیاب ہو گا۔

اگر ہر شیعہ انصاف کے ساتھ وہ آیت جسے وہ آیتِ ولایت کا نام دیتے ہیں اس سے پہلے اور اس کے متصلا بعد آنے والی آیات پڑھے تو اس پر ان کا حقیقی اور مقصودی معنی واضح ہو جائے گا۔ آیت مومنین کی مودت اور ان کی مدد کرنے کے بارے میں بات کر رہی ہے نہ کہ امامت کے موضوع کے بارے میں۔ کیوں؟ کیوں کہ اللہ تعالی نے اس آیت سے پہلے مومنین سے فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَـٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ۝٥١﴾ [المائدۃ: ۵۱]

«اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے، یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے»۔

یہاں تک کہ فرمایا:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ۝٥٥ وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَـٰلِبُونَ ۝٥٦﴾ [المائدۃ: ۵۵-۵۶]

«تمہارے دوست تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بنالے اُسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے»۔

اور یوں یہاں سے حق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

باقی رہا شیعہ علماء کا وہ استدلال جو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کرتے ہیں کہ:

﴿وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّى جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِى ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٢٤﴾﴾ [البقرة: ۱۲۴]

«یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اتر گیا، تو اس نے کہا: "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" ابراہیمؑ نے عرض کیا: "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے»۔

ان کا کہنا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نبی تھے جو امتحان کے بعد امام بن گئے تا کہ ثابت کر سکیں کہ امامت نبوت سے اعلیٰ ہوتی ہے اور یوں ائمہ کے مقامات اور ان سے تعلق کو بڑھا کر پیش کر سکیں۔ یہ وہ بات ہے جو تمام علماء شیعہ کی اختیار کردہ ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنے اقوال اپنی کتابوں سے لئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول اس آیت کے ضمن میں تفسیر میزان میں طباطبائی کا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے: "یہ واضح ہے کہ امامت نبوت کا غیر ہے کیونکہ یہاں جعل (امام بنایا جانا) اللہ کی طرف سے امتحان کے بعد ہوا ہے جو کہ اس وقت انبیاء میں سے ایک نبی تھے چنانچہ وہ جعل کے ذریعے امام بنا دیئے گئے۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ جعل اور عہد الٰہی ظالموں کو نہیں ملا کرتا"۔

اس طرح سے نبوت کے مقام کو گھٹا دیا بلکہ انبیاء کی امامت ہی کی نفی کر دی اور اس معلوم قاعدے کو توڑ دیا جو کہ یہ ہے کہ: ہر نبی امام ہوتا ہے اور ہر امام نبی نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کے صحیح ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَٰجِنَا وَذُرِّيَّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَٱجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾﴾ [الفرقان: ۷۴]

«جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ: "اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا»۔

آیت میں یہ ایک دعا ہے اور مستحب ہے کہ ہر مومن یہ دعا کرے کہ وہ متقین کا امام بن جائے۔ جب کہ شرعی اور عقلی طور پر یہ جائز نہیں کہ کوئی مومن یہ دعا کرے کہ وہ نبی بن جائے۔

یہاں سے شیعہ علماء کی جہالت کی حد عیاں ہوتی ہے اور واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض تعصب و گروہ بندی کی بنا پر اپنے مذہب کو کامیاب کرانا چاہتے ہیں۔

یہاں میں ہر شیعہ سے سوال کرتا ہوں کہ نبوت اور امامت میں سے کیا افضل ہے اور کس کا مقام زیادہ بلند ہے؟۔ سب شیعہ کہیں گے کہ: امامت نبوت سے افضل ہے۔ پھر یہ سوال ہو گا کہ کہ ابراہیم علیہ السلام زیادہ افضل ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ؟ تمام شیعہ بنا کسی تردد کے جواب دیں گے کہ: "امام علی افضل ہیں کیونکہ وہ امام ہیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام سے بلند درجہ ہیں"۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نبوت اور امامت دونوں اعزاز رکھتے ہیں جب کہ علی رضی اللہ عنہ صرف امام تھے اور کبھی بھی نبی نہیں رہے!!؟۔

اسی طرح اے شیعہ! چونکہ آپ لوگوں کے نزدیک امامت نبوت سے افضل ہے اس لئے آپ کے بارہ ائمہ میں سے ہر امام ہر نبی سے افضل ہو گا چاہے وہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں!!؟۔ اس بارے میں آپ کی متعدد واضح روایات ہیں جن میں سے ائمہ کی ایک یہ روایت ہے کہ: "ہمارے اللہ کے ساتھ کچھ ایسے حالات ہیں جس کی سکت نہ کسی مقرب فرشتے میں ہے اور نہ کسی نبی مرسل میں ہے"۔[1]

جب ہم ان کے سامنے یہ بات کرتے ہیں تو وہ غصہ میں آ کر کہتے ہیں: ہم ائمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افضل نہیں ٹھہراتے!!۔ حالانکہ ہم نہایت واضح انداز میں دیکھتے ہیں کہ شیعہ مذہب نے ائمہ کو وہ مقامات دیئے ہیں جو وہ اس نبی کو نہیں دیتے جس کی طرف صرف وحی کی جائے۔ جب کہ اپنے ائمہ کے بارے میں ان کا یہ کہنا ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں اور کائنات کے ہر ہر ذرے پر ان کا کنٹرول ہے۔

اگر ائمہ میں سے کوئی امام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا اور نبی پر وحی آنے والی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترنے والی ہے لیکن امام اگر چاہتا تو اسے اس بات کا بھی علم ہو جاتا جس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں۔ بلکہ شیعہ عقائد کی رو سے تو امام اگر چاہتا تو وحی کے مضمون سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پہلے آگاہ ہو جاتا!۔

1۔ الأربعون حديثا، للمجلسي، شرح حديث: ۱۵، بصائر الدرجات، ص: ۲۳، باب: ۱۱.

کیا اس سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ان کے ائمہ میں سے ہر امام نبی ﷺ سے افضل ہے؟ خمینی یہ کہتے ہوئے اس کی تصریح کرتا ہے کہ: "امام کو ایک مقامِ محمود، بلند درجہ اور تکوینی خلافت حاصل ہوتی ہے جس کے زیرِ اقتدار اور زیرِ تسلط اس جہان کے تمام ذرات ہیں ۔ یہ بات ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کو ایسا مقام حاصل ہے جس تک نہ کسی مقرب فرشتے کو رسائی ہے اور نہ کسی نبیِ مرسل کو"۔[1]

شیعہ میں سے جو لوگ نجات چاہتے ہیں ان کو جان لینا چاہئے کہ اللہ کے اس فرمان:

﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ [البقرة: ۱۲۴]

«میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں»۔

اس میں "جعل" کا معنی یہ نہیں کہ: میں آپ کو مقامِ امامت دوں گا جو ابھی تک آپ کو حاصل نہیں ہوا اور جس کے حق دار آپ امتحان کے بعد ہی بنتے تھے۔

امام کا لغوی معنی ہے: وہ شخص جس کی لوگ اقتداء اور پیروی کرتے ہوں۔ چنانچہ امام علم میں بھی ہوتا ہے اور نماز میں بھی اور امام حکمران بھی ہوتا ہے۔ کیا امتحان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام امام نہیں تھے؟ حالانکہ آپ علیہ السلام ابو الانبیاء ہیں جن کی توحید اور آپ کی سنت حنفیہ کی تمام انبیاء اقتداء کرتے ہیں، بلکہ آپ کو تو آپ کی امت کے ساتھ ساتھ بذات خود ایک امت بنا کر بھیجا گیا:

﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ۝١٢٠ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ٱجْتَبَىٰهُ وَهَدَىٰهُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝١٢١ وَءَاتَيْنَٰهُ فِي ٱلدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُۥ فِي ٱلْءَاخِرَةِ لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ۝١٢٢﴾ [النحل: ۱۲۰-۱۲۲]

«واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ نے اس کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا»۔

اسی طرح ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام جب کعبے کی تعمیر کے لئے پتھر اٹھا رہے تھے تو ان کی دعا تھی کہ وہ مسلمان ہوں ۔ یہ دعا اللہ کا یہ فرمان ہے کہ:

1۔ الحکومۃ الإسلامیۃ، ص: ۵۲

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَٱجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ [البقرة: ۱۲۷-۱۲۸]

«اوریاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرما لے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم (مُطیع فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا، جو تیری مسلم ہو»۔

کیا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اس "جعل" سے پہلے مسلمان نہیں تھے جو ان سے ان کا رب چاہتا تھا یا پھر وہ دونوں اس دعا سے پہلے بھی مسلمان تھے اور اس کے بعد بھی مسلمان تھے ۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے یہ طلب کر رہے تھے کہ وہ ان کی ذریت سے بھی ایسے لوگ بنا دے جو ان کے بعد پیغامِ ہدایت کی ذمہ داری اٹھا سکیں۔

اس رب کی طرف سے جس نے ان کی آزمائش کی تھی اور جس نے ان کو چنا تھا اس کی طرف سے یہ جواب آیا کہ:

﴿قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ [البقرة: ۱۲۴]

«فرمایا: میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہے»۔

اللہ تعالی عدل وانصاف کا ایک بہت بڑا قاعدہ مقرر فرما رہے ہیں کہ: امامت کا حق دار محض عمل کرنے اور راست روی و ایمان سے بنا جا سکتا ہے نہ کہ صلبی اور نسبی وراثت سے۔

یہی وہ بات تھی جو ابراہیم علیہ السلام سے کہی گئی۔ یہ بات قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ امامت ازراہِ وراثت نہیں ملا کرتی۔ اللہ کے نزدیک تو:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

«در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے»۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مطالبہ کیا کہ امامت ان کی ذریت کو بھی ملے تو یہ ان کی طرف سے اپنے اہلِ بیت کے لئے تعصب کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اہلِ خیر و صلاح اپنی اولادوں کے لئے

بھی نیکی ہی کی تمنا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ فرقان کے آخر میں ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ [الفرقان: ۷۴]

«جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا»۔

"قرۃ اعین" کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں کہ آباء کے لئے قرۃ العین (آنکھوں کی ٹھنڈک) یہ ہے کہ ان کے بچے نیک ہوں۔

باقی رہا ان کا قرآن کریم سے ولایت پر استدلال تو وہ اللہ کا یہ فرمان ہے :

﴿يَوْمَ نَدْعُوا۟ كُلَّ أُنَاسٍۭ بِإِمَـٰمِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِىَ كِتَـٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَـٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾﴾ [الإسراء: ۷۱]

«پھر خیال کرو اس دن کا جب کہ ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے امام (کتاب) کے ساتھ بلائیں گے۔ اُس وقت جن لوگوں کو ان کا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا گیا وہ اپنا کارنامہ پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا»۔

ہم کہتے ہیں کہ لفظ "بإمامهم" کتاب کے معنی میں آیا ہے کہ جس میں اللہ نے ہر شے شمار کر رکھی ہے۔ اہل سنت کی رائے کی تصدیق اللہ تعالی کا یہ فرمان کرتا ہے کہ:

﴿وَمِن قَبْلِهِۦ كِتَـٰبُ مُوسَىٰٓ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ وَهَـٰذَا كِتَـٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿١٢﴾﴾ [الأحقاف: ۱۲]

«حالانکہ اِس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے، اور یہ کتاب اُس کی تصدیق کرنے والی زبان عربی میں آئی ہے تاکہ ظالموں کو متنبہ کردے اور نیک روش اختیار کرنے والوں کو بشارت دے دے»۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا۟ وَءَاثَـٰرَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَىْءٍ أَحْصَيْنَـٰهُ فِىٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾﴾ [یس: ۱۲]

«ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ جو کچھ افعال انہوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے»۔

اور اسی طرح اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا ﴿١٣﴾ ٱقْرَأْ كِتَٰبَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ ٱلْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿١٤﴾﴾ [الإسراء: ١٣-١٤]

«ہر انسان کا شگون ہم نے اُس کے اپنے گلے میں لٹکا رکھا ہے، اور قیامت کے روز ہم ایک نوشتہ اُس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا۔ پڑھ اپنا نامہ اعمال، آج اپنا حساب لگانے کے لیے تو خود ہی کافی ہے»۔

چنانچہ مومن اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی کتاب وصول کرے گا اوراس کو دیکھ کر مسرور اور خوش ہو گا۔ مومن کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ ﴿١٩﴾﴾ [الحاقة: ١٩]

«اُس وقت جس کا نامہ اعمال اُس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا "لو دیکھو، پڑھو میرا نامہ اعمال»۔

اور کافر و منافق اپنی کتابوں کو اپنے بائیں ہاتھ سے اور پشت کے پیچھے سے وصول کریں گے اور پھر ہلاکت و بربادی کی دہائیاں دیں گے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَأَمَّا مَنْ أُوتِىَ كِتَٰبَهُۥ بِشِمَالِهِۦ فَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُوتَ كِتَٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾﴾ [الحاقة: ٢٥-٢٦]

«اور جس کا نامہ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہےگا: "کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا گیا ہوتا۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے»۔

اور آخر میں میں صرف اور صرف اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ :اگر ہم کسی ایسے آدمی کو لائیں جو نہ تو سنی ہو اور نہ شیعہ ہواور فصیح عربی زبان کو اچھی طرح جانتا ہواور اس کو ہم پورا قرآن دے کر کہیں کہ وہ ان تمام امور کا استنباط کرے جن کا قرآن میں اللہ ہمیں حکم دیتا ہے اور جن سے ہمیں روکتا ہے۔ یہ شخص ہر گز بھی قرآن سے کوئی ایسی شے نہیں نکالے گا جو صراحت کے ساتھ ائمہ سے تعلق رکھتی ہو۔ کیا وہ ہمارے لئے کوئی ایسی آیت نکال لائے گا جس میں یہ حکم ہو کہ ائمہ اہلِ بیت کی اطاعت کرو؟ یا پھر یہ کہ کم و بیش بارہ امام ہیں جن کی اطاعت واجب ہے؟ کیا یہ شخص ہمارے سامنے ایسی آیات نکال کر لائے گا جن میں کوئی شک نہ ہو اور جو ولایت کو واجب ٹھہراتی

ہوں اوراس کے احکام و شرائط کی تفصیل کرتی ہوں، اس کے منکر کی جزاء بیان کرتی ہوں اور اسے قائم نہ کرنے سے ڈراتی ہوں؟ حالانکہ یہ سب عین ارکانِ اربعہ کی طرح ہیں جن کوشیعہ ولایت سے کم اہمیت دیتے ہیں۔

یہ شخص ہمارے سامنے قرآن سے ایسے اوامر و نواہی ذکر کرے گا جن کا اللہ نے ایسی وضاحت سے ہمیں حکم دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ بلکہ ایسے دقیق امور بھی ذکر کرے گا جو ولایت سے بہت کم اہمیت کے خیال کئے جاتے ہیں جیسے اسلام کے سلام کرنے کا طریقہ، اجازت لینے اور غسل و وضوء کے آداب۔ یہاں تک کہ ایسے امور بھی جو عورتوں سے متعلق ہیں اور ان کی خصوصیات میں سے ہیں جیسے حیض و رضاعت یہ وہ امور ہیں جو ولایت سے بہت کم اہمیت کے سمجھے جاتے ہیں۔ یہ شخص قرآن سے یہ ثابت نہیں کرے گا کہ ولایت کا منکر جہنم میں جائے گا اور نہ ہی ہمارے سامنے یہ نکال کر لائے گا کہ اللہ اس عبادت گزار کی عبادت کو قبول نہیں کرتا جو ائمہ کی ولایت پر ایمان نہیں رکھتا۔

اے حضراتِ شیعہ! پھرآپ لوگ کیسے ایمان رکھتے ہیں کہ ولایت اسلام کا ایک رکن ہےجب کہ قرآن میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں؟ کیا امامِ باقر نے یہ نہیں کہا تھا کہ: "ہر وہ شے جس کی امت کو ضرورت تھی اللہ تعالی نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرما دیا اور اپنے رسول کے لئے اس کی وضاحت فرما دی اور ہر شے کی حد مقرر کر دی اور اس پر دلیل قائم فرما دی اور جو کوئی اس حد سے تجاوز کرے گا اس کے لئے حد (سزا)مقرر کر دی"۔[1]

اس سب کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ ولایت کے بغیر اسلام قبول نہیں کرتے گویا کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں رکھتے کہ جس ذات نے ایک دقیق نظام کے ساتھ اس کائنات کو چلایا ہے اسی ذات نے اسلام اور اس کے احکام کو ایک دقیق نظام کے ساتھ جاری کیا ہے۔

1۔ الكليني، الكافي، ج: ۱،ص: ۹۵، باب الرد إلى الكتاب و السنة۔

ائمہ نے ایسے معجزات نہیں چھوڑے جو ان کا مقام ثابت کرتے ہوں جیسا کہ نبیﷺ کے لئے قرآن و سنت میں معجزات کا ذکر ہے۔

ایک اعرابی سے اللہ کے وجود کی دلیل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ: نشان گزرنے پر دلالت کرتا ہے۔۔تو کیا پھر برجوں والا آسمان اور کشادہ راہوں والی زمین علیم و خبیر ذات کے وجو د پر دلالت نہیں کرتی؟۔

جب اللہ تعالی نے اپنے رسولوں اور انبیاء کو بھیجا تو ایسے معجزات کے ساتھ ان کی مدد فرمائی جو ان کی سچائی کو بیان اور ثابت کرتے تھے ۔ اللہ نے ہر امت کے مناسبِ حال نشانیاں بنائیں اور یوں ایسی شے کے ساتھ ان پر غالب آیا جو ان کے گرد و نواح میں ہوتی اور وہ اس میں مقابلہ بازی کر رہے ہوتے تھےتا کہ وہ کامل انداز میں قائل ہو کر اور پورے اطمینان کے ساتھ ایمان کے طرف سبقت کریں۔ یہ بات اللہ کی اپنی مخلوق کے ساتھ وسیع رحمت کی غماز ہے۔

موسی علیہ السلام کی قوم کے لوگ جادو میں مقابلہ بازی کرتے تھے، اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اس میں انتہائی درجے کی مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے موسی علیہ السلام کی قوم کے لئے حیران کن معجزات اور نشانیاں دیں جو اس چیز سے مناسبت رکھتی تھیں جس میں وہ آپس میں مقابلہ کرتے اور جسے وہ بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو عصا کی نشانی عطا فرمائی جو اژدھا بن گیا اور اس کے ساتھ آپ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرعون کے جادوگروں کو شکست دی اور اسی عصا نے اللہ کے حکم سے سمندر کو خشک کر دیا اور اس کے ذریعے اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اللہ نے موسی علیہ السلام کے لئے ستر افراد کو زندہ کر دیا جنہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں کھلم کھلا خدا دکھاؤ جس پر ان کو ایک بھونچال نے گھیر لیا اور پہاڑ کو اٹھا کر ان کے سروں پر اس طور بلند کر دیا گیا کہ گویا وہ اس کا سایہ ہو اور اس کے علاوہ بھی بہت سے آیاتِ بینات ہیں جو اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی رسالت کے سچائی کے لئے بطور دلیل فراہم کی۔

اللہ کے نبی عیسی علیہ السلام کی قوم علمِ طب اور فنِ ادویات میں مقابلہ بازی کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالی

نے عیسی ؑ کو جو معجزات عطا فرمائے وہ ان کی قوم سے مناسبت رکھتے تھے۔ چنانچہ عیسی ؑ اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے، کوڑھی اور نابینا کو شفایاب کرتے اور مردوں کو زندہ کرتے۔

جب کہ خاتم النبین و الرسل محمد ﷺ کی امت شعر اور فصاحت و بلاغت میں مہارت رکھتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے لئے ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جس کا ہم مثل لانے سے وہ قاصر رہے خواہ ایک چھوٹی سی آیت ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کا اپنی قوم میں اس طرح سے تعارف کرایا کہ آپ ﷺ نے نہ تو کوئی کتاب پڑھی اور نہ آپ ﷺ قلم سے لکھتے ہیں۔ یعنی آپ ﷺ امی ہیں تا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ اس قرآن کو محمد نے وضع کیا ہے اور اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ قرآن کریم سے اس کی واضح دلیل یہ ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُواْ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾﴾ [العنکبوت: ۴۸]

«(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے»۔

اور اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِىَّ ٱلْأُمِّىَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ﴾ [الأعراف: ۱۵۷]

«جو اِس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر اُنہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے»۔

اور فرمایا:

﴿هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّۦنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُواْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾﴾ [الجمعة: ۲]

«وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے»۔

شیعہ کی کتابوں میں ایسی بہت سی روایات آئی ہیں جن میں ہے کہ نبی ﷺ پڑھتے لکھتے تھے!!۔ ابو عبد اللہ البرقی، جعفر بن محمد الصوفی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: "میں نے ابو جعفر محمد بن علی الرضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ: اے رسول اللہ کے بیٹے! نبی ﷺ کو امی کا نام کیوں دیا گیا؟ انہوں نے پوچھا کہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں! ان کا خیال تو یہ ہے کہ نبی ﷺ کو امی کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ آپ ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس پر ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ: وہ جھوٹ بولتے ہیں —ان پر اللہ کی لعنت ہو- یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالی اپنے محکم کتاب میں فرماتے ہیں:

﴿هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا۟ عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ۝٢﴾ [الجمعة: ۲]

«وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود اُنہی میں سے اٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے»۔

آپ ﷺ ان کو اس بات کی تعلیم کس طرح دیتے تھے جس کو آپ ﷺ خود اچھی طرح نہیں جانتے تھے؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ بہتر یا تہتر زبانوں میں پڑھتے اور لکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو امی کا نام صرف اس لئے دیا گیا کہ آپ ﷺ اہلِ مکہ میں سے تھے اور مکہ امہات القری (بڑی اور بنیادی بستیوں) میں سے ہے۔ اللہ تعالی کے اس فرمان میں اسی کا بیان ہے کہ:

﴿وَلِتُنذِرَ أُمَّ ٱلْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ [الأنعام: ۹۲]

«اس کے ذریعہ سے تم بستیوں کے اِس مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو متنبہ کرو»۔[1]

چنانچہ اس سے پہلے کہ ہم اپنا گزشتہ موضوع پورا کریں شیعہ کے سامنے اس مسئلے کو بیان کرنا ضروری ہے۔

ہمیں قرآن میں نبی ﷺ کے امی ہونے کے بارے میں واضح اور صریح آیات ملتی ہیں۔ لغتِ

1۔ بصائر الدرجات، محمد بن الحسن الصفار، ص: ۲۴۸/۲۴۵، باب في أن رسول اللہ ﷺ كان يقرأ ويكتب بكل لسان، علل الشرائع لشيخهم الصدوق، باب: ۱۰۵، العلة التي من أجلها سمي النبي الأمي، الحديث: ۲.

عرب میں امی اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ عرب قوم پر چونکہ امیت غالب تھی بایں طور کہ ان میں بہت کم لوگ ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اس لئے اللہ تعالی کے اس فرمان میں اکثریت کے اعتبار سے حکم لگایا گیا:

﴿هُوَ ٱلَّذِى بَعَثَ فِى ٱلْأُمِّيِّـۧنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ [الجمعة: ۲]

اگر نبی ﷺ امی نہ ہوتے تو اس سے مشرکین عرب اور ان کے علاوہ دیگر تکذیب کرنے والوں اور یہودیوں کو طعنہ زنی کی ایک چیز مل جاتی کیونکہ نبی ﷺ کے امی ہونے کے بارے میں اللہ کا فرمان بالکل واضح ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَـٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾﴾ [العنكبوت: ۴۸]

«(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے»۔

وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہیں اور ان میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ منقول نہیں کہ اس نے نبی ﷺ سے کہا ہو کہ: تم غیر امی ہو۔

حالانکہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی دعوت کو رد کرنے کے لئے ہر ذریعہ اپنایا۔ کبھی انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کذاب ہیں، کبھی کہا جادو گر ہیں اور کبھی کہا کہ پاگل ہیں۔

یہ اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت تھی کہ اس کے نبی ﷺ امی ہوں۔ تا کہ کفار اور مشرکین بلاغتِ قرآن کے معجزہ کی بنا پر رسول ﷺ پر ایمان لانے میں سبقت کریں۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ مربوط قرآن جس کا ایک حصہ دوسرے کے لئے باعث تقویت ہے کسی بشر کا وضع کردہ ہو۔ پھر تب کیا صورتِ حال ہو گی جب وہ شخص جس پر بلیغ و معجز قرآن نازل ہوا وہ نہ پڑھنا جانتا ہو اور نہ قلم سے لکھ سکتا ہو! ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ کوئی بھی محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار نہ کر سکے اور یہ نہ کہہ سکے کہ یہ قرآن آپ ﷺ کے اپنے ہاتھ کا لکھا اور خود اپنا تالیف کردہ ہے۔

گزشتہ سطور میں جو کچھ گزرا اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے لئے کچھ کاتبین کا چناؤ کیا تھا جو وحی لکھا کرتے تھے۔ تاریخ نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ آپ ﷺ خود بھی وحی لکھا کرتے تھے۔ اگر آپ ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو ایسا ضرور کرتے خواہ ایک ہی مرتبہ

ہو ۔ تاہم آپ ﷺ سے ایسی کوئی بات منقول نہیں ہے۔ شاید صلح حدیبیہ کا معاہدہ اس کی وضاحت کرتا ہے جب آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ہمارے مابین (یہ معاہد لکھو کہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے"۔

اس پر مشرکین کہنے لگے: اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کی پیروی کرتے ۔ بلکہ اس طرح لکھو : محمد بن عبد اللہ۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان الفاظ (رسول اللہ) کو مٹا دیں۔[1]

اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ہم امی قوم ہیں، ہم لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتے"۔[2] احوذی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: "آپ ﷺ ی٥ فرمانا چاہ رہے تھے کہ وہ اپنی اسی اصل پر ہیں جس پر ان کی ماں نے ان کو جنا تھا، انہوں نے لکھنا اور حساب کرنا نہیں سیکھا چنانچہ وہ اپنی ابتدائی جبلت پر ہیں"۔[3]

کیا ابن رسول اللہ ابو جعفر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے لئے جو اخلاقِ عظیم کے مالک اپنے داد کے اخلاق اپنانے کے بہت حریص تھے یہ ممکن ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت کریں جو نبی ﷺ کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ آپ ﷺ امی تھے خاص طور پر جب کہ قرآن نے بھی یہ بات کہی ہو۔ کیا شیعہ عقیدے کے مطابق ابو جعفر وہ نہیں جو لوگوں کو سکھانے اور ان کی راہنمائی کے لئے اور ان کو بہترین انداز میں تعلیم دیے کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں نہ کہ ان پر لعنت کرنے کے لئے!!؟۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے بھی یہ روایت گھڑی ہے اس نے وہی کچھ لکھوایا جو اس سے اس کے بغض سے بھرے نفس نے لکھوایا کیونکہ اس نے ان سب اہل سنت پر لعنت کی جو اللہ کی کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یقین ہے کہ ابو جعفر کا اس روایت سے کوئی تعلق نہیں جو جھوٹ اور بے بنیاد ان کی طرف منسوب کی گئی ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کی مخالف ہے اور اس میں بداخلاقی ہے۔

1۔ صحیح مسلم: ۱۴۱۰

2۔ البخاری: ۱۹۱۳، و مسلم: ۱۰۸۰

3۔ تحفۃ الاحوذی، ج: ۸، ص: ۲۱۲

گزشتہ بات کو پورا کرتے ہیں۔ ہم نے کہا تھا کہ اللہ نے اپنے انبیاء کو ایسے معجزات سے نوازا جو ان کی قوموں سے مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں ایسی اشیاء تھیں جن سے وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور جن میں وہ مقابلہ بازی کیا کرتے تھے۔ ہم اپنے اس دور میں بھی دیکھتے ہیں کہ بہت سے غیر مسلم عرب و عجم قرآن اور حدیث کو نہیں مانتے اور ان کے آسمانی ہونے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ قرآن کے اعجاز لغوی سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ایسی آیات اور احادیث نبویہ میں ایسی چیزیں رکھ دیں ہیں جو ان لوگوں سے مناسبت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ان میں تمام میدانوں سے متعلق دقیق سائنسی معجزات ہیں جن کا شمار رب العالمین کی ذات ہی کر سکتی ہے جو بغیر مسلسل ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور جنہوں نے کرہِ زمین کے طبیعاتی، ارضیاتی، خلائی اور طبّی غرض تمام مضامین میں مہارت رکھنے والے سائنسدانوں کو حیران کر رکھا ہے۔

جب ان کو پوری طرح علم ہو گیا کہ قرآن اور سنت پہلے ہی ان باتوں کو بیان کر چکے ہیں تو مغرب و مشرق کے سائنسدان حیران رہ گئے۔یہ اہل سنت کی کتابوں میں محفوظ ہیں جو اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ ان کی کتابوں میں موجود احادیث نبوی آپ ﷺ کی ہیں او ر اسی طرح ہیں جس طرح آپ ﷺ نے ان کو بیان فرمایا تھا کیونکہ ان کے متون میں معجزہِ کلام ظاہر ہے اور ان میں وہ سائنسی معجزات ہیں جن کی خبر آپ ﷺ نے دی تھی۔

اللہ جانتا ہے کہ محمد ﷺ کی امت سائنسی ترقی میں سب امتوں سے آگے اور امکانات و وسائل اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے۔اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن عظیم اپنی وضاحت کی خاطر اور لوگوں کی ہدایت کے لئے کسی بھی وصی یا امام سے پوری طرح بے نیاز ہو کر اپنا مشن پورا کئے جا رہا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود سائنسی باتوں کا ترجمہ کیا گیا تو کثیر تعداد میں غیر مسلم اس سے بہت متاثر ہوئے اور یہ ایسے ہزاروں سائنسدانوں اور عام لوگوں کے اسلام لانے کا باعث بنی جو کافر تھے۔ ان میں سے ایک ایسا بھی تھا جس نے حق بات کہہ دی گو ایمان نہ لایا، اس کا کہنا تھا:" یہ قرآن ایک مقدس کتاب ہے جس (کے لکھنے) پر کوئی انسان قدرت نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ آسمان سے آئی ہے"۔ اسی طرح ان لوگوں نے احادیث نبوی کے بارے میں بھی گواہی دی کہ وہ دقیق سائنسی اعجاز کی حامل ہیں۔

شیعہ عوام کے لئے اہل سنت کی کتابوں کی تصدیق، ان پر اعتماد اور اس بات کو مان لینے کے لئے کہ وہ نبی ﷺ کے صحابہ سے جوں کی توں منقول ہیں، بطور دلیل صرف یہی بات ہی کافی ہے کیونکہ ان میں لفظی، لغوی اور سائنسی معجزات ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان سب کا مرجع نبی ﷺ ہیں۔ کیونکہ نبی کے سوا کسی بھی مخلوق کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس طرح کی احادیث لائے۔

اے شیعہ! اگر نصاری یا یہودیوں میں سے کوئی شخص آپ سے بحث کرنے لگے اور کہے کہ میرے لئے اپنے نبی محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت کرو تو محمد ﷺ کی نبوت سے متعلق آیات اور دلائل گنواتے ہوئے آپ کی زبان نہیں رکے گی چاہے وہ قرآن کی واضح نصوص سے لئے گئے ہوں یا پھر ثابت شدہ سائنسی دلائل سے جو ہمارے نبی ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتے ہیں جیسے شق قمر کا واقعہ جو رسول ﷺ کے زمانے میں پیش آیا جب مکہ میں آپ ﷺ کی قوم قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ کٹ حجتی کرتے ہوئے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا۔

بعثت کے نویں سال مشرکین ابو جہل، ولید بن المغیرہ اور العاص بن وائل کی سرکردگی میں اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: "اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لئے چاند کو دو ٹکڑے کریں"۔

اور واقعتاً آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ اللہ سبحانہ و تعالی کے حکم سے دو حصے ہو گا۔ اس کا آدھا حصہ جبلِ ابی قبیس کے اوپر نظر آ رہا تھا اور دوسرا نصف جبلِ قعیقعان پر نظر آ رہا تھا اور اس پر رسول اللہ ﷺ بطورِ شکر گزاری اللہ تعالی کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

قرآن نے اس کا اثبات کیا اور کتبِ حدیث نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے نقل کرتے ہوئے اس واقعے کو محفوظ کیا جنہوں نے اس معجزہ کو دیکھا اور اس زمانے میں کرہ ارض پر موجود سب لوگوں نے اسے دیکھا۔ ہمارے لئے اس بارے میں اللہ کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ:

﴿ٱقۡتَرَبَتِ ٱلسَّاعَةُ وَٱنشَقَّ ٱلۡقَمَرُ ۝١﴾ [القمر: ۱]

«قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا»۔

انشقاقِ قمر اُن محکم امور میں سے ہے جن کی قریش نے تکذیب کی۔ اور الحمد للہ اس انشقاق کی علامات اور آثار چاند کے نشیب و فراز میں آج تک باقی ہیں اور یہی بات ایک برطانوی باشندے داؤد موسی پڈکوک (David Musa Pidcock) کے اسلام لانے کا باعث بنی جس نے بریطانیہ میں ایک

اسلامی جماعت تشکیل دی جس کا نام اس نے اسلامی جماعتِ بریطانیہ (Islamic Party of Britain) رکھا اور اس نے خود اس کی صدارت سنبھالی۔

خلائی ایجنسی ناسا کا کہنا ہے: " یہ (انشقاقِ قمر) چاند کے سارے قُطر پر پھیلا ہوا ہے یعنی یہ چاند کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور یہ بات ایجنسی ناسا کے ہاں ثابت شدہ ہے"۔

چنانچہ اللہ کے فضل کے بعد یہ لوگ شب و روز اسلام قبول کیوں کر رہے ہیں؟ اس لئے کہ اللہ کے رسول محمدﷺ کی نبوت کے دلائل نے جو بہت ٹھوس، واضح اور ظاہر ہیں اور ہر نسل کے لئے ہیں تمام قوموں کے منکرین کی زبانوں کو گُنگ کر دیا ہے چاہے وہ عربی ہوں یا عجمی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان دو عظیم مصادر یعنی قرآن و سنت کی وجہ سے اسلام لانے والوں کی تعداد نے دشمنانِ اسلام کو بہت پریشان کر رکھا ہے جس کا اعتراف مغربی اور امریکی میڈیا بذاتِ خود کرتا ہے۔

چنانچہ صرف ظالم اور دانستہ انکار کرنے والے ہی محمدﷺ کی نبوت اور رسالت کو جھٹلاتے ہیں۔ کیونکہ آپﷺ کی نبوت کے دلائل بہت زیادہ، قوی اور بغیر کسی شک کے ثابت شدہ ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ [الأنعام: ۳۳]

«اے محمدؐ! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں»۔

جب کہ ہم نے نہیں سنا کہ مغربی و مشرقی سائنسدانوں میں سے کسی نے اہم سائنسی معجزے کا اکتشاف کیا ہو اور بعد ازاں اسے کسی امام کی طرف منسوب کیا گیا ہو باوجودیکہ ائمہ متعدد ہیں اور ہمیں ان کے کوئی ایسے نمایاں معجزات نہیں ملتے جس طرح نبیﷺ کے ہیں۔

ان سب باتوں کے بعد ہم حیرت سے شیعہ علماء اور عوام سے پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ تم علیؓ اور ائمہ کے گرویدہ ہو کر رہ گئے ہو حالانکہ قرآن نے ان میں سے کسی کی طرف اشارہ نہیں کیا خواہ محض ایک واضح اشارہ ہی ہوتا؟ اور نہ انہوں نے ہمارے لئے کوئی اپنے خاص معجزات چھوڑے ہیں جو ان کی صلاحیتوں اور اس امر کو ثابت کرتے کہ وہ امامت کے زیادہ حق دار ہیں؟

قرآن نے ہمیں نوح، موسی، عیسی اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کے بارے میں بتایا جن کے ناموں کا ذکر ہے اور ان کے کچھ واقعات اور معجزات بیان کئے۔ ہم ان سب پر ایمان لائے اور ہم نے ان

سب کے تصدیق کی اور ان کا انکار نہ کیا۔ جب کہ شیعہ مذہب اپنے ماننے والوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ ائمہ کی قدرت اور طاقت پر بھی ایمان لائیں محض ایسی روایات کی بنا پر جن کے بارے میں کوئی قرآنی یا علمی دلائل موجود نہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی شیعہ یہ کہے کہ ائمہ سے مروی ایسی روایات ہیں جن میں سائنسی اور طبّی معجزات پائے جاتے ہیں۔

میں اللہ سے مدد چاہتے ہوئے کہوں گا کہ: نبوی معجزات سب ربانی ہیں جن پر کوئی انسان بذات خود قدرت نہیں رکھتا۔ یہ محض اللہ کی قدرت ہے جن کو وہ اپنے رسولوں کو اس لئے دیتا ہے تا کہ وہ ان کو اپنے انبیاء اور رسولوں کی صداقت پر دلیل کے طور پر لوگوں کے سامنے رکھے۔ اور چونکہ ائمہ اللہ تعالی کی طرف سے مقرر نہیں کئے گئے اس لئے شیعہ کتب ائمہ کے بارے میں محفوظ کئے جانے والے سائنسی دلائل یا ایسے نمایاں اور باقی رہنے والے معجزات سے خالی ہیں جو ثابت کر تے ہوں کہ وہ اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہیں۔

ان کی کتابوں میں تلاشِ بسیار کے بعد مجھے بہت ہی تھوڑی ایسی روایات ملی ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ ان میں سائنسی یا طبّی اعجاز ہے۔ ان روایات کی اکثریت ایک صالح آدمی ابو عبداللہ الصادق اور الرضا کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے اپنے تمام اوصیاء میں سے صرف ابو عبد اللہ الصادق کو ہی ان روایات کے ساتھ خاص کیوں کیا؟۔ کیا ان کے دین کی رو سے یہ بات صحیح نہیں کہ تمام ائمہ نبی ﷺ سے علم کو از طریقِ توارث حاصل کرتے ہیں اور ہر امام اس علم کو اپنے بعد آنے والے کو سونپ دیتا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ بارہویں امام تک آ کر ختم ہو جاتا ہے؟۔

شیعہ کی کتابوں میں پائی جانے والی روایات میں سے یہ چند روایات جن کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ ان میں سائنسی اعجاز پایا جاتا ہے ان کو میں نے درج ذیل انداز میں تقسیم کیا ہے:

وہ روایات جو (درحقیقت) نبی ﷺ کے اقوال ہیں اور صادق رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے بھی پہلے سے اہل سنت کی کتابوں میں ثبت ہیں۔ تاہم انہوں نے ان کے بعض الفاظ میں کمی بیشی کر کے ان میں تحریف کی تا کہ اہلِ سنت کی مخالفت ہو سکے اور اس امر نے بے خبری میں خود ان کو ہی رسوائی میں مبتلا کیا۔ وہ اس طرح کہ جدید سائنس اور اس کی تحقیقات ان کی مبینہ سائنسی یا طبّی روایات کو غلط

قرار دیتی ہیں کیونکہ انہوں نے اہلِ سنت کی کتابوں میں سے جو کچھ نقل کیا اس میں انہوں نے (اپنی طرف سے) تبدیلی بھی کر دی۔

ایسی روایات جو صرف ان ہی سے مروی ہیں ۔ یہ روایات سائنسی اور طبّی لحاظ سے غیر صحیح ہیں کیونکہ یہ جدید سائنس کے کھلم کھلا مخالف ہیں۔

بے سرو پا روایات جو شرعی اور عقلی اعتبار سے غیر صحیح ہیں ۔

ایسی روایات جن میں کوئی بھی اعجاز نہیں۔ بلکہ یہ بہت ہی عام نوعیت کی معلومات ہیں یا پھر ایسے طبّی نسخہ جات ہیں جن کو شیعہ کتب وضع کرنے والوں نے اپنے آبا و اجداد سے سن رکھا تھا ۔ اب شیعہ مصنفین اور علماء امام کا نام لے کر ان کی شان میں بے جا اضافہ کرتے ہیں تا کہ اپنی عوام کو دھوکہ دے سکیں۔

مثلا : ایک شخص نے ابو عبد اللہ الصادق علیہ السلام سے کہا کہ: جناب! میں باندیاں خریدتاہوں اور چاہتا ہوکہ آپ مجھے کوئی ایسی شے کے بارے میں بتائیں جس کے ذریعے میں ان پر قوت حاصل کروں۔ اس پر ابوجعفر علیہ السلام نے فرمایا: سفید پیاز لے لو، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کو تیل میں فرائی کرلو ۔ پھر ایک انڈہ لواور اس کو ایک برتن میں ڈال لو اور اس پر کچھ نمک چھڑک دو ۔ پھر اس کو پیاز اور تیل پر انڈیل دو اور اس کو فرائی کر لو اور اس میں سے کھاؤ۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ: میں نے ایسا ہی کیااور پھر تو میں ان سے جو کچھ پانا چاہتاوہ پا لیتا تھا۔

اسی طرح ابو عبد اللہ الصادق کا ہندوستانی طبیب کے ساتھ وہ مناظرہ ہے جس کو علامہ مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار، ج: ۱۴، ص: ۴۷۸ پر ذکر کیا ہے۔ یہ مناظرہ بہت طویل ہے ہم اس میں سے جو بات پیش کرنا چاہ رہے ہیں وہ لے لیتے ہیں:

۔۔۔ عباد بن صہیب اپنے ابا سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ منصور کے وزیر ربیع سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ابو عبد اللہ علیہ السلام ایک دن منصور کی مجلس میں آئے۔ منصور کے پاس ہندوستان سے آیا ہوا ایک آدمی تھا جو اسے طب کی کتابیں پڑھ پڑھ کر سنا رہا تھا۔ ابو عبد اللہ بھی اس کی پڑھی جانے والے باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ ہندوستانی شخص خاموش ہوا تو اس نے آپ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابو عبد اللہ! میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے آپ بھی کچھ سننا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ: نہیں، میرے پاس اس سے بہتر ہے جو کچھ تمہارے پاس

ہے۔ اس نے پوچھا کہ: وہ کیا ہے؟ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: میں گرم کا سرد کے ساتھ اور سرد کا گرم کے ساتھ، تر کا خشک کے ساتھ اور خشک کا تر کے ساتھ علاج کرتا ہوں اور سارے کا سارے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہوں اور میں وہ شے استعمال کرتا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی اور میں جانتا ہوں کہ معدہ بیماری کا گھر ہے اور یہ کہ پرہیز ہر دواء کا سردار ہے اور میں جسم کو وہ شے دیتا ہوں جس کا وہ عادی ہو۔ اس پر اس ہندوستانی شخص نے کہا: کیا طب بس یہی کچھ ہے؟ صادق علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے یہ سب کچھ طب کی کتابوں سے لیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: ہاں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ سب صرف اور صرف اللہ تعالی سے لیا ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ: میں طب کو زیادہ جانتا ہوں یا تم زیادہ جانتے ہو؟ ہندوستانی نے جواب دیا کہ: بلکہ میں زیادہ جانتا ہوں۔ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ پوچھیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

سر پر بال اوپر کیوں رکھے گئے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا۔

پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا۔

ابرو آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔

ناک کو دونوں ابرؤوں کے درمیان کیوں بنایا گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا۔

ناک میں سوراخ نیچے کیوں بنایا گیا ہے؟ وہ بولا کہ: میں نہیں جانتا۔

گھٹنے کو اس طور کیوں بنایا گیا کہ وہ پیچھے کو تہہ ہوتا ہے؟ وہ بولا کہ : میں نہیں جانتا۔

مردوں میں داڑھی کیوں رکھی گئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: میں نہیں جانتا۔

دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہیں؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: لیکن میں (یہ سب کچھ) جانتا ہوں۔ ہندوستانی کہنے لگا کہ پھر جواب دیجئے۔

(امام صادق نے فرمایا کہ) بالوں کو سر کے اوپر رکھا گیا تاکہ یہ تیل کو دماغ تک پہنچائیں اور اپنے کناروں کے ذریعے وہ اس سے بھاپ نکال دیں اور گرمی و سردی کو اس سے دور رکھیں۔

پیشانی بالوں سے خالی ہے کیونکہ یہ روشنی کے پڑنے کی جگہ ہے اور (روشنی اس سے ٹکرا کر) آنکھوں کی طرف جاتی ہے۔

ابرو آنکھوں کے اوپر بنائے گئے تاکہ وہ آنکھوں کی طرف صرف اتنی ہی روشنی بھیجیں جو ان کے لئے کافی ہو۔ اے ہندوستانی! کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس شخص پر روشنی بہت زیادہ پڑتی ہے وہ اپنے ہاتھ کو اپنی آنکھوں پر رکھ لیتا ہے تاکہ صرف بقدرِ کفایت روشنی آنکھوں کی طرف بھیجے۔

ناک ان دونوں ابرؤوں کے درمیان اس لئے بنائی گئی تاکہ وہ روشنی کو دو اقسام میں تقسیم کر دے بایں طور کہ ہر آنکھ میں برابر کی روشنی جائے۔

گھٹنے کے مڑنے کو پچھلی جانب رکھا گیا کیونکہ انسان اپنے سامنے کی طرف چلتا ہے چنانچہ اس کی وجہ سے حرکات میں اعتدال قائم رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ چلتے ہوئے گر جاتا۔

مردوں کے لئے داڑھی اس لئے رکھی گئی تاکہ دیکھ کر کشفِ (ستر) کی حاجت نہ رہے اور اس کی بنا پر مرد و عورت کے مابین پہچان ہو سکے۔ (اگر یہ نہ ہوتی تو مرد و زن میں پہچان کے لئے شرم گاہ کھول کر دیکھنی پڑتی)۔

ہتھیلیاں بالوں سے خالی ہیں کیوں کہ ان کے ذریعے چھوا جاتا ہے۔ اگر ان میں بال ہوتے تو پھر انسان کو معلوم ہی نہ ہوتا کہ کیا شے اس کے سامنے ہے اور وہ کس شے کو چھو رہا ہے۔

یہ سوالات جوامامِ صادق نے ہندوستانی طبیب سے کئے انتہائی بے وقوفانہ ہیں اور شیعہ کی طرف سےائمہ پر افتراء پردازی پر دلالت کرتے ہیں۔کیونکہ ان پوچھے گئے سوالوں کا جواب سب کو معلوم ہے۔پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ماہر ہندوستانی طبیب جس نے طب کی کتابیں پڑھ رکھی ہوں اس سے جب پوچھا جائے تو اس کا جواب سوائے " میں نہیں جانتا" کے اور کچھ نہ ہو!!؟۔

جیسے امام صادق کا ہندوستانی سے یہ سوال کہ مردوں کے لئے داڑھی کیوں بنائی گئی؟ اس نے جواب میں کہاکہ: میں نہیں جانتا۔ اس لئے امام صادق جواب دیتے ہوئے ہندوستانی سے کہتے ہیں کہ ایسا اس لئے ہے تاکہ اس کی بنا پر مرد کی عورت سے پہچان ہو سکے۔ یہ جواب تو شاید چار سالہ بچہ بھی جانتا ہو جب کہ ایک ماہر ہندوستانی یہ کہتا ہے کہ: میں نہیں جانتا۔

اسی طرح وہ جوابات جو ابو عبد اللہ نے ان سوالات پر دیئے جو انہوں نے ہندوستانی طبیب سے پوچھے تھے وہ تقریبا سب ہی کو معلوم ہیں۔ چنانچہ وہ کوئی ایسا سائنسی اعجاز نہیں لائے جو سائنسدانوں کے لئے حیران کن ہو۔

ہندوستانی طبیب والی اس روایت کو امام صادق کی طرف سے ازراہِ ظلم اور جھوٹ وضع کرنے کے

دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ انہوں نے امام صادق جیسے ایک صالح آدمی کو اس طرح سے دکھایا کہ وہ اپنے آپ پر فخر کر رہے ہیں اور ہندوستانی طبیب سے کہہ رہے ہیں کہ: مجھے یہ بتاؤ کہ میں طب کو زیادہ جانتا ہوں یا تم زیادہ جانتے ہو؟۔

شیعہ کی کتابوں میں ابو جعفر صادق کی طرف منسوب کچھ روایات جو دراصل نبی ﷺ سے مروی روایات ہیں:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: کوڑھ زدہ شخص سے یوں بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔[1] شیعہ کے بعض شارحینِ حدیث نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہ امام صادق کے نام سے محفوظ ایک طبّی معجزہ ہے جنہوں نے جراثیم کی دریافت سے پہلے ہی اس کے بارے میں بتا دیا تھا اور یہ انسدادی علاج (Preventive Treatment) کی ایک صورت ہے۔

جب کہ اہل سنت کی کتابوں میں یہ حدیث امام صادق علیہ السلام کے ولادت سے پہلے کی موجود ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیماری کا (خود بخود) متعدی ہو جانا، بدشگونی، الو[2] اور صفر کی نحوست، ان سب باتوں کی کوئی حقیقت نہیں اور کوڑھ زدہ شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو"۔ امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو اپنی کتاب صحیح بخاری میں کتاب الطب، باب الجذام میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ابنِ حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے طب کے باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: "کوڑھ زدہ شخص سے اس طرح بچو جس طرح شیر سے بچا جاتا ہے"۔ ابنِ خزیمہ نے اس حدیث کو کتاب التوکل میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: "بیماری کے (خود بخود) متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں اور جب تم کسی کوڑھی کو دیکھو تو اس سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو"۔ امام مسلم نے اسی مفہوم کی حامل ایک حدیث کو اپنی کتاب صحیح مسلم میں ابواب الطب کے آخر میں عمرو بن شرید کی روایت سے ذکر کیا ہے جس میں وہ

1۔ الوسائل، ج: ۸، ص: ۴۳۱

2۔ اہلِ جاہلیت کا خیال تھا کہ الو اگر کسی کے گھر پر بول جائے تو اہل خانہ سب مر جاتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ہمارے معاشرے میں کوے کے بولے جانے کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ مترجم

اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: "ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھ زدہ شخص تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم نے تم سے بیعت لے لی، تم واپس چلے جاؤ"۔

اس حدیث کے بارے میں سب سے بہترین بات امام بیہقی نے کی اور ابن صلاح، ابن قیم، ابنِ رجب اور ابنِ مفلح وغیرہ نے بھی انہی کی بات اپنائی کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان "لا عدوی" (بیماری کے متعدی ہونے کی کوئی حقیقت نہیں) اہلِ جاہلیت کے اس عقیدہ کی بنا پر ہے جس میں فعل کی نسبت اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور شے کی طرف کی جاتی اور سمجھا جاتا کہ یہ امور بذات خود متعدی ہو جاتے ہیں۔ وگرنہ اللہ تعالی جب چاہتے ہیں تندرست شخص کے کسی مرض میں مبتلا شخص سے ملنے کو اس مرض کے پیدا ہونے کا سبب بنا دیتے ہیں۔اسی لئے فرمایا کہ: "کوڑھی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو"۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "مریض کو تندرست کے پاس نہ لایا جائے"۔ اور طاعون کے بارے آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جو یہ سنے کہ کسی جگہ طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہ وہاں نہ آئے"۔ اور یہ سب اللہ تعالی کی تقدیر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔[1]

اہلسنت کی کتابوں سے سائنسی حقائق کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کی شیعہ وضاعین کی طرف سے چوری اور ازراہِ ظلم و جھوٹ اپنی کتابوں کی طرف نسبت کی ایک مثال وہ طویل حدیث ہے جو کتاب علل الشرائع میں مصنف کی اسناد سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں نبی ﷺ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ سے کچھ مسائل کے بارے میں پوچھا ہوتا ہے کہ: جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جاتا ہے تو بچہ اپنے باپ کے مشابہہ ہوتا ہے ۔

انہی کی اسناد سے علی بن حمزہ ابو بصیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ: نومولود بعض اوقات اپنے ماموؤں سے مشابہت رکھتا ہے اور کبھی وہ اپنے باپ اور کبھی اپنے چچاؤں سے مشابہہ ہوتا ہے (اس کی کیا وجہ ہے)؟۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا: مرد کا نطفہ سفید ہوتا ہے اور عورت کا نطفہ زرد اور پتلا ہوتا ہے۔اگر مرد کا نطفہ عورت کے نطفے پر غالب آ جائے تو آدمی اپنے باپ اور چچاؤں سے مشابہہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفے پر غالب آ جائے تو آدمی اپنے ماموؤں سے مشابہہ ہوتا ہے۔

1۔ ملاحظہ کریں: مجموع فتاوی اللجنۃ الدائمۃ بالسعودیۃ، ج: ۱، ص: ۶۵۷، فتوی نمبر: ۶۳۳۵

وہ اپنی اسناد کے ساتھ ابن بکیر سے اور وہ عبداللہ بن سنان سے اور وہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپ علیہ السلام سے پوچھا: نومولود اپنے باپ یا چچا سے مشابہہ ہوتا ہے (اس کی کیا وجہ ہے)؟۔آپ ﷺ نے جواب دیا: جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ اپنے باپ اور چچا سے مشابہہ ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو بچہ اپنی ماں اور ماموؤں سے مشابہہ ہوتا ہے۔

طبرسی کی کتاب الاحتجاج میں ہے کہ ابو محمد الحسن عسکری علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے محمد! مجھے بتاؤ کہ۔۔۔بچے کا کیا معاملہ ہے کہ وہ اپنے چچاؤں سے مشابہہ ہوتا ہے اور اس میں اپنے ماموؤں کی کچھ بھی شباہت نہیں ہوتی اور کبھی وہ اپنے ماموؤں سے مشابہہ ہوتا ہے اور اس میں اپنے چچاؤں کی کچھ بھی مشابہت نہیں ہوتی؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میاں بیوی میں سے جس کا پانی اپنے شریک حیات کے پانی پر غالب آ جاتا ہے شباہت اسی سے ہوتی ہے۔ اس پر ابن صوریا نے کہا کہ: اے محمد! تو نے سچ کہا۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور اس میں سے ہم نے صرف وہ جگہ لی ہے جس کی ضرورت تھی۔

جب کہ یہ احادیث اہل سنت کی کتابوں یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند امام احمد، مسند ابنِ حبان اور دیگر کتب میں متعدد ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ وار د ہوئی ہیں۔ چنانچہ بخاری میں ہے : آپ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ کبھی بچے کی شباہت اپنے باپ کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی اپنی ماں کے ساتھ ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو وہ بچے کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو وہ بچے کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچ لیتی ہے)۔ اسی طرح امام مسلم کے ہاں صحیح مسلم میں کچھ اور الفاظ کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہوجاتا ہے تو اللہ کے حکم سے نر بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو جاتا ہے تو اللہ کے حکم سے مادہ بچہ پیدا ہو تا ہے)۔

اسی طرح امام مسلم نے ایک طویل روایت ذکر کی ہے جس میں سے ہم صرف وہ حصہ لے لیتے ہیں جو ہماری دلیل ہے ۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : ۔۔۔یہودی علماء میں سے ایک عالم آیا اور نبی ﷺ سے کہنے لگا: میں آپ سے بچے کے بارے میں

پوچھنے آیا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد ہوتا ہے۔ جب دونوں باہم ملاپ کرتے ہیں اور مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آ جاتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے لڑکا جنتے ہیں اور جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آ جاتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے لڑکی جنتے ہیں" ۔۔ اس پر اس یہودی نے کہا: آپ نے سچ کہا، کوئی شک نہیں کہ آپ نبی ہیں۔ پھر وہ واپس لوٹ گیا۔

شیعہ کی کچھ وہ روایات جو سائنسی اور طبّی تحقیقات کے مخالف ہیں اور ماہر اطباء اور محقق سائنسدانوں کی رو سے ان کے جھوٹ پر دلالت کرتی ہیں:

وہ امام صادق سے روایت کرتے ہیں کہ: آدمی کوڑھ زدہ شخص سے بات نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ ان دونوں کے مابین ایک گز کا فاصلہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ ایک نیزے کے بقدر فاصلہ ہو۔

شیعہ وضاعین کی طرف سے گھڑی گئی گزشتہ جھوٹی روایت کی امام صادق کی طرف نسبت (حالانکہ وہ اس سے بری ہے۔) سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ درج ذیل ہے:

امام جعفر کے اس کلام کا کیا فائدہ ہے کہ تندرست اور کوڑھی کے مابین ایک گز یا ایک نیزے کے بقدر فاصلہ ہو حالانکہ دراصل جب لوگ باہم جمع ہوتے ہیں تو ان کے مابین اکثر ایک گز یا ایک نیزے کی مسافت ہی ہوتی ہے!؟۔ بلکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ جب ایک دوسرے کے پاس آتے ہیں تو وہ اس مسافت سے بھی زیادہ دور ہوتے ہیں جس کی تحدید امام صادق نے کی جو کہ ان پر سراسر افتراء ہے۔

کوڑھ ایک بہت زیادہ متعدی مرض ہے اور بہت جلد پھیل جاتا ہے۔ شیعوں کی اس روایت نے جس مسافت کی تحدید کی ہے وہ ایک گز یا ایک نیزے کی ہے جو کہ بچا نہیں سکتی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "احمق مرد کی شادی کر دو لیکن احمق عورت کی شادی نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ احمق مرد تو بچے جن دے لیکن احمق عورت بچے نہیں جنتی"۔[1]

طب اور عقل کی رو سے اور دنیا بھر کے اطباء کے بقول احمق عورت بھی اولاد جنتی ہے اور اس کی حماقت کا اس کے بچے جننے کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔

1۔ من لایحضرہ الفقیہ، باب النوادر، حدیث نمبر: ۴۹۲۹

ان کی روایات جو طب کے مخالف ہیں ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو محمد بن عبد اللہ بن زرارہ سے مروی ہے جو علی بن عبد اللہ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے اور وہ امیر المومنین علیہ السلام سے راویت کرتے ہیں کہ انہوں نے نطفہ کے بارے میں فرمایا: نطفہ مرد کے اندر چالیس دن تک پھرتا رہتا ہے ۔چنانچہ جو اللہ سے دعا کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ان چالیس دنوں میں تخلیق کئے جانے سے پہلے پہلے دعا کرے۔پھر اللہ عز وجل ارحام کے فرشتے کو بھیجتے ہیں ۔ وہ اس نطفے کو لے کر اللہ عز و جل کی طرف چڑھ جاتا ہے اور جب تک اللہ چاہتا ہے کھڑا رہتا ہے، پھر اللہ سے پوچھتا ہے: اے الٰہی! یہ نر ہو گا یا مادہ ؟ اس پر اللہ جو چاہتا ہے وحی کرتا ہےا ور فرشتہ لکھ لیتا ہے۔

نطفہ اللہ کے حکم سےانسان کی شہوت کے دوران انزال سے بہت ہی تھوڑی دیر پہلے تخلیق پاتا ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ نطفہ مرد میں چالیس دن تک پھرتا رہتا ہے۔ یہ بات مائیکروسکوپ لیبارٹریز اورسب محققین و اطباء کی گواہی سے ثابت شدہ ہے۔

ایک عیسائی طبیب نے امام صادق سے جسم کی تفصیل کے بارے میں دریافت کیا تو انہو ں نے جواب دیا: "اللہ تعالی نے انسان کو بارہ جوڑوں اور دو سو چھیالیس ہڈیوں اور تین سو ساٹھ رگوں کے ساتھ پیدا فرمایا۔ یہ رگیں ہی ہیں جو تمام جسم کو سیراب کرتی ہیں، ہڈیاں جسم کو پکڑ کر رکھتی ہیں، چربی ہڈیوں کو پکڑ کر رکھتی ہے اور پٹھے گوشت کو تھام کر رکھتے ہیں۔ اللہ نے انسان کے بازو میں ۸۲ ہڈیاں رکھی ہیں بایں طور کہ ایک بازو میں ۴۱ ہڈیاں ہیں ۔ ان میں سے انسان کی ہتھیلی میں ۳۵ ہڈیاں ہیں، اس کی کلائی میں دو ہیں، اس کے مونڈھے اور کہنی تک کے حصے میں ایک ہے، اس کے شانے میں تین ہیں اور اسی طرح سے دوسرے ہاتھ میں بھی ہیں۔انسان کی ٹانگ میں ۴۳ ہڈیاں ہیں۔ ان میں سے ۳۵ اس کے پاؤں میں ہیں، دواس کی پنڈلی میں ہیں، اس کے گھٹنے میں تین ہیں، اس کی ران میں ایک اور اس کے کولہے میں دو ہڈیاں ہیں اور اسی طرح دوسری ٹانگ میں بھی ہیں۔ اس کی کمر میں ۱۸ مہرے ہیں، اس کے دونوں پہلوؤں میں نو پسلیاں ہیں، اس کی گردن میں نو اوراس کے سر میں ۳۶ ہڈیاں ہیں اور اس کے منہ میں ۲۸ اور ۳۲ہڈیاں ہیں"۔

گزشتہ روایت میں جسم کے ہر عضو میں ہڈیوں کی تعداد کے بارے میں یہ مذکورہ اعداد و شمار صحیح نہیں ہیں۔ ہمارے اور شیعہ کے مابین فیصلہ علمِ تشریح الابدان کے سائنسدان اور ہڈیوں کے ڈاکٹر کریں گے۔ سائنسی حقائق پر مشتمل وہ صحیح حدیث جو اہل سنت کے ہاں ان کی کتابوں میں درج ہے

سائنسدان اسی کے صحیح اور معجز ہونے کی شہادت دیتے ہیں:

اہل سنت کی کتبِ حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان آیا ہے کہ: "اللہ نے بنی آدم میں سے ہر شخص کو تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا فرمایا۔ سو جس نے اللہ عز و جل کی بڑائی کی اور لاالہ الا اللہ اور سبحان اللہ کہا اور استغفراللہ کہا اور پتھر راہ گزر سے ہٹا دیا یا کوئی کانٹا یا ہڈی راہ سے ہٹا دی یا اچھائی کرنے کو کہا یا بری بات سے روکا ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر تو وہ اس دن اس حال میں چلتا ہے کہ دوزخ اس سے ہٹا دی گئی ہوتی ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ: "اسے چاہیے کہ اپنے ہر جوڑ کی طرف سے کچھ نہ کچھ صدقہ کرے"۔ اور ایک روایت ہے کہ: "اس پر ان میں سے ہر ہڈی کے لئے ہر دن صدقہ کرنا ضروری ہے"۔

جوڑوں کی تعداد کا ذکر بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بھی آیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: انسان میں ۳۶۰ جوڑ ہوتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان میں سے ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے"۔ صحابہ کرام نے عرض کیا:" یا رسول اللہ! کون ہے جس میں ایسا کرنے کی طاقت ہو؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مسجد میں پڑی رِینٹ کو دبا دینا اور تمہارا کسی (تکلیف دہ) شے کو راستے سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، اگر تم ایسا بھی نہ کر سکو تو پھر چاشت کے وقت کی دو رکعت ہی تمہاری طرف سے کافی ہوں گی"۔

محمد السید ارناؤوط نے اپنی کتاب "الإعجاز العلمي في القرآن الكريم" میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کو استدلال کے طور پر پیش کیا ہے اور اس کے لئے اس عنوان کے تحت باب باندھا ہے: اِعجاز تشریحی فی قول الرسول ﷺ ..."۔ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں: "چودہ سو صدیاں گزرنے کے بعد، تشریح الابدان (Anatomy) سے متعلق جدید سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ انسانی جسم ۳۶۰ جوڑ رکھتا ہےجو بالغ انسان کے جسم کے سب حصوں میں تقسیم ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے"۔

ڈاکٹر حامد احمد حامد نےاپنی کتاب "رحلۃ اِلایمان[1]..." میں عائشہ رضی اللہ عنہا اور بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے سنت کے سائنسی اعجاز پراستدلال کیا ہےکیونکہ حدیث نبوی میں مذکور جوڑوں کی

1۔ رحلۃ اِلایمان فی جسم اِلانسان، ص: ۳۵۹

تعداد بالکل وہی ہے جس تک جدید علم طب کی رسائی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر حامد نے اپنی کتاب میں دقیق انداز میں اس کی تفصیل بیان کی ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال میں انہوں نے ایک اور امر کا بھی اضافہ کیا، کہتے ہیں: ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ "خُلِقَ" بروزن "فُعِلَ" اس بات پر واضح دلالت کرتا ہے کہ جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ عضروفی نسیں(Cartilage Tissues) جنین کی ہڈیوں کے ساتھ بڑھتی ہیں اور یہ عمل بلوغت تک جاری رہتا ہے وگرنہ آپ ﷺ انسانی جسم کی ابتدائی ہڈیوں کے تعداد ۳۶۰ ذکر نہ فرماتےجو بالغ انسان میں ۲۰۶ پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ سچ فرمایا اس صادق و مصدوق ﷺ نے جو ہوائے نفس کی بنا پر کوئی بات نہیں فرماتے۔

ان کی بے سروپا روایات جو منطق و عقل کے برخلاف ہیں بلکہ جو اللہ سے شرک کرنے اور نفع و نقصان میں غیراللہ پر اعتقاد رکھنے کی دعوت دیتی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

کلینی کی کتاب الکافی میں خاص طور پر حصہ اول، کتاب الزینۃ و اللباس میں اور الحر العاملی کی کتاب وسائل الشیعہ اور ان کے علاوہ دیگر کتب شیعہ میں متعدد بے سروپا شرکیہ روایات آئی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

بشیر الدھان سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے دریافت کیا: میں اپنی انگوٹھی پر کون سا نگینہ لگاؤں؟ انہوں نے جواب دیا: اے بشیر! تم سرخ، زرد اور سفید عقیق سے ناواقف کہاں پھرتے ہو!۔ یہ جنت میں تین پہاڑ ہیں —یہاں تک کہ فرمایا- آلِ محمد کے شیعہ میں سے جس نے ان میں سے کسی شے کی انگوٹھی پہنی وہ صرف اور صرف خیر و بھلائی، رزق میں کشادگی اور تمام مصائب سے سلامتی ہی کو پائے گا۔ یہ ظالم بادشاہ اور ہر اس شے سے امان ہے جس سے انسان خوف رکھتا اور ڈرتا ہے۔[1]

عمرو بن ابو شریک اور وہ فاطمہ علیہا السلام سے روایت کرتے ہیں، بیان کرتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے عقیق سے بنی انگوٹھی پہنی وہ ہمیشہ خیر ہی دیکھے گا۔

محمد بن یعقوب ہمارے متعدد اصحاب سے اور وہ احمد بن محمد سے اور وہ اپنے کسی ساتھی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "عقیق سفر میں باعثِ امان ہے"۔[2]

1۔ وسائل الشیعة، ج: ۵، ص: ۵۲، باب استحباب التختم بالعقیق الأحمر و الأصفر و الأبیض.

2۔ وسائل الشیعة، ۵۳، باب استحباب استصحاب العقیق في السفر و الخوف و في الصلاة و في الدعاء.

عبد الرحیم القصیر سے روایت ہے کہ : والی نے ایک جنایت کے سلسلے میں آلِ ابو طالب میں سے ایک شخص کو بلوا بھیجا۔ وہ عبد اللہ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے فرمایا: اس کے پیچھے عقیق کی ایک انگوٹھی بھیج دو۔ چنانچہ اس کے پاس عقیق کی انگوٹھی لائی گئی اور اسے کسی ناپسندیدہ بات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ محمد بن احمد اپنے کسی ساتھی سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ اس کے ساتھ راہزنی ہو گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے عقیق کی انگوٹھی کیوں نہ پہنی تھی، عقیق کی انگوٹھی ہر بری شے سے بچاتی ہے۔[1]

ابن محبوب، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اصحاب میں سے کسی شخص کو دیکھا کہ اس نے سیاہ جوتا پہن رکھا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا: تم نے سیاہ جوتا کیوں پہن رکھا ہے؟ کیا تمہیں علم نہیں کہ سیاہ جوتا آنکھ کو ضرر پہنچاتا ہے اور مردانہ عضو تناسل میں ڈھیلا پن پیدا کرتا ہے اور یہ دوسرے جوتوں کی بنسبت زیادہ مہنگا ہے اور جو بھی اسے پہنتا ہے وہ اس میں اتراتا ہے۔

محمد بن علی ہمدانی حنان بن سدیر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا: میں ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس آیا اس حال میں کہ میرے پاؤں میں سیاہ جوتا تھا۔ اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ تم نے سیاہ جوتا پہن رکھا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس میں تین خصلتیں ہیں۔: یہ نظر کو کمزور کرتا ہے، مردانہ آلہ تناسل میں ڈھیلا پن پیدا کرتا ہے اور غم پیدا کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ظالم لوگوں کا پہناوا ہے۔ (حدیث)[2]

محمد بن یعقوب سے روایت ہے ۔۔۔۔ وہ عبد الملک بن بحر مصنف کتاب "اللؤلؤ" سے روایت کرتے ہیں کہ: جس نے جوتا پہننے کا ارادہ کیا اور اس کو سفیدی مائل زرد جوتا ملا تو وہ مال و اولاد کی کمی نہیں پائے گا اور جس کو کالا جوتا ملا وہ غم اور پریشانی کی کمی نہیں پائے گا۔[3]

محمد بن یعقوب ہمارے متعدد اصحاب سے اور وہ احمد بن ابو عبد اللہ سے اور وہ محمد بن علی سے اور وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایات کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس نے زرد جوتا پہنا وہ خوش رہتا ہے یہاں تک ان کو پہن کر پرانا کر دے۔[1]

1۔ وسائل الشیعۃ، ۵۳، باب استحباب استصحاب العقیق فی السفر و الخوف و فی الصلاۃ و فی الدعاء.

2۔ سابقہ مصدر، ۳۸، باب کراھۃ لبس النعل السوداء.

3۔ سابقہ مصدر، ۳۹، باب استحباب لبس النعل البیضاء

گزشتہ امور کے بعد ہمارے سامنے کچھ ایسے حقائق آتے ہیں جن میں کوئی شک نہیں جو درج ذیل ہیں:

اولا: اگر شیعہ کے ائمہ واقعتا ائمہِ حق ہوتے جو اللہ کی طرف سے متعین تھے تو اللہ تعالی ان کو ایسے معجزات عطا فرماتا جس کا انکار صرف دانستہ انکار کرنے والا ہی کرتا جس طرح کے نبی ﷺ کے معجزات تھے اور ان میں سے ہر امام ہمارے سامنے ایسی بیش قیمت سائنسی روایات چھوڑ کر جاتا جو ششدر کر دینے والی ہوتیں جیسا کہ نبی ﷺ کی روایات ہیں۔

ثانیا: اس طرح کی سائنسی روایات سے شیعہ وضاعین کی تہی دامنی کی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے ذہن سے روایات گھڑنے اور ان کو ائمہ کی طرف منسوب کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ثالثا: ان حقائق سے اہل سنت کی کتبِ حدیث کا صحیح ہونا اوران کا حدیثِ نبوی کے نقل کرنے کا صحیح ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔کیوں کہ ان کی روایات جدید سائنسی تحقیق یا اکتشافات سے موافقت رکھتی ہیں۔

بلکہ امامت کے ان صنعت گروں کی ایک چالاکی یہ ہے کہ انہوں نے ائمہ کو وہ کرامات بھی ہبہ کر دیں جو صرف نبی ﷺ کے ساتھ خاص تھیں اور یہ سب اہل سنت کی کتابوں میں مذکور اور مدون ہیں جو ان سے پہلے تدوین کی گئی ہیں۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا خود اپنے بارے میں یہ فرمان کہ: " میری آنکھ سوتی ہے اور میرا دل نہیں سوتا"۔ ابنِ کثیر نے البدایہ و النہایہ میں کتبِ سیر و کتبِ حدیث سے نبی ﷺ کی بعض صفات کو نقل کیا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی پیدائش کا بیان کہ: آپ ﷺ اپنی والدہ کے بطن سے اپنے ہاتھ پر سہارا لئے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے اترے۔ بعض کا کہنا ہے کہ: آپ ﷺ کی پیدائش اس حالت میں ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات اور اس کے بازار روشن ہو گئے یہاں تک کہ بصرہ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری، کتاب الادب میں ذکر کیا ہے کہ: نبی ﷺ نے کبھی جمائی نہیں لی تھی۔ وہ کہتے ہیں: نبوی خصائص میں سے ایک خاصہ جس کا ذکر ابن ابی شیبہ اور بخاری نے تاریخ میں کیا ہے اور بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

---

1. وسائل الشیعة: ۴۰، باب استحباب لب النعل الصفراء

کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیاتمہارایہ خیال ہے کہ میرا منہ (نمازمیں) قبلہ کی طرف ہے، اللہ کی قسم! مجھ سے نہ تمہارا رکوع کرنا مخفی رہتا ہے اور نہ سجدہ کرنا، میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے تم کو دیکھتا رہتا ہوں۔[1]

امام مسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نےفرمایا: اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں چنانچہ مجھ سے پہلے رکوع یا سجدے میں نہ جاؤ۔ میں تم کو اپنے سامنے اور پیچھے سے دیکھ رہا ہوتا ہوں۔[2] اس کے علاوہ دیگر ایسی روایات جو اہل سنت کی کتابوں میں صفار، کلینی اور قمی وغیرہ کی پیدائش سے بھی پہلے سے موجود ہیں۔ اس طرح شیعہ لوگ ان اشیاء سے ائمہ کی عظمت بیان کرتے ہیں جو ان کی نہیں ہیں۔ ان افتراء پردازوں کا جھوٹ شیعہ عوام کے ذہنوں میں بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ چل گیا کیونکہ وہ اہل سنت کی کتبِ حدیث اور ان کی بیان کردہ سیرت نبوی سے لاتعلق ہیں۔[3]

اس سے ماقبل میں نے جو بعض روایات ذکر کی ہیں وہ چند سادہ سی مثالیں ہیں اس غرض سے کہ میں شیعہ عوام کے لئے ایک خطرناک پہلو کو اجاگر کر سکوں تا کہ وہ خبردار ہو جائیں حالانکہ ایسی روایات ایک خاص بڑے حجم کی تالیف کی محتاج ہیں۔

اسی طرح شیعہ علماء اور عوام سے یہ سوال کرنا ہمارا حق ہے کہ: تمہاری معتبر کتابوں میں ائمہ کی طرف منسوب روایات کو واقعتا ائمہ نے گھڑا ہے یا پھر یہ محض ان پر افتراء پردازی ہے؟ گزشتہ سوال کا جواب لفظ "ہاں" یا " نہ "کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا جواب متعدد پہلوؤں سے تحقیق کا محتاج ہے۔ ان میں سے اہم ترین پہلو یہ ہے کہ آیا ائمہ کی طرف منسوب روایات قرآن کریم سے موافقت رکھتی ہیں یا اس سے متعارض ہیں؟ اسی طرح ہم ان کی سند اور متن میں غور کریں گے کہ آیا وہ لغت و بلاغت کے اعتبار سے درست ہیں اور کیا وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ائمہ کو

1۔ البخاری: ۱۸۲/۱، مسلم: ۳۱۹/۱

2۔ مسلم: ۳۲۰/۱

3۔ البخاري، كتاب المناقب، باب كان النبيﷺ تنام عينه و لا ينام قلبه، و النهاية و البداية لابن كثير، ج۲، صفة مولدهﷺ.

جوامع الکلم عطا کئے گئے تھے جو ان کے عظیم مراتب کے شایانِ شان تھے جن کا شیعہ لوگ دعوی کرتے ہیں؟۔

اے شیعہ عوام الناس! آپ خود اس معاملے کی تحقیق کیوں نہیں کرتے؟ کیوں کہ یہ معاملہ آپ، آپ کی اولادوں اور آپ کے اہلِ خاندان کے ابدی اور ہمیشہ کے مستقبل سے تعلق رکھتی ہے جو لا محالہ آنے والا ہے اور یہ گزشتہ سوالوں کے غور و فکر اور انصاف کے ساتھ صحیح اور مبنی بر انصاف جواب سے مرتبط ہے ۔

شیعہ روایات کا جائزہ

کیا کتبِ شیعہ میں مذکور ائمہ کی طرف منسوب روایات کو واقعتا ائمہ نے اپنی طرف سے گھڑا ہے یا پھر وہ جھوٹ اور ازراہِ بہتان ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ درجہ علم اور عین الیقین کو پہنچے ہوئےانتہائی قوی دلائل ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ شیعہ کتابوں میں مذکور اہلِ بیت کی طرف منسوب روایات جھوٹی ہیں جو جھوٹ اور ازراہِ بہتان ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

اس بات کے اثبات کے قوی دلائل جن میں کوئی شک نہیں وہ یہ ہیں:

صرف یہ دلیل ہی کافی ہے کہ ان کی بہت زیادہ روایات قرآن کریم کے خلاف ہیں۔

ان کی کچھ ایسی روایات ہیں جو نبیﷺ کے مقام کو گھٹاتی ہیں۔

یہ روایات واضح طور پر نبیﷺ، آپ کی ازواج اور اہلِ بیت مطہرین میں طعن زنی کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ روایات بھی ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کی شان کو بلند کرتی ہیں اور ان کو نبیﷺ کی شان سے بھی بلند شان دیتی ہیں۔

بغض سے لبریز شیعہ کتب ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں جوخود ثابت کرتی ہیں کہ یہ من گھڑت ہیں۔

ہم ان کی روایات میں اکثر دیکھتے ہیں کہ وہ بغض و نفرت اور ظلم سے بھری ہوئی ہیں جیسے طعن زنی اور سب و شتم اور یہ نبی امت اور آپﷺ کے اہلِ بیت مطہرین کے لئے کسی اچھے اخلاقی رویے کی غمازی نہیں کرتیں، بلکہ یہ ان کے گھڑنے والوں کے اخلاق اور ان کے سینوں کی مخفی باتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کے الفاظ و معانی میں ہمیں ضعف اور لغوی و نحوی اور صرفی غلطیاں نظر آتی ہیں۔

شیعہ کی بنیادی کتابیں ایسے برے مفہوم کی حامل روایات سے بھری ہوئی ہیں جوایسی برائی کی دعوت دیتی ہیں جو اسلام کے لئے روا نہیں۔

بعض شیعہ عبادات کے ثواب کے بیان میں مبالغہ آرائی۔

جس کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ عوام کو ان عقائد اور عبادات کے ساتھ مربوط رکھا جا سکے جن کی بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور افتراء پرداز اپنے بدعتی اور شرکیہ مقصد میں لگے رہیں۔

شیعہ کی بہت سی روایات ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔

اس پہلو سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن کا بوجھ اٹھانے سے اونٹ بھی قاصر ہے۔ متعدد شیعہ راہنما اور سرکردہ حضرات نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اس میں ہر انصاف پسند کے لئے اس بات کی نہایت واضح علامت ہے کہ ان کا مذہب انسان کا بنایا ہوا ہے کیونکہ اللہ کے دین میں بہر حال کوئی تناقض نہیں ہوا کرتا۔

ان کی کتابوں میں اہل سنت کی کتابوں سے چوری کردہ روایات ہیں جنہوں نے ان سے بیسیوں سال پہلے ہی تدوین کا کام کر لیا تھا۔

ائمہ کی طرف منسوب روایات سائنسی تحقیقات اور طبِ جدید کی مخالف ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں۔(اس پہلو پر ہم اس سے پہلے گفتگو کر چکے ہیں)

جن پہلوؤں کو ہم نے ذکر کیا ان میں سے ہر پہلو سے متعلق ہم ان لوگوں کی کتابوں سے ہی کچھ مثالیں پیش کریں گے:

بلکہ شیعہ کتبِ حدیث میں بے ہودگیاں اس حد کو پہنچی ہوئی ہیں کہ وہ علی بن طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عفیر نامی گدھے نے خودکشی کر لی ہے۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس گدھے نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی اور کہا کہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! میرے باپ نے مجھے بتایا اور وہ اپنے باپ اور وہ اس کے دادا اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ وہ کشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ نوح علیہ السلام اس کے پاس آئے اور اس کی سرین پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: اس گدھے کی کوکھ سے ایک گدھا نکلے گا جس پر نبیوں کے سردار خاتم النبیین سواری کریں گے۔ چنانچہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کہ اس نے مجھے وہ گدھا بنایا۔[1]

1۔ الكافي: ۲۳۸/۱

یہ علی رضی اللہ عنہ پر سراسر جھوٹ ہے اور یہ روایت آپ کو بتاتی ہے کہ وہ کس حد تک خبطی پن کا شکار ہو چکے کہ گدھوں تک سے روایت کر رہے ہیں اور اس کی سند بنا رہے ہیں بایں طور کہ گدھا کہتا ہے: مجھے میرے باپ نے بتایا، اس نے اپنے باپ سے اور اس نے ان کے دادا سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کیا!!۔ گدھا رسول اللہ ﷺ سے کس طرح کہہ سکتا ہے کہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں؟ بے شک یہ بات رسول اللہ ﷺ کی ذات میں طعن زنی اور سید الخلق کی شان میں کمی اور بے ادبی ہے۔

اب ہم ان کی اہم ترین روایات جو صریح اور واضح طور پر کتاب اللہ کی مخالف ہیں ان میں سے کچھ سے آغاز کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا پوری طرح شمار کرنا مشکل ہے اس لئے ہم ایسی اہم ترین روایات لائیں گے جن پر انہوں نے اپنے اہم دینی عقائد کو قائم کیا۔

انہوں نے قرآن کریم کے اہم ترین پہلو کی مخالفت کی اور اس کے ان واضح معانی میں تحریف کر دی جن کے لئے اللہ نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے رسول بھیجے۔ یہ اہم ترین پہلو توحید ہے۔

ان کی روایات قرآن میں آیاتِ توحید کی تفسیر ولایت کے ساتھ کرتی ہیں:

شیعہ مذہب کے بانیان اس بات میں کامیاب ہو گئے کہ شیعہ معاشرے کو قرآن سے دور کر دیں تاکہ وہ قرآن میں ایسی تاویلات کر سکیں جو ان کی خرافات سے مطابقت رکھتی ہوں۔ جیسے قرآن کریم کی آیات کو تفسیرِ باطنی کے تابع کرنا ۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے لفظ کے شرعی معانی میں تغیر پیدا کر دیا اور ان کو ایسے معانی سے بدل دیا جو ان کے عقائد سے میل کھاتے تھے اور یوں اسلام کے اہم ترین رکن یعنی توحید کو منہدم کر دیا جو کہ ارکانِ اسلام میں اہم ترین اور بنیادی رکن ہے اور دوسرے ارکان کی قبولیت کے لئے کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔انہوں نے اسے امامت کے ساتھ تبدیل کر دیا تاکہ اولیاء جو مخلوق ہیں ان سے مرتبط ہو جائیں نہ کہ اپنے خالق یعنی اللہ سے جو واحد و قہار ہے۔ اس تبدیلی کے مفہوم کی تاکید کے لئے شیعہ تعریف، ولایت کو ایسے وصف سے موصوف کرتی ہے جس سے توحید کے علاوہ کسی اور شے کو موصوف نہیں کیا جا سکتا۔

ان کی علی الاعلان تبدیلی (کی ایک مثال) اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان کی تفسیر میں مزاق اڑانا ہے کہ:

﴿وَقَالَ ٱللَّهُ لَا تَتَّخِذُوٓاْ إِلَٰهَيۡنِ ٱثۡنَيۡنِۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٞ وَٰحِدٞ فَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ﴿٥١﴾﴾ [النحل: ۵۱]

«اللہ کا فرمان ہے کہ "دو خدا نہ بنالو، خدا تو بس ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو»۔

ان کا کہنا ہے کہ: لَاتَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ. کا معنی ہے کہ دو امام نہ بناؤ اور اللہ کا یہ فرمان کہ: إِنَّمَاهُوَإِلٰهٌ وَاحِدٌ، اس کا مفہوم یہ ہے کہ امام ایک ہی ہے۔(1)

یوں اثنا عشری شیعہ کے ہاں بارہ خدا ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنا رب بنایا لیا۔کیا وہ شخص جو اللہ سے محبت رکھتا ہے اور اس کی تعظیم کرتا ہے وہ اس طرح کی گھٹیا تفسیر قبول کر سکتا ہے؟

جب کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ:

﴿قُلۡ أَفَغَيۡرَ ٱللَّهِ تَأۡمُرُوٓنِّيٓ أَعۡبُدُ أَيُّهَا ٱلۡجَٰهِلُونَ﴿٦٤﴾ وَلَقَدۡ أُوحِيَ إِلَيۡكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكَ لَئِنۡ أَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ﴿٦٥﴾ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعۡبُدۡ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ﴿٦٦﴾﴾ [الزمر: ۶۴-۶۶]

«(اے نبیؐ) اِن سے کہو: "پھر کیا اے جاہلو، تم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے کےلیے مجھ سے کہتے ہو؟"۔ (یہ بات تمہیں ان سے صاف کہہ دینی چاہئے کیونکہ) تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا (اے نبیؐ) تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ»۔

البرهان في تفسير القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں ان کا کہنا ہے کہ:" اللہ تعالی کا فرمان : لَئِنْ أَشْرَكْتَ، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تو نے اپنے بعد علی کی ولایت کے ساتھ کسی اور کی ولایت کا حکم دیا"۔(2)

یہ آیت جیسا کہ اس کے سیاق سے واضح ہے، عبادت میں اللہ کی توحید سے متعلق ہے۔ انہو ں نے بات ہی کو بدل کر رکھ دیا اور خیال کر لیا کہ آیت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے حالانکہ آیت میں ان

1۔ تفسیر العیاشی: ۲/۲۶۱، البرہان، ۲/۲۷۳

2۔ دیکھیں: تفسیر القرآن لهاشم البحراني، برائے آیت: ۱۶/۶۴، سورۃ الزمر۔

کا کوئی ذکر نہیں، نہ اصل میں اور نہ فرع میں۔ گویا کہ انہوں نے علی ﷛ ہی کو اللہ بنا دیا۔ اللہ کی ذات پاک ہے ان باتوں سے جن کو وہ بیان کرتے ہیں اور ان کی افتراء پردازیوں سے بہت بلند تر ہے۔ (مزید برآں) انہوں نے ولایت ہی کو عبادت بنا دیا!!۔

چنانچہ شیعہ تفاسیر ایسی باتیں بیان کرتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ شریعت اور دین تو دور کی بات یہ استدلال میں کسی لغوی یا عقلی اصول کو بھی بنیاد نہیں بناتیں۔

اب ہم ایسی شے لاتے ہیں جس کو ہر وہ شخص ناپسند کرتا ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی ہے۔ یہ ان کی طرف سے اللہ کے اس فرمان کی تفسیر ہے کہ:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

«اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے، اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو»۔

انہوں نے اس آیت کی تفسیر اس طرح کی جو ان کے غلو اور اللہ کے سامنے جراءت اور اپنے رب کو بھول جانے پر دلالت کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے: اللہ کے اسماء حسنی سے مراد ان کے ائمہ ہیں۔

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ: "اللہ کی قسم اسماء حسنی ہم ہیں اور بندوں سے ان کا کوئی بھی عمل تب ہی قبول کیا جاتا ہے جب وہ ہماری معرفت حاصل کر لیں۔ ہماری ہی بدولت درخت ثمر آور اور دریا رواں ہوئے اور ہمارے ہی طفیل آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے اور زمین سے سبزہ اُگتا ہے اور ہماری عبادت ہی سے اللہ کی عبادت ہوتی ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اس کی عبادت بھی نہ کی جاتی"۔[1]

چنانچہ قرآن کی کوئی بھی ایسی آیت جس میں اللہ اپنی عظمت بیان کرتا ہے تاکہ اللہ کے بندے اپنے رب سے جڑ جائیں، اس کی عظمت بیان کریں، اس کی عبادت کریں اور اس سے ڈرنے لگ جائیں، شیعہ مفسرین اس کا مصداق علی یا ان کی اولاد میں سے اوصیاء کے لئے ٹھہرا دیتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی باتیں دلالت کرتی ہیں کہ تشیع کے بانیان نے دینِ اسلام کی بنیاد میں تبدیلی کے ذریعے اس میں تبدیلی کی سازش کی۔

العیاشی کی تفسیر میں اللہ تعالی کے اس فرمان کی تفسیر میں آتا ہے کہ:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ﴾ [النساء: ۴۸]

«اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اِس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے»۔

1۔ الكافي: ۱/۱۱۱، كتاب التوحيد للقمي، باب النوادر

ابو جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ﴾ ، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس شخص کی مغفرت نہیں کرتا جو علی کی ولایت کا انکار کرتاہے۔ اور اللہ کا یہ فرمان کہ: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ﴾، اس کا معنی یہ ہے کہ (ولایتِ علی کے منکر کے علاوہ)جو علی علیہ السلام کو اپنا ولی بناتا ہے، اس کی مغفرت کرتا ہے۔

چنانچہ یہ لوگ اللہ جل تعالی کی کتاب میں شرک و کفر سے متعلق جو بھی نہی آئی ہے اس کی تاویل کرتے ہیں ۔ وہ شرک اور کفر کے لفظ کی علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا﴾ [الکھف: ۱۱۰]

«پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے»۔

ان کا کہنا ہے کہ: عملِ صالح سے مراد ائمہ کی معرفت ہے- وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا کا مفہوم ہے کہ: علی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتا ہے اور خلافت میں اس کے ساتھ کسی ایسے شخص کو شریک نہیں کرتا جس کے لئے وہ نہیں ہے یا جو اس کا اہل نہیں ہے۔(1)

ان کی مشہور کتاب مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار میں آیا ہے کہ علی نے فرمایا: "میں زمین کا رب ہوں جس کی وجہ سے زمین ساکن رہتی ہے"۔(2)

جب کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ:

﴿وَلَا تَكُونُوٓاْ أَوَّلَ كَافِرِۭ بِهِۦ﴾ [البقرۃ: ۴۱]

«اور سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ»۔

اس کے بارے میں وہ کہتے ہیں: "اور تم علی کا سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو جاؤ"۔ علی رضی اللہ عنہ سے اللہ راضی ہو اور جو کچھ انہوں نے کہا اس سے ان کی براءت فرمائے۔

1۔ تفسیر العیاشی، ج: ۲، ص: ۳۵۳، تفسیر البرہان، ج: ۲، ص: ۴۹۷

2۔ مرآۃ الانوار و مشکاۃ الاسرار، ص: ۵۹

یہاں تک کہ طاغوت سے اجتناب کرنا۔ بندے کی نجات اور اس کی توحید کی قبولیت صرف تب ہی ہوتی ہے جب وہ طاغوت کا انکار کرے۔ یہ اس کی شیطان سے لا تعلقی کا اظہار ہے۔ یہ لوگ اللہ کے سوا ہر معبود اور متبوع کی تعریف ائمہ کی ولایت اور ان کے دشمنوں سے اظہارِ لا تعلقی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ان کی اللہ تعالی کے اس فرمان کہ تفسیر ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَ﴾ [النحل: ۳۶]

«ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا، اور اُس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ "اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو»۔

ان کے بقول اس کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ نے ہر نبی کو ہماری ولایت اور ہمارے دشمن سے اظہارِ لا تعلقی کے ساتھ مبعوث کیا۔

جب کہ اللہ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ﴾ [البقرۃ: ۱۶۵]

«کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور اُن کے ایسے گرویدہ ہیں جیسے اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے»۔

یہ لوگ خوفناک حد تک اخلاقی بگاڑ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم ہے: ابو بکر اور عمر کی اولادوں میں سے (کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کواس کا ہم سر بناتے ہیں اور ان سے ویسے محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے)۔ اور کہتے ہیں کہ: یہ لوگ فلاں اور فلاں اور فلاں کے اولیاء ہیں۔ ان سے ان کی مراد ابو بکر، عمر اور عثمان ہوتے ہیں۔ کہ انہو ں نے امام یعنی علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو ائمہ بنا لیا۔(1)

جیسا کہ ہر وہ شخص جانتا ہے جو فطرتی طور پر اپنے رب کی توحید اور اس کی تعظیم کے ساتھ پیدا ہوا کہ وہ مقصد جس کے لئے اللہ نے جن و انس کو پیدا فرمایا وہ یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بنائیں ۔ اللہ تعالی نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝٥٦﴾ [الذاریات: ۵۶]

«میں نے جن اور انسانوں کو اِس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں»۔

1۔ تفسیر العیاشی، ج: ا، ص: ۴۷، تفسیر البرھان، ج: ا، ص: ۱۷۲، تفسیر الصافی، ج: ا، ص: ۱۵۶

عبادت میں وہ تمام اقوال اور باطنی و ظاہری اعمال شامل ہیں جو اللہ کو پسند ہوں اور جن میں اس کی رضا ہو۔ جب کہ ان لوگوں نے اس کو ائمہ کے لئے کر دیا۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾﴾ [الأحزاب: ۷۲]

«ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھا لیا، بےشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے»۔

ہمارے سامنے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امانت سے، اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے مشروع کردہ اپنی توحید و اخلاص، عبادت اور نماز وغیرہ تمام وہ امور جو اس نے ان پر واجب کئے (ان کا بجا لانا) اور جو کچھ اللہ نے ان کے لئے حرام ٹھہرایا ان کا ترک کرنا، ہے اور اللہ کے مخلوق پر تمام حقوق مراد ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں شیعہ تفاسیر کیا کہتی ہیں۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: اس سے مراد امیر المومنین کی ولایت ہے۔[1]

گزشتہ بحث سے ان کا قرآن کریم کی آیاتِ بینات سے انحراف اور ان کی تحریف کرنا واضح ہوتا ہے۔ پھر یہ لوگ قرآن کے متشابہات کا کیا حال کرتے ہوں گے!!۔

بلکہ ان لوگوں کی دیدہ دلیری تو اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ ان کی بعض روایات کے متون سے ہمیں یوں لگتا ہے کہ گویا اللہ سبحانہ و تعالی ائمہ کے محتاج ہوں۔ اس کی مثال یہ روایت ہے:

ابو حمزہ، ابوجعفر علیہ السلام سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُۥ﴾ [القصص: ۸۸]

«اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے»۔

ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں: "ہر شے فنا ہو جائے گی سوائے "وجہ" کے۔ اللہ اس بات سے عظیم تر ہے کہ اسے کسی شے سے موصوف کیا جائے ۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ ہر شے فنا ہونے والی

1۔ تفسیر کنز الدقائق و بحر الغرائب، ج: ۱۰، ص: ۴۵۱، اسی طرح دیکھیں: سورہ احزاب کی آیت ۷۲ کی تفسیر میں شیعہ تفاسیر۔

ہے سوائے اس کے دین کے۔ ہم وہ "وجہ" (راستہ) ہیں جس کے ذریعے اللہ تک آیا جاتا ہے۔ ہم اللہ کے بندوں میں تب تک رہیں گے جب تک اس کی ان میں کچھ ضرورت ہو گی، جب اللہ کی ان میں کچھ ضرورت نہیں رہے گی تو ہمیں اپنی طرف اٹھا لے گا اور ہمارے ساتھ جو پسند کرے گا وہ معاملہ فرمائے گا"۔ میں نے پوچھا: میں آپ پر قربان جاؤں "الرویۃ" کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: ضرورت۔[(1)]

ھیثم بن عبد اللہ، مروان بن صباح سے روایت کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ نے ہمیں تخلیق فرمایا اور بہترین انداز پر فرمایا، اس نے ہماری صورتیں بنائیں اور بہترین انداز میں بنائیں، اس نے اپنے بندوں میں ہمیں اپنی آنکھ، اپنی مخلوق میں اپنی زبانِ ناطق، اپنے بندوں پر پھیلا ہوا اپنا دست شفقت و رحمت اور اپنا وہ راستہ بنایا جس کے ذریعے اس کے پاس آیا جاتا ہے اور وہ دروازہ بنایا جو اس کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور زمین و آسمان میں اپنا خزانچی بنایا۔ ہماری ہی وجہ سے درخت ثمر آور ہوئے، پھل پکے، دریا رواں ہوئے اور ہماری ہی بدولت آسمان سے بارش نازل کی گئی اور زمین کا سبزہ اگا اور ہماری عبادت ہی کے سبب اللہ کے عبادت کی گئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ کی جاتی"۔[(2)]

شرک وہ سب سے بڑی شے ہے جس کے ذریعے اللہ کی نافرمانی کی گئی۔ وہ شخص جو اپنی زندگی میں شرک کرتا رہا، اسی پر اس کی موت واقع ہوئی اور اس نے توبہ نہ کی اس کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے۔ اس کی مغفرت نہیں ہو گی کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغۡفِرُ أَن يُشۡرَكَ بِهِۦ وَيَغۡفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُۚ وَمَن يُشۡرِكۡ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفۡتَرَىٰٓ إِثۡمًا عَظِيمًا۝٤٨﴾ [النساء: ۴۸]

«اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اِس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اُس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی»۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۡ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِ وَٱلۡمُشۡرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَآۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ ٱلۡبَرِيَّةِ۝٦﴾ [البينة: ٦]

1۔ کتاب التوحید للقمی، ص: ۱۵۱

2۔ الأصول للكافي، ج: ۱، باب النوادر، ص: ۱۴۴، کتاب التوحید للقمي، باب تفسیر قول اللہ: کل شئ ھالک إلا وجھہ۔

«اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ بدترین خلائق ہیں»۔

چنانچہ معاملہ بہت خطرناک اور اہم ہے جس میں کنارہ کشی اور تعصب کی کوئی گنجائش نہیں۔ تمام شیعہ افراد پر لازم ہے کہ وہ بنا کسی عناد و اعتراض کے پوری دلجمعی اور توجہ سے اس بات کو جانیں کہ شرک کیا ہوتا ہے، اس کی کیا اقسام ہیں، اور ہم کس طرح جان پائیں گے کہ یہ قول یا عمل شرک ہے یا اس میں شرک نہیں ہے۔ ان کو چاہئے کہ وہ اہل سنت کی کتابوں میں نظر دوڑائیں اگرچہ محض تحقیق ہی کی خاطر، اور پھر اپنی فطرت کو فیصلہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیں۔

آپ کا ان امور اور ان کے حقائق کو سمجھنا بہت آسان ہے اور اس میں کوئی پیچیدگی نہیں کیونکہ اللہ کی توحید انسان کی پیدائش ہی سے اس کی فطرت میں ہوتی ہے۔

شیعہ لوگ شرک جیسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہیں

گزشتہ گفتگو کے بعد اب میں شیعہ عوام پر یہ ثابت کروں گا کہ وہ بہت بڑے خطرے میں ہیں جو کہ شرک ہے۔ بحث کو شروع کرنے سے پہلے میں ایک سادہ سا سوال کروں گا۔ تاکہ ہم آسانی کے ساتھ ان تک حقیقت پہنچا سکیں۔

سوال: کیا اللہ سے کی جانے والی دعا عبادت ہے یا عبادت نہیں ہے؟

سب جواب دیں گے کہ ہاں، یہ عبادت ہے۔ اور ان میں سے جو دعاء کے عبادت ہونے سے ناواقف ہو گا اسے ہم ابو جعفر کا قول یاد کرائیں گے ۔ وہ کہتے ہیں: "بے شک سب سے افضل عبادت دعا ہے"۔ اور ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "دعا ہی عبادت ہے"۔[1] تمام شیعہ علماء کا یہی عقیدہ ہے کہ دعا عبادت ہے۔

اس کی واضح دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے :

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَسۡتَكۡبِرُونَ عَنۡ عِبَادَتِي سَيَدۡخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ٦٠﴾ [غافر: ٦٠]

«تمہارا رب کہتا ہے: "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، ضرور وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے»۔

ایسی واضح آیات آئی ہیں جو بیان کرتی ہیں کہ دعا صرف اللہ ہی سے ہونی چاہئے۔ اللہ عز و جل نے فرمایا:

﴿فَٱدۡعُوهُ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ [غافر: ٦٥]

«اُسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرکے»۔

اور فرمایا:

﴿فَلَا تَدۡعُواْ مَعَ ٱللَّهِ أَحَدٗا﴾ [الجن: ١٨]

«اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو»۔

1۔ الکافی، ۳۳۹/۲، باب فضل الدعاء۔

اور فرمایا:

﴿ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ﴾ [غافر: ٦٠]

«مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کا جواب دیتا ہوں»۔

اور چونکہ دعا ایک خالص عبادت ہے اس لئے بلا شرکت غیرے صرف اور صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے۔

﴿وَمَنۡ أَضَلُّ مِمَّن يَدۡعُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَن لَّا يَسۡتَجِيبُ لَهُۥٓ إِلَىٰ يَوۡمِ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَهُمۡ عَن دُعَآئِهِمۡ غَٰفِلُونَ ۝٥ وَإِذَا حُشِرَ ٱلنَّاسُ كَانُواْ لَهُمۡ أَعۡدَآءٗ وَكَانُواْ بِعِبَادَتِهِمۡ كَٰفِرِينَ ۝٦﴾ [الأحقاف: ۵-٦]

«آخر اُس شخص سے زیادہ بہکا ہوا انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر اُن کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ اِس سے بھی بے خبر ہیں کہ پکارنے والے اُن کو پکار رہے ہیں۔ اور جب تمام انسان جمع کیے جائیں گے اُس وقت وہ اپنے پکارنے والوں کے دشمن اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے»۔

اوراللہ تعالی کا فرمان کہ:

﴿وَأَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَأَدۡعُواْ رَبِّي عَسَىٰٓ أَلَّآ أَكُونَ بِدُعَآءِ رَبِّي شَقِيّٗا ۝٤٨ فَلَمَّا ٱعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَهَبۡنَا لَهُۥٓ إِسۡحَٰقَ وَيَعۡقُوبَۖ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيّٗا ۝٤٩﴾ [مریم: ۴۸-۴۹]

«میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور اُن ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا"۔ پس جب وہ اُن لوگوں سے اور اُن کے معبودان غیر اللہ سے جُدا ہوگیا تو ہم نے اُس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا»۔

جن لوگوں نے مدد طلب کرتے ہوئے اور قضائے حوائج کی خاطر اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکاراان کو اللہ نے مشرکین کا نام دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلۡ أَرَءَيۡتُمۡ شُرَكَآءَكُمُ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُواْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِ أَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٞ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ أَمۡ ءَاتَيۡنَٰهُمۡ كِتَٰبٗا فَهُمۡ عَلَىٰ بَيِّنَتٖ مِّنۡهُۚ بَلۡ إِن يَعِدُ ٱلظَّٰلِمُونَ بَعۡضُهُم بَعۡضًا إِلَّا غُرُورًا ۝٤٠﴾ [فاطر: ۴۰]

«(اے نبیؐ) ان سے کہو: "کبھی تم نے دیکھا بھی ہے اپنے اُن شریکوں کو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو؟ مجھے بتاؤ، انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں میں ان کی کیا شرکت ہے"؟ (اگر یہ نہیں بتا سکتے تو ان سے پوچھو) کیا ہم نے انہیں کوئی تحریر لکھ کر دی ہے جس کی بنا پر یہ (اپنے اس شرک کے لیے) کوئی صاف سند رکھتے ہوں؟ نہیں، بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے کو محض فریب کے جھانسے دیے جا رہے ہیں»۔

اور کبھی اللہ اسے وعید کے ساتھ ملا کر ذکر کرتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

﴿فَلَا تَدۡعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ فَتَكُونَ مِنَ ٱلۡمُعَذَّبِينَ٢١٣﴾ [الشعراء: ۲۱۳]

«پس اللہ کے ساتھ کسی دُوسرے معبُود کو نہ پکارو، ورنہ تم بھی سزا پانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے»۔

اور کبھی ایسا اسلوب خطاب اختیار کرتا ہے جس میں اس شخص کے لئے ناپسندیدگی ہوتی ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَدۡعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ [یونس: ۱۰۶]

«اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی شے کو مت پکارو جو نہ تمہیں کچھ فائدہ دے سکتی اور نہ کوئی نقصان»۔

اور کبھی خطاب اخبار و استخبار کے مفہوم میں ہوتا ہے:

﴿قُلۡ أَرَءَيۡتُم مَّا تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُواْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِ أَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٞ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ﴾ [الأحقاف: ۴]

«اے نبیؐ، اِن سے کہو: "کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، یا آسمانوں کی تخلیق و تدبیر میں ان کا کیا حصہ ہے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلِ ٱدۡعُواْ ٱلَّذِينَ زَعَمۡتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَمۡلِكُونَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَلَا فِي ٱلۡأَرۡضِ وَمَا لَهُمۡ فِيهِمَا مِن شِرۡكٖ وَمَا لَهُۥ مِنۡهُم مِّن ظَهِيرٖ٢٢﴾ [سبأ: ۲۲]

«(اے نبیؐ، اِن مشرکین سے) کہو کہ پکار دیکھو اپنے اُن معبودوں کو جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھے بیٹھے ہو۔ وہ نہ آسمانوں میں کسی ذرہ برابر چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں۔ وہ آسمان و زمین

کی ملکیت میں شریک بھی نہیں ہیں ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار بھی نہیں ہے»۔

چنانچہ اے عوامِ شیعہ! اگر تم یہ کہتے ہو کہ دعاء عبادت ہے تو اللہ تعالی نے قرآن کریم کی تمام آیات میں کسی جگہ بھی یہ حکم نہیں دیا کہ مدد مانگنے اور دعاء کرنے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس نے کسی نبی، رسول، ولی یا فرشتے کو بھی مستثنی نہیں کیا۔ اللہ جل تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

«اور اے نبیؐ، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو اُنہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اُس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ یہ بات تم اُنہیں سنادو، شاید کہ وہ راہ راست پالیں»۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سنتے ہیں کہ تم لوگ یا علی، یا حسین، یا صاحب العصر والزمان، یا زہراء اور یا زینب پکار رہے ہوتے ہو اور ان سے مدد مانگ رہے ہوتے ہو!!؟۔

کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ جب آپ ان لوگوں کو دعاء میں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو ایسا کرنے سے آپ ان کو علم و قدرت اور سمع و بصر میں اللہ کے درجے میں رکھ دیتے ہیں!؟۔ کیونکہ جو شخص اللہ کو پکارتا ہے وہ جانتا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی سنتا ہے، دیکھتا ہے اور اس کے حال کو جانتا ہے بلکہ بسا اوقات ہم حالت سجدہ میں چھپ چھپ کر بنا کسی سنائی دی جانے والی آواز کے ساتھ اپنے دلوں میں اپنے رب سے مناجات کرتے ہیں، کیوں؟ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہمیں دیکھتا اور سنتا ہے اور ہماری ایسی کوئی بھی مخفی بات نہیں جو اس سے چھپی رہ جائے۔

یہ بندے کی طرف سے اپنے رب کا اعتراف ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری شے ہے جو بندے کے دل اور علم میں ہوتی ہے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے، اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا ایک خالص عقیدہ اور خالق و مخلوق کے مابین ایک قوی تعلق ہے۔ اس کے ذریعے بندہ اپنے رب کی عبادت گزاری کرتا ہے ۔ یہ عقیدہ و اہمیت کے لحاظ سے عظیم ترین عبادت ہے۔

پاک ہے وہ اللہ کی ذات جس نے یہ فرما کر پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح کے مشرکین پر اپنی حجت قائم کر دی کہ:

﴿ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمۡ لَهُ ٱلۡمُلۡكُۚ وَٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمۡلِكُونَ مِن قِطۡمِيرٍ ١٣ إِن تَدۡعُوهُمۡ لَا يَسۡمَعُواْ دُعَآءَكُمۡ وَلَوۡ سَمِعُواْ مَا ٱسۡتَجَابُواْ لَكُمۡۖ وَيَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ يَكۡفُرُونَ بِشِرۡكِكُمۡۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِيرٖ﴾ [فاطر: ۱۳-۱۴]

«وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے اُسے چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے مالک بھی نہیں ہیں۔ انہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو ان کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ حقیقت حال کی ایسی صحیح خبر تمہیں ایک خبردار کے سوا کوئی نہیں دے سکتا»۔

اللہ کی طرف سے تحذیر بالکل واضح ہے جو کسی تفسیر کی محتاج نہیں:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمۡثَالُكُمۡۖ فَٱدۡعُوهُمۡ فَلۡيَسۡتَجِيبُواْ لَكُمۡ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ١٩٤﴾ [الأعراف: ۱۹۴]

«تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ دیکھو، یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں»۔

چنانچہ کوئی مدد مانگنے والا قبر والوں سے کس طرح سے مدد طلب کرتا ہے حالانکہ نہ وہ اس کی بات سنتے ہیں، نہ اسے دیکھتے ہیں اور اگر سن بھی لیتے تو اسے کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے ۔ کیا اس طرح کے لوگ یہ نہیں جانتے کہ قبر میں پڑے شخص کی قبر کو مرقد کہا جاتا ہے جو کہ "رقود" (سو جانا) سے نکلا ہے!؟۔ پھر یہ لوگ اپنے رب کے ساتھ قبر والوں کو کس طرح شریک ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ ہی حی و قیوم ذات ہے جسے موت نہیں آئے گی۔ اور صرف وہی ہے جو ان کی دعا سنتا ہے، ان کے احوال جانتا ہے اور ان کی دعا قبول کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

گویا اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور سے مدد طلب کرنے والا شخص جب اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہے تو وہ اپنے رب پر بھروسہ نہیں کر رہا ہوتا یا گویا وہ اللہ کی صفات و قدرات میں اس کی شان گھٹا رہا ہوتا ہے ۔ پاک ہے اللہ کے ذات جس کا فرمان ہے:

﴿قُلۡ مَن يَرۡزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِ أَمَّن يَمۡلِكُ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡأَبۡصَٰرَ وَمَن يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتَ مِنَ ٱلۡحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ ٱلۡأَمۡرَۚ فَسَيَقُولُونَ ٱللَّهُۚ فَقُلۡ أَفَلَا تَتَّقُونَ۝٣١﴾ [یونس: ۳۱]

«ان سے پُوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بےجان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بےجان کو نکالتا ہے؟ کون اِس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو»۔

اگر آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ائمہ کو مقامات عطا فرمائے ہیں اور ان کے ذریعے ہم اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں تو اس کا جواب قرآن دے گا، میری مراد اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلۡخَالِصُۚ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَ مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ فِي مَا هُمۡ فِيهِ يَخۡتَلِفُونَۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي مَنۡ هُوَ كَٰذِبٞ كَفَّارٞ۝٣﴾ [الزمر: ۳]

«خبردار، دین خالص اللہ کا حق ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اُس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اِس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرا دیں، اللہ یقیناً اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گا جنمیں وہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا اور منکر حق ہو»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَفَحَسِبَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ أَن يَتَّخِذُواْ عِبَادِي مِن دُونِيٓ أَوۡلِيَآءَۚ إِنَّآ أَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكَٰفِرِينَ نُزُلٗا۝١٠٢﴾ [الکھف: ۱۰۲]

«تو کیا یہ لوگ، جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے، یہ خیال رکھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں؟ ہم نے ایسے کافروں کی ضیافت کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے»۔

أَفَحَسِبَ: یعنی ان کا خیال تھا کہ ان کے لئے ایسا کرنا درست ہے اور اس سے وہ نفع پاتے ہیں۔ یہ بات شیعوں اور اپنے ائمہ کے بارے میں ان کے عقیدے پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالی نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾ [مریم: ۸۲]

«ہر گز نہیں، وہ سب ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور الٹے اِن کے مخالف بن جائیں گے»۔

اس لئے اللہ تعالی نے بتایا کہ اس نے روزِ قیامت ان کے لئے جہنم کو بطور ٹھکانہ تیار کر رکھا ہے۔

چنانچہ اے شیعہ عوام الناس! بچو! بچو!۔ اس دن کے آنے سے پہلے غور و فکر کر لواور انصاف سے کام لے لوجس دن ندامت کوئی فائدہ نہ دے گی، جو حسرت اور (قبروں سے) اٹھنے کا دن ہو گا۔قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے اپنے آپ، اپنی کمزوری و تہی دامنی، اپنی اولاد اور جن لوگوں سے تم محبت رکھتے ہو ان کا ذرا تصور کرو۔

اللہ جل تعالی دور نہیں اور نہ اللہ اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان کسی واسطے اور مترجم کا محتاج ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالی نفس کو خود نفس سے بھی زیادہ جانتا ہے اور اس کے اپنے آپ سے بھی زیادہ قریب تر ہے۔

کسی بھی شیعہ سے پوچھیں کہ کیا ائمہ اللہ کے بندے ہیں یا پھر وہ اللہ سبحانہ و تعالی کے مساوی ہیں؟ وہ جواب دیں گے: وہ سب اللہ کے بندے ہیں اور وہ اللہ کے برابر نہیں بلکہ اس سے کم تر ہیں ۔ اللہ سبحانہ و تعالی فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ [الأعراف: ۱۹۴]

«تم لوگ خدا کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں جیسے تم بندے ہو۔ ان سے دعائیں مانگ دیکھو، یہ تمہاری دعاؤں کا جواب دیں اگر ان کے بارے میں تمہارے خیالات صحیح ہیں»۔

اگر ائمہ اللہ سے کم تر ہیں جیسا کہ تم نے اقرار کیا تو پھر تم ان سے کیوں مانگتے ہو جب کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [لقمان: ۳۰]

«یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اسے چھوڑ کر جن دُوسری چیزوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں، اور (اس وجہ سے کہ) اللہ ہی بزرگ و برتر ہے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٦﴾﴾ [یونس: ۱۰۶]

«اور اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی ہستی کو نہ پکار جو تجھے نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، اگر تو ایسا کرے گا تو ظالموں میں سے ہوگا»۔

یہاں اللہ نے اس داعی کو ظالم بیان فرمایا جو (اللہ کے سوا) کسی اور کو پکارتا ہے۔ سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ ہم سنتے ہیں کہ آپ اپنی دعاؤں میں بعض اوقات کہہ رہے ہوتے ہیں کہ: یا اللہ بحق محمد اور بحق آل محمد۔ آپ لوگوں نے محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت کو اللہ اور اس کے اسماء سے بھی بڑا کر دیا!!؟۔ اور یوں آپ اہلِ سنت کے بارے میں کہتے ہیں تم محمد اور آپ ﷺ کی آل سے بغض رکھتے ہو کیونکہ تم ان کے واسطے سے اللہ سے نہیں مانگتے!!۔

ہم پورے یقین سے آپ کو کہتے ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلَّهِ ٱلْأَسْمَآءُ ٱلْحُسْنَىٰ فَٱدْعُوهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

«اور سب اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو اسے انہی ناموں سے پکارو»۔

یا پھر اے شیعہ! آپ کے خیال میں اللہ اور اس کے اسماء حسنی کافی نہیں تھے اس لئے آپ نے اس کے ساتھ کچھ دوسرے رب بھی بنا لئے!!؟۔

اللہ اپنے نبی یوسف علیہ السلام کی زبان سے فرماتا ہے:

﴿يَٰصَٰحِبَىِ ٱلسِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾﴾ [یوسف: ۳۹-۴۰]

«اے قید خانہ کے رفیقو! کیا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے۔ تم اس کے سوا کچھ نہیں پوجتے مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے مقرر کر لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے متعلق کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت سوا اللہ کے کسی کی نہیں ہے۔ اس نے

حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے»۔

شیعہ علماء نے اپنے عوام کو دھوکا دیا۔ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے ان کو کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو ائمہ اور ان کے مقامات کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَٱبۡتَغُوٓاْ إِلَيۡهِ ٱلۡوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُواْ فِي سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴿٣٥﴾﴾ [المائدۃ: ۳۵]

«اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کا قرب تلاش کرو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ»۔

میرا یہ کہنا ہے کہ ہر ہدف تک رسائی کے لئے کوئی وسیلہ ہوا کرتا ہے۔ جب سکول کا کوئی طالبِ علم چاہتا ہے کہ اس کا یونیورسٹی میں داخلہ ہو جائے یا اسے کوئی اعلیٰ پوزیشن مل جائے تو وہ محنت کرتا ہے تاکہ اعلی نمبر لے سکے اور اس طرح سے اپنا ہدف حاصل کر سکے۔ اسی طرح اللہ کی عبادت میں محنت و مواظبت اور اس کا تقوی اس بات کا وسیلہ ہے کہ بندہ اللہ کے حکم سے دنیا اور آخرت کی فلاح پا لے۔تمام برتر صفات اللہ کے لئے ہیں، اس کی طرح کی کوئی شے نہیں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ صالح مومنین کی دعا فاسدین اور مفسدین کی دعا سے جلدی قبول ہوتی ہے۔

چنانچہ وسیلہ سے مراد اللہ نے جس کام کا حکم دیا اس کے ذریعے اس کی بندگی بجا لانا اور جس کام سے روکا اس سے رک جانا ہے۔ اللہ کی مسلسل رحمت کو پانے کا ہمارے لئے یہی وسیلہ ہے۔

شیعہ علماء نے تو اس سے بھی واضح اشیاء میں تحریف کر ڈالی پھر اس وقت کیا حال ہو گا جب ان کو کوئی ایسی شے مل جائے جس میں وہ شیعہ عوام کی جہالت اور ان کی طرف سے اپنے رب کی مربوط کتاب کو چھوڑ دینے کی بنا پر اپنی خواہشات کے مطابق تاویل کر سکتے ہوں جب کہ اس کتاب میں ایسی متعدد آیات ہیں جو اس آیت کے مفہوم کی تایید کرتی ہیں اور ان کی طرف سے اس کی غلط تاویل کی مخالفت کرتی ہیں۔

اس لئے ہم شیعہ عوام سے پوچھتے ہیں کہ: کیا آپ کے ائمہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے مدد مانگیں اور ان سے اپنی ضروریات طلب کریں یا انہوں نے آپ کو یہ وصیت کی کہ آپ اپنی دعا میں اللہ کے ساتھ ان کو بھی شریک کریں؟ درحقیقت یہ تمہارے علمائے ضلالت اور جہنم کی طرف بلانے والے تمہارے دین کے وہ بانی ہیں جنہوں نے تم کو شرک کرنے کی دعوت دی۔

ائمہ تمہارے اس شرک سے بری ہیں ۔ میں شیعہ لوگوں کو ایک روایت یاد دلاتا ہوں جو ابو عبد اللہ سے مروی ہے کہ ان سے جب کہا گیا کہ : "مفضل بن عمر کہتا ہے کہ : بندوں کا رزق آپ (ائمہ) کی قدرت میں ہیں"۔ تو انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہمارے رزق پر صرف اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ مجھے اپنے اہل و عیال کے لئے کھانے کی ضرورت پڑی، میں پریشان ہو گیا، اس کی سوچ میں پڑ گیا، یہاں تک کہ میں نے ان کی خوراک محفوظ کر لی اور تب میرا دل خوش ہو گیا۔ اللہ اس یعنی مفضل پر لعنت کرے اور وہ اس سے بری ہے۔[1]

پاک ہے اللہ کی ذات جس کا فرمان ہے:

﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا۟ مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَٰفِلِينَ ﴿٢٩﴾﴾ [یونس: ۲۸-۲۹]

«اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے۔ پھر مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ کھڑے رہو، تو ہم ان میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، ہمیں تو تمہاری عبادت کی کچھ خبر ہی نہ تھی»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾﴾ [مریم: ۸۲]

«ہرگز نہیں وہ جلد ہی ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے»۔

یعنی وہ اپنی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان سے اظہارِ براءت کر دیں گے اور اس کے بارے میں کثیر آیات ہیں۔

اب میں ہر شیعہ سے چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ اللہ تعالی کے اس فرمان میں غور کرے:

﴿يَخْلُقُكُمْ فِى بُطُونِ أُمَّهَٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِى ظُلُمَٰتٍ ثَلَٰثٍ﴾ [الزمر: ٦]

«وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین اندھیروں میں بناتا ہے»۔

1۔ بحار الانوار: ۳۰۱/۲۵، رجال الکشی: ۳۲۳

تصور کریں جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں ان تین اندھیروں میں تھے!؟ پھر آپ کے رب نے آپ کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا اور آپ کی ساخت کو بہت خوبی اور انتہائی درستگی کے ساتھ بنایا، آپ کے داخلی اعضاء کو آپ کے چھوٹے سے جسم میں تین گہری تاریکیوں میں بنایا اور پھر آپ کو جوڑا۔۔ صرف اللہ سبحانہ و تعالی کے سوا اور کون یہ کر سکتا ہے؟۔ پھر اس نے آپ تک آپ کا رزق پہنچایا اس وقت جب آپ بہت ہی چھوٹے تھے اور آنکھیں موندے ہوئے تھے!!۔ اپنی ناتوانی کے باعث آپ اپنا رزق خود نہیں کما سکتے تھے۔ صرف وہی اللہ ہی ہے جو سمیع و بصیر اور خیر الرازقین ہے۔ اور جب آپ نکل کر اس دنیا میں آئے تو اللہ تعالی نے آپ کے لئے ایسے لوگوں کو مسخر کر دیا جو آپ کی خدمت کرتے اور آپ کی ضروریات پوری کرتے کیونکہ آپ بہت ناتواں تھے ۔ اور چونکہ آپ کو کسی چیز پر قدرت نہیں تھی اس لئے اللہ نے آپ کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی آپ کی شفیق ماں کی چھاتیوں سے تمام مناسب اجزاء کے حامل یہاں تک کہ مناسب درجہ حرارت والا اور خوش ذائقہ دودھ کی صورت میں آپ کا رزق تیار کر دیا ۔ وہ جس کے لئے چاہے نہایت مہربان ہے اور علیم و خبیر ہے۔

جب قرآن کی آیات پڑھتے ہوئے اس طرح کے تصورات کو ذہن میں لاتے ہیں تو یہ مومن کے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے رب کی قدردانی و شکر گزاری اور اس کی حمد کرتے ہوئے اس کا بندہ بن جاتا ہے اور اس بات سے حیاء محسوس کرتا ہے کہ اس عظیم رب کے علاوہ کسی اور سے مانگے۔ اس کی بے پناہ قدرت اور عظمت شان کی وجہ سے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے علاوہ کسی اور سے مانگے۔ وہ ہر کریم سے زیادہ کرم والا اور ہر دینے والے سے زیادہ دینے والا ہے۔

جو شخص طلبِ حوائج میں اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کرتا ہے (اس سے سوال ہے کہ) آیا یہ لوگ جن سے تم مدد مانگتے ہو کیا انہوں نے تم کو پیدا کیا، تمہیں عافیت دی اور ان تاریکیوں میں تمہیں رزق دیا؟ بلکہ ان کو نہ تو تمہارے بارے میں کچھ علم تھا اور نہ تمہاری ضرورت کے بارے میں، یہ لوگ تمہاری ہی طرح مخلوق اور ناتواں تھے۔ تم ایک نطفے سے بنے جو آنکھ سے نظر نہیں آتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ تمہاری بڑھوتری ہوتی گئی ۔ تم ایک دن میں ایک سینٹی میٹر لمبے ہوتے اور تمہارا وزن اس ورق سے بھی کم تھا جس کو تم اس کتاب میں پڑھ رہے ہو۔ اللہ ہی تھا جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری نگہداشت کی اور اس نے اپنی نعمتوں اور حفاظت اور اپنی عظیم قدرت کے

ساتھ تمہاری پرورش کی یہاں تک کہ تم ایک آدمی بن گئے، تمہاری عقل کامل ہو گئی اور پھر ہم اس طرح کے ظالم شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور سے مدد مانگتا پھرتا ہے!۔جس ذات نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں اس وقت عافیت اور رزق سے نوازا جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے حالانکہ تم نے اس سے نہ مانگا تھا اور نہ ہی اس سے دعا کی تھی، وہ اس وقت تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا جب تم اس سے مانگو گے اور اس سے دعا کرو گے!!؟۔

قرآن میں ایک آیت ہے، اللہ اگر اس کے سوا کسی آیت کو نازل نہ فرماتا تو یہ ہر مشرک کے سامنے بیانِ حق کے لئے کافی و شافی ہوتی۔ یہ اللہ کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَن يَخْلُقُوا۟ ذُبَابًا وَلَوِ ٱجْتَمَعُوا۟ لَهُۥ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ ٱلذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ ٱلطَّالِبُ وَٱلْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾﴾ [الحج: ۷۳]

«اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے کان لگا کر سنو۔ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگر چہ وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں۔ اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے تو اسے مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔ عابد اور معبود دونوں ہی عاجز ہیں»۔

مشرکین کی علامت اللہ تعالی کے اس فرمان میں پوری طرح واضح ہو جاتی ہیں:

﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى ٱلْقُرْءَانِ وَحْدَهُۥ وَلَّوْا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَـٰرِهِمْ نُفُورًا ﴿٤٦﴾﴾ [الإسراء: ۴۶]

«اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے کر دیے ہیں تاکہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے۔ اور جب تو قرآن میں صرف اپنے رب ہی کا ذکر کرتا ہے تو پیٹھ پھیر کر نفرت سے بھاگتے ہیں»۔

اللہ تعالی کا یہ فرمان کہ: ﴿وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى ٱلْقُرْءَانِ وَحْدَهُۥ﴾، تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ: جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں تو ﴿وَلَّوْا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَـٰرِهِمْ نُفُورًا﴾، یعنی یہ لوگ منتشر ہو جاتے ہیں اور اپنے بتوں، اپنے ائمہ اور اپنے ان اولیاء کے لئے غضب ناک اور ان کے لئے رنجیدہ ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں جن کے لئے وہ سرگرداں پھر

رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ جان بوجھ کر ازراہِ تکبر اس بات سے اعراض کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالی کی توحید بیان کی جائے۔

یہ قرآن کی بیان کردہ حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس سے مراد عبادت اور دعا میں ایک اللہ کی توحید سے اعراض ہے ۔ میں نے جب شیعہ عوام اور علماء سے مسئلہ توحید اور تنہا اللہ ہی کی عبادت اور اسی سے دعا مانگنے کے وجوب پر گفتگو کی تو اس حقیقت کا مشاہدہ میں نے بذاتِ خود کیا۔

میں جب ان کو سمجھا رہا ہوتا اور ان سے کہتا کہ: صرف یا اللہ کہو تو وہ کہتے : یا اللہ، یا علی اور کبھی یا علی کا تکرار کرتے، تا کہ ہمیں غصہ دلا سکیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ ایسا کرنا ان کے ائمہ پر مضبوط اور راسخ ایمان کی دلیل ہے۔ چنانچہ جب ہم ان کو صرف اور صرف اللہ یاد کراتے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ پاک ہے اللہ کی وہ ذات جو پوشیدہ و مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے اور جس نے ان کی حالت اس طرح بیان فرمائی کہ:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَحْدَهُ ٱشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ ٱلَّذِينَ مِن دُونِهِۦٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝٤٥﴾ [الزمر: ۴۵]

«اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل منقبض ہو جاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں»۔

چنانچہ وہ علی، فاطمہ زہراء، حسین اور دیگر ائمہ کے ذکر سے خوش ہوتے ہیں اور اپنی دعا اکیلے اللہ سے نہیں کرتے کیونکہ ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں، العیاذ باللہ۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نہیں دیکھتے کہ وہ صرف اکیلے اللہ سے دعا کرتے ہوں ۔ ہلاکت و تباہی ہے ان کے لئے اس چیز سے جس سے وہ ڈرائے جا رہے ہیں۔

چنانچہ وہ شخص جو اپنی دعا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد مانگتا ہے اور یا پھر طلبِ حوائج میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراتا ہے اسے میں کہتا ہوں کہ سمجھ لو اور خوب اچھی طرح اور یقینی طور پر جان لو کہ تمہارے ساتھ استدراج ہو رہا ہے نہ کہ تمہاری دعا اس وجہ سے قبول ہو رہی ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے اور تم سے راضی ہے۔ اللہ تمہاری سرکشی میں تم کو بڑھائے جا رہا ہے۔

شیعہ علماءا ور عوام سے ہم جو کراماتِ حسینیہ، کراماتِ عباسیہ اور کراماتِ زیارت عاشوراء کے واقعات سنتے ہیں وہ شیطان کی طرف سے ہیں کیونکہ یہ واقعات ان کو غیر اللہ کی عبادت و تقدیس کی دعوت دیتے ہیں۔

ہم اس امت کے صالح لوگوں سے کرامات کے واقع ہونے کا انکار نہیں کرتے، کرامت تو ثابت شدہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے اپنے اس بندے کو عطا کی جانے والی ثابت قدمی ہوتی ہے جو اپنے رب کا موحد ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے اس کے لئے فوری طور پر دیا جانے والا ثواب ہوتا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اہل اسلام اور اہلِ سنت و الجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیاء کی کرامات حق ہیں۔ قرآن ایک سے زیادہ جگہ پر اور صحیح احادیث اور صحابہ اور تابعین وغیرہ سے مروی متواتر آثار ان پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا انکار صرف معتزلہ اور جہمیہ اور ان کی پیروی کرنے والے اہلِ بدعت ہی نے کیا ہے۔ تاہم بہت سے لوگ جو صاحب کرامات ہونے کا دعوی رکھتے ہیں یا ان کے بارےمیں ان کا دعوی کیا جاتا ہے وہ کذاب یا تلبیس کرنے والے ہوتے ہیں۔ ضروری ہے کہ اس معاملے کو احتیاط اور صحیح فہم کے ساتھ لیا جائے۔ کبھی گمراہ لوگوں سے بھی کچھ خوارقِ عادت امور واقع ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں ناواقف شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کرامات ہیں حالانکہ وہ شیاطین کی طرف سے تلبیس ہوتی ہے ۔ شیطان ایسے لوگوں کا دوست ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالی نے فرمایا:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّآ أَرْسَلْنَا ٱلشَّيَـٰطِينَ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴿٨٣﴾﴾ [مریم: ۸۳]

«کیا تو نے نہیں دیکھا ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے، وہ انھیں ابھارتے رہتے ہیں»۔[1]

بعض شیعہ علماء اور عوام اپنے اولیاء کے قبروں پر اپنی خوابوں یا حالتِ بیداری میں دیکھی جانے والی کرامات کے جو واقعات بیان کرتے ہیں وہ یہی کچھ ہیں۔ یہ لوگ اس معاملے کی حقیقت کو اس وقت جان لیں گے جب اللہ تعالیٰ ان کو موت کے بعد دوبارہ اٹھائے گا اور ان کو علم ہو جائے گا کہ وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

1۔ مختصر الفتاوي المصرية: ۶۳/۲

اور آخر میں شیعہ عوام اور سادہ لوح افراد کو میں یہ تنبیہ کرنا چاہوں گا کہ وہ معقولیت اور انصاف کے ساتھ اس بات میں غور کریں کہ اگر اللہ تعالی نے ائمہ کی قبروں سے مدد مانگنے اور ان سے تبرک حاصل کرنے کی اجازت دی ہوتی یا پھرایسا کرنا عبادت ہوتا تو تمام ائمہ کی قبروں کی جگہ کا علم ہوتا جن میں سرفہرست علی ا ور فاطمہ زہراء ہیں اور اللہ ان کی قبروں کو سب کے علم میں رکھتا جیسا کہ خانہ کعبہ ہے اور ان کے صحیح ہونے پر کسی کا اختلاف نہ ہوتا۔

مزید یہ کہ اگر اللہ نے قبور سے مدد مانگنے اور ان سے تبرک لینے کی اجازت دی ہوتی تو نبی ﷺ کی قبر کو اس میں سے وافر حصہ ملتا اور اس کا بھی کعبہ کے طواف کی طرح طواف ہوتا اور اللہ تعالی شیعہ کو کم سے کم سیدِالبشر ﷺ کی قبر پر تو ان عبادات کو سرانجام دینے کی قدرت دے دیتے جن کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ نبوی حجرہ شریف میں دفن کئے گئے، اور اللہ اس عبادت کو متعین فرما دیتے چاہے یہ کسی مخلوق کو پسند ہوتا یا ناپسند جیسا کہ اللہ تعالی نے طوافِ کعبہ کو کسی بھی مخلوق کی پسند و ناپسند کا خیال کئے بغیر مقرر فرما دیا۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر نامعلوم ہے کیونکہ شیعہ کے اپنے اعتراف کی رو سے ان کو بقیع میں دفن کیا گیا اور شیعہ پورے تعین کے ساتھ نہیں جانتے کہ ان کی قبر کہاں ہے؟

ائمہ پاک میں سے درج ذیل بقیع میں مدفون ہیں اور شیعہ متعین طور پر نہیں جانتے کہ ان کی چار قبریں کس جگہ ہیں: نواسہ رسول حسن رضی اللہ عنہ، علی بن الحسین زین العابدین، محمد الباقر اور جعفر الصادق رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ کی قبر کے قطعی مقام کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ان کو قصرِ امارت میں دفن کیا گیا جو کہ مشہور و معروف ہے۔ جب کہ نجف میں ان کا مشہد جس کے بارے میں شیعہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ ان کی قبر ہے، تاریخی اعتبار سے یہ معقول نہیں ۔ اہلِ سنت کے ہاں مشہور یہ ہے کہ نجف میں جو قبر ہے وہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے ۔ اس کے بارے میں بہت سے اکابر علماء اور مورخین نے گفتگو کی ہے جس کو شیعہ علماء اپنی عوام سے چھپاتے ہیں۔

ابن حدید کی شرح نہج البلاغہ میں آیا ہے کہ:

جب علی علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تو ان کے بیٹوں نے ارادہ کیا کہ وہ ان کی قبر کو (ان کی وصیت کی رو سے) پوشیدہ رکھیں، اس خوف کے پیشِ نظر کہ کہیں بنو امیہ، منافقین اور خوارج ان کی قبر کے

ساتھ کچھ (توہین آمیز سلوک) نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس رات یعنی ان کے دفن کی رات لوگوں کو ان کی قبر کے بارے میں مختلف شبہات میں ڈال دیا۔ انہوں نے ایک اونٹ پر رسیوں سے باندھا ہوا ایک تابوت کسا جس میں سے کافور کی خوشبو آ رہی تھی۔ اسے انہوں نے رات کے اندھیرے میں بااعتماد لوگوں کے ساتھ کوفہ سے نکالا ۔ وہ لوگوں کو اس شبہے میں ڈال رہے تھے کہ وہ انہیں مدینہ لے جا رہے ہیں اور آپ کو فاطمہ علیہا السلام کی قبر کے ساتھ دفن کریں گے۔ اسی طرح انہوں نے ایک خچر بھی روانہ کیا جس پر ایک ڈھکا ہوا تابوت تھا یہ تاثر دیتے ہوئے کہ وہ اسے حیرہ میں دفن کریں گے۔ انہوں نے متعدد گڑھے کھودے جن میں سے ایک مسجدِ کوفہ کے صحن میں تھا، ایک آل جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کی رہائش گاہوں میں تھا،ایک عبد اللہ بن یزید قسری کے گھر کی بنیاد میں باب الوراقین کے سامنے مسجد کے قبلے والی جانب تھا، ایک کناسہ میں تھا جو کہ کوفہ کا محلہ ہے اور ایک ثویہ میں تھا جو کہ کوفہ کے قریب ہی ایک جگہ ہے۔ اس طرح سے لوگوں پر آپ کی قبر کی جگہ مخفی رہی اور حقیقت میں آپ کو کس جگہ دفن کیا گیا اس سے صرف آپ کے بیٹے اور آپ کے ساتھیوں میں سے کچھ خاص مخلص لوگ ہی واقف تھے۔ وہ ۲۱ رمضان کی رات سحری کے وقت آپ کو لے کر نکلے اور نجف میں الغری کے نام سے معروف ایک جگہ پر آپ کو دفن کر دیا جس کے بارے میں آپ کی طرف سے ان کو وصیت اور نصیحت کی گئی تھی اور آپ کی قبر کی جگہ کو لوگوں سے مخفی رکھا گیا۔

میرا یہ کہنا ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کی قبر کو اس زمانے میں پوشیدہ رکھا گیا تو کیاان کے بعد آنے والی نسل کے لئے ممکن ہے کہ وہ متعین طور پر علی رضی اللہ عنہ کی قبر کی جگہ کو جان سکیں جب کہ وہ ان سے پہلے آنے والے لوگوں پر مخفی تھی؟۔

جب کہ حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کے بارے میں علامہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: ۲۳۶ ہجری میں متوکل نے حسین بن علی کی قبر اور اس کے گرد موجود تمام گھروں اور رہائش گاہوں کو مسمار کرنے اور اس بات کا حکم دیا کہ آپ کی قبر کی جگہ پر ہل چلا دیا جائے، اس میں بیج بو دیئے جائیں اور اسے پانی لگا دیا جائے اور لوگوں کو اس پر آنے سے روک دیا جائے ۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ پولیس افسر نے ایک گوشے میں اعلان کر دیا کہ جس کو ہم نے تین دن کے بعد آپ کی قبرپر پایا اسے جیل بھیج دیں گے ۔ اس پر لوگ بھاگ گئے اور قبر کی طرف جانے سے باز آ گئے۔

شیعہ بزرگ طوسی، امالی میں روایت کرتے ہیں کہ متوکل نے اپنا یہی عمل حسین کی قبر کے ساتھ دوبارہ دہرایا یعنی حسین بن علی کی قبر اور اس کے گرد موجود گھروں اور رہائش گاہوں کو بھی مسمار کرا دیا اور ۲۳۶ھ میں حکم دیا کہ آپ کی قبر کی جگہ ہل چلا دیا جائے، اس میں بیج بو دیئے جائیں اور اس میں پانی لگا دیا جائے اور لوگوں کو اس جگہ آنے سے منع کر دیا جائے۔ ۲۴۸ ہجری میں جب متوکل تک یہ خبر پہنچی کہ کوفہ والوں میں سے کچھ لوگ کربلاء میں حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور یہ کہ ان کا اجتماع بہت بڑھ چکا ہے، جب متوکل تک یہ بات پہنچی اور ان کا وہاں ایک بڑا بازار بن گیا تو اس نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ایک سالار بھیجا اور اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ ہر اس شخص سے براءتِ ذمہ کا اعلان کر دے جو قبر کی زیارت کے لئے آتا ہے۔ پھر اس نے قبر کھود دی، اس کی جگہ ہل چلا دیا اور لوگ اس کی زیارت کے لئے آنے سے رک گئے۔

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ان کے جسم مبارک سے الگ کر دیا گیا تھا۔ ان کی قبر کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ شام کے اندر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مصر میں ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی قبر نجف میں ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کربلاء میں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کربلاء کی حدود سے تھوڑا سا باہر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ فلسطین کے علاقے عسقلان میں ہے۔

ان سب اقوال کا تعلق تو جسد سے ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں تو لوگ آج تک سوال کرتے ہیں کہ: امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر کہاں دفن کیا؟ اس کی جگہ کی اس انداز میں قطعی تعیین جس میں کوئی شک نہ ہو اس کے بارے میں مورخین کے اقوال بہت زیادہ اور مختلف ہیں۔

اہلِ عراق کہتے ہیں کہ وہ دمشق سے ان کی طرف واپس آ گیا تھا اور اسے ایک دفعہ پھر جسد کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ اہلِ شام اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ سر ابھی تک ان کے ہاں مدفون ہے اور اس پر قبر ہے۔ بلادِ مغرب اور مصر پر جب فاطمیوں کی حکومت تھی تو وہ کہا کرتے تھے کہ: سر کو مصر لا کر وہاں دفن کر دیا گیا ہے۔ مصر میں مسجدِ حسین کے اندر وہ قبر ہے جس کی زیارتیں ہوتی ہیں۔

اگر ہم ان تمام شیعہ روایات پر نظر دوڑائیں جو ان کے اولیاء کی قبروں کی زیارت پر ابھارتی اور اس کی ترغیب دیتی ہیں اور جنہوں نے زیارت کے اجر و ثواب خاص طور پر حسین کی قبر کی زیارت

کے اجر کے بیان میں مبالغہ آرائی کی ہے یہاں تک کہ اسے اپنی عبادات میں سے سب سے افضل ٹھہرا دیا، تو (معلوم ہو گا کہ ان سب روایات) کی تدوین ائمہ کی وفات کے بہت عرصہ بعد ہوئی ۔اور اسی طرح ان روایات نے ان کے اولیاء کی قبور کی جگہ کی ایسے واضح اور قطعی انداز میں تعیین بھی نہیں کی جو شک و شبہہ سے بالاتر ہو ۔

اللہ کے نبی اور رسول سید العالمین محمد ﷺ کو حجرہ نبوی میں دفن کیا گیا۔ یہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہے جس میں وہ نبی ﷺ کے ساتھ رہائش پذیر تھیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو اسی میں دفن کیا گیا۔

اس کے بعد سن ۱۳ ہجری میں اس جگہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے رفیق یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ چنانچہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے لئے قبر کھودی گئی اور ان کے سر کو رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے پاس رکھ دیا گیا۔ ان دونوں ہستیوں کے بعد سن ۲۴ ہجری میں اس حجرے میں عمر بن خطاب دفن کئے گئے۔ انہوں نے اس بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت مانگی تھی جس کی انہوں نے اجازت دے دی تھی۔

یہ بات ابو بکر اور عمر کی شرف و مقام پر اور اللہ کے ہاں ان کی عظمت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ان سے محبت پر دلالت کرتی ہے۔ تمام مسلمانوں کے ہاں ان کی قبریں موجود و معلوم اور مشہور ہیں اور ان میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہے۔

جب کہ شیعہ کی نظر میں جو ائمہ ابو بکر اور عمر سے افضل اور زیادہ معزز ہیں ان کی قبریں گم کر دی گئیں اور وہ اپنے دادا سید الانبیاء و المرسلین کے جوار میں دفن ہونے کا اعزاز حاصل نہ کر سکے باوجودیکہ وہ مدینۃ الرسول ﷺ میں فوت ہوئے۔ یہ ان کے مقامات میں کوئی تنقیص نہیں بلکہ میں تو صرف لوگوں کے امورِ حیات کی تدبیر میں کارفرما اللہ کی حکمت اور رحمت کی یاددہانی کرانا چاہتا ہوں تاکہ لوگ اللہ کے علاوہ کسی اور کی تعظیم کرنا نہ شروع کردیں جو ان کو شرک تک لے جائے۔

اسی طرح علی اور حسن و حسین سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی ہو اور اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو یہ بات مشہور ہوتی اور آپ کی قبر کی جگہ بھی معلوم ہوجاتی اور اسی طرح یہ بھی ثابت نہیں کہ ائمہ میں سے کسی امام نے حکم دیا ہو کہ ان کی قبروں پر گنبد

بنائے جائیں، ان کی زیبائش کی جائے اور ان کا طواف کیا جائے یا پھر انہوں نے کسی ایسے شخص سے مدد طلب کی ہو یا تبرک حاصل کیا ہو جو ان سے افضل ہے جیسے ان کے دادا اور ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں یا ان کے والد علی رضی اللہ عنہ یا ان کی والدہ فاطمہ زہراء ہیں۔

اگر شیعہ عوام بنا کسی تعصب کے علی رضی اللہ عنہ اور حسین کی قبر کی جگہ کے مسئلے کو بغور دیکھیں، اس پر تحقیق کریں اور اس کا مطالعہ کریں کہ کیا واقعی یہ ان کے ہاں اب تک مشہور ہیں اور تمام علماء و مورخین کے اقوال سے آگاہ ہوں تو وہ دیکھیں گے ان کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے اور ہر کوئی اس مسئلے میں اپنی اپنی رائے دیتا ہے اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن سے شیعہ علماء نظر پوشی کرتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ کی قبر نجف میں ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کربلاء میں ہے، اس بات کے یقینی و قطعی اثبات کے لئے ان کے پاس کوئی حتمی اور فیصلہ کن دلائل موجود نہیں ہیں ۔ اس سلسلے میں وہ اپنی جھوٹی تاریخ اور ان روایات پر تکیہ کرتے ہیں جو بہت دیر بعد لکھی گئیں اور جو ان قبروں کے مقامات کی صحت کے اثبات میں مبہم ہیں۔

اگر شیعہ عوام اپنے علماء سے ایسے قطعی دلائل طلب کریں جن پر ان کے دل مطمئن ہو جائیں تو وہ دیکھیں گے کہ ان کے علماء عقلی کلام اور فلسفہ جات پیش کرنے لگ جاتے ہیں جو مضبوط دلائل سے خالی ہوتے ہیں۔

شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبیﷺ کے چند صحابہ کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تھے

شیعہ کی طرف سے اللہ کی کتاب کی خلاف ورزیاں جو ثابت کرتی ہیں کہ وہ احادیث خود گھڑتے ہیں اس کی ایک مثال ان کی وہ روایات ہیں جن کے بقول نبیﷺ کے صحابہ ماسوا چند افراد کے سب مرتد ہو گئے تھے۔ یہ فاسد عقیدہ ان کی کتابوں میں موجود ہے جس کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔

ابو جعفر سے روایت ہے کہ: "نبیﷺ کے بعد سوائے تین افراد کے سب لوگ مرتد ہو گئے تھے: مقداد بن اسود، سلمان فارسی اور ابو ذر غفاری"۔[1]

اللہ کی عظیم کتاب میں تحریف کرنے اور موضوع روایات کے ساتھ اس کے واضح معانی کو منسوخ کرنے کے بعد وہ اپنے اس عقیدے کے ذریعے دین کے نقل کرنے کی اس مضبوط ڈوری اور باوثوق مصدر کو بھی کاٹ دینا چاہتے ہیں۔

تا کہ وہ ہر اس راستے کو منقطع کر دیں جو شیعہ عوام کو حق تک رسائی دیتا ہو اور من گھڑت امامت کو ماننے کی راہیں ہموار کریں۔

دین کو اس کے مصادر یعنی قرآن و سنت کے ساتھ ہم تک متقی صحابہ کرام ہی نے تو نقل کیا ہے۔اس لئے شیعہ کی طرف سے صحابہ کی تکفیر زبردست گمراہی اور وہ خطرناک دوراہا سمجھا جاتا ہے جہاں سے ان کے راستے مومنین سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ پاک ہے اللہ کی حکیم و علیم ذات جس کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ١١٥﴾ [النساء: ۱۱۵]

«مگر جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے»۔

1۔ الکافی للکلینی، ۲۴۵/۸، کتاب سلیم بن قیس، ص: ۱۶۲، بحار الانوار للمجلسی، ج: ۳۳۳/۲۲

شیعہ سماج نبی ﷺ کے صحابہ میں طعن زنی کرنے والی روایات کس طرح قبول کر لیتا ہے جب کہ نبی ﷺ کے صحابہ کی تعریف و ستائش میں قرآن میں ایسی بیسیوں صریح آیات آئی ہیں جن کے معانی میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا!؟۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض آیات کا اختتام تو اللہ احکم ا لحاکمین صحابہ کو جنت اور اپنی رضا کی خوش خبری سناتے ہوئے کرتے ہیں۔

ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ ان کے بعد کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ اپنے نبی ﷺ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے تھے۔ان آیات میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ تَرَىٰهُمۡ رُكَّعٗا سُجَّدٗا يَبۡتَغُونَ فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٗاۖ سِيمَاهُمۡ فِي وُجُوهِهِم مِّنۡ أَثَرِ ٱلسُّجُودِۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِي ٱلتَّوۡرَىٰةِۚ وَمَثَلُهُمۡ فِي ٱلۡإِنجِيلِ كَزَرۡعٍ أَخۡرَجَ شَطۡـَٔهُۥ فَـَٔازَرَهُۥ فَٱسۡتَغۡلَظَ فَٱسۡتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِۦ يُعۡجِبُ ٱلزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ ٱلۡكُفَّارَۗ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنۡهُم مَّغۡفِرَةٗ وَأَجۡرًا عَظِيمَۢا ٢٩﴾ [الفتح: ۲۹]

«محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھوگے اُنہیں رکوع وسجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤگے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں اُن کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اِس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے»۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ نصاری نے جب ان صحابہ کو دیکھا جنہوں نے شام فتح کیا تھا تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! حوارین کی بارے میں جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں ان کی رو سے یہ لوگ حواریوں سے بہتر ہیں"۔ اس بات میں وہ سچے تھے کیونکہ گزشتہ کتابوں میں بھی اس امت کی عظمت بیان کی گئی تھی اور اس امت میں سب سے عظیم اور افضل ترین رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہیں۔ اللہ تعالی نے نازل کردہ کتابوں اور متداول اخبار میں ان کا ذکر کرکے ان کی تعریف فرمائی

ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ (ان کی صفت ہے توریت میں) اور پھر فرمایا: وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ (اور انجیل میں اُن کی مثالیوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی) یعنی اپنی کونپلیں نکالیں- فَآزَرَهُ یعنی اسے قوت دی - فَاسْتَغْلَظَ یعنی وہ بڑی اور لمبی ہو گئی۔ اسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ (پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنےوالوں کو وہ خوش کرتی ہے) ۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بھی ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کو قوت بہم پہنچائی، آپ کی حمایت اور مدد کی ۔ چنانچہ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ ایسے ہی ہیں جیسے کاشتکاروں کے ساتھ کھیتی تا کہ کفار ان کی وجہ سے جلیں۔ (1)

نبی ﷺ کے صحابہ کی ستائش میں جو واضح آیات آئی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلْأَوَّلُونَ مِنَ ٱلْمُهَٰجِرِينَ وَٱلْأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحْسَٰنٍ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى تَحْتَهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝١٠٠﴾ [التوبة: ۱۰۰]

«وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کےلیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے»۔

اور اسی طرح اللہ کا فرمان ہے :

﴿۞ لَّقَدْ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝١٨﴾ [الفتح: ۱۸]

«اللہ مومنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا، اس لیے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی»۔

1۔ الاستیعات لابن عبد البر، تفسیر ابن کثیر: ۲۰۴/۴

اور فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَٰهَدَ عَلَيْهُ ٱللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٠﴾﴾ [الفتح: ١٠]

«اے نبیؐ، جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کررہے تھے ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا اب جو اس عہد کو توڑے گا اُس کی عہدشکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا، اور جو اُس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا»۔

اورفرمایا:

﴿لِلْفُقَرَآءِ ٱلْمُهَٰجِرِينَ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِمْ وَأَمْوَٰلِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضْوَٰنًا وَيَنصُرُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّٰدِقُونَ ﴿٨﴾﴾ [الحشر: ٨]

«(نیز وہ مال) اُن غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی حمایت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ یہی راستباز لوگ ہیں»۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلْإِيمَٰنَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِى صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا۟ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾﴾ [الحشر: ٩]

«(اور وہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے اِن کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی اُن کو دے دیا جائے اُس کی کوئی حاجت تکیہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں»۔

اور فرمایا:

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [الحدید: ۱۰]

«تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے۔ اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے»۔

اور ان کے علاوہ بھی بہت سی دیگر واضح آیات ہیں۔ سابقہ آیات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ بہت بڑے بڑے گروہوں میں تھے اور ان کی تعداد ہزاروں میں تھی چاہے وہ مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے یا ان کے علاوہ میں سے ۔ ان سب کے ساتھ جنت کا وعدہ تھا۔ یہ لوگ مرتد کیسے ہو سکتے ہیں؟

پچھلی آیات میں سے ایک ہی آیت کافی تھی جو خلفاء اور صحابہ کے بارے میں شیعہ عقیدے کا پول کھول دیتی ہے اور اس شخص کے سامنے اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکتی ہیں جو نجات کا طالب اور غور و فکر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾﴾ [آل عمران: ۱۴۶-۱۴۸]

«اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں اُن پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ (باطل کے آگے) سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ ان کی دعا بس یہ تھی کہ، "اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے در گزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اُسے معاف کردے، ہمارے قدم جمادے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر"۔ آخرکار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں»۔

حتی کہ بعض شیعہ تفاسیر میں بھی ہمیں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ لفظ (ربیون) کا معنی ہے: بڑے بڑے گروہ۔ انبیاء میں سب سے افضل محمدﷺ ہیں اور آپﷺ کی امت افضل ترین امت ہے۔ چنانچہ یہ ایک بدیہی اور معقول بات ہے کہ آپﷺ کے صحابہ افضل ترین ہوں گے۔ سابقہ آیت میں صحابہ ہی مراد ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس آیت کو اس بات کے بیان کے ساتھ ختم کیا کہ آخرت میں ان کو بہت اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ ان کو اللہ نے محسن قرار دیا اور احسان ایمان کے درجات میں سب سے بلند درجہ ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے نبیﷺ کے ساتھ مل کر قتال کیا، اپنے دشمن کے سامنے کمزور نہ پڑے، دورانِ جہاد ان پر جو مشکلات آئیں ان سے وہ پست ہمت نہ ہوئے، نہ تو انہوں نے بزدلی دکھائی اور نہ سرنگوں ہوئے اور اس طرح سے اللہ کی محبت سے شرف یاب ہونے کے مستحق ٹھہرے:

﴿وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّٰبِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۶]

«اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے»۔

واقعاتی حقائق اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نبیﷺ کے دور میں اسلام کو بہت وسعت ملی اور یہ بہت پھیلا۔ یہ امر قطعی طورپر دلالت کرتا ہے کہ وہ لوگ سچے اور مخلص تھے اور اپنے نبیﷺ کی زندگی اور آپﷺ کی وفات کے بعد آپﷺ ہی کے منہج پر گامزن رہے۔

بلکہ قرآن میں ہمیں ایسی واضح آیات ملتی ہیں جن میں اللہ تعالی اپنے نبیﷺ کے صحابہ کی ان الفاظ کے ساتھ تعریف کرتے ہیں جن میں ان کے ایمان کی مضبوطی کا اثبات ہے۔ ان آیات میں سے ایک اللہ سبحانہ و تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿إِذْ جَعَلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فِى قُلُوبِهِمُ ٱلْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَعَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ ٱلتَّقْوَىٰ وَكَانُوٓاْ أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ۝٢٦﴾ [الفتح: ۲۶]

«(یہی وجہ ہے کہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی اور مومنوں کو تقویٰ کی بات کا پابند رکھا کہ وہی اُس کے زیادہ حقدار اور اُس کے اہل تھے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے»۔

ان کی قوتِ ایمانی اور اللہ اور اس کے رسولﷺ کے ساتھ ان کے اخلاص کے بسبب اللہ نے ان پر اپنے لشکروں میں سے ایک لشکر نازل کیا جو ان کے ساتھ مل کر اللہ اور ان کے دشمن کے ساتھ

لڑتا۔ یہ لشکر اللہ کے معصوم اور پاک فرشتے تھے تا کہ وہ ان کے شانہ بشانہ بیک صف ہو کر لڑیں۔ اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝٩ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝١٠﴾ [الأنفال: ۹-۱۰]

«اور وہ موقع یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جو اب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے درپے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد تو جب بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، یقیناً اللہ زبردست اور دانا ہے»۔

اللہ سبحانہ و تعالی نے پاک فرشتے صرف اسی لئے نازل کئے تا کہ وہ پاک لوگوں کے شانہ بشانہ لڑیں ۔ اللہ جو غیب کی باتیں جاننے والا اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے کیا ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں کی مدد کرے اور ان کو طاقت و اقتدار بخشے جو اپنے نبی ﷺ کی وفات کے بعد نواصب اور اہلِ بیت کے دشمن بن جانے والے ہوں!!؟

شیعہ حضرات نبی ﷺ کے صلاح و تقوی اور کفار و منافقین کے ساتھ آپ ﷺ کے جہاد و قتال کی کیا تفسیر کریں گے جب کہ (دوسری طرف) آپ ﷺ ان کفار و منافقین مثلا ابو بکر، عمر اور عثمان کے ساتھ سسرالی رشتہ داریاں اور قرابتیں بڑھا رہے ہوں جیسا کہ فریب خوردہ شیعہ معاشرہ سمجھتا ہے۔

ایک شیعہ عالم محمد کاشف آل الغطاء علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس بات کے ساتھ اعتراف کرتا ہے کہ: " جب علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان سے پہلے آنے والے دونوں خلیفہ یعنی ابو بکر اور عمر نے توحید کی نشر واشاعت، لشکروں کی تیاری اور فتوحات کی توسیع کے لئے اپنی انتہائی کوششیں صرف کیں اور انہوں نے نہ خود کو ترجیح دی اور نہ ہی مطلق العنانی اختیار کی تو انہوں نے بیعت اور صلح کر لی"۔[1]

یہ اکابر علمائے شیعہ میں سے ایک عالم کا اعتراف ہے۔

1۔ أصل الشيعة و أصولها: ص: ۴۹

شیعہ اپنے ائمہ کی طرف علمِ غیب کو منسوب کرتے ہیں

شیعہ کی طرف سے اللہ کی کتاب کی خلاف ورزیوں میں سے ایک عجیب خلاف ورزی یہ ہے کہ ان کے بقول : "امام ہر وہ بات جانتا ہے جو ہو چکی ہے اور جو آئندہ ہوگی اور کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں اور یہ کہ ائمہ جانتے ہیں کہ وہ کب مریں گے اور وہ اپنے اختیار سے مرتے ہیں"۔[1]

ابو عبد اللہ سے یہ ایک روایت نقل کرتے ہیں جو ان پر سراسر افتراء پردازی ہے کہ : " میں آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شے کو جانتا ہوں، جو کچھ جنت میں ہے میں اسے بھی جانتا ہوں اور جو کچھ جہنم میں ہے اسے بھی جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں وہ سب کچھ جو ہو چکا اور وہ جو آئندہ ہو گا"۔[2]

جب کہ ہر شیعہ کے سامنے ایسی متعدد واضح آیات ہیں جو اس بات کی قطعی طور پر نفی کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی غیب جانتا ہے۔ ان میں سے کچھ آیات یہ ہیں:

﴿قُل لَّا يَعۡلَمُ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ ٱلۡغَيۡبَ إِلَّا ٱللَّهُۚ وَمَا يَشۡعُرُونَ أَيَّانَ يُبۡعَثُونَ ٦٥﴾ [النمل: ٦٥]

«اِن سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا، اور وہ نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَآ إِلَّا هُوَۚ﴾ [الأنعام: ٥٩]

«اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا»۔

﴿وَيَقُولُونَ لَوۡلَآ أُنزِلَ عَلَيۡهِ ءَايَةٞ مِّن رَّبِّهِۦۖ فَقُلۡ إِنَّمَا ٱلۡغَيۡبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓاْ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ ٱلۡمُنتَظِرِينَ ٢٠﴾ [یونس: ٢٠]

«اور یہ جو وہ کہتے ہیں کہ اِس نبیؐ پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، تو ان سے کہو کہ غیب کا مالک و مختار تو اللہ ہی ہے، اچھا، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں»۔

1۔ الکافی، کتاب الحجۃ: ۱/۲۲۷، ۲۶۰

2۔ اصول الکافی: ۱/۲۶۱

اور اسی طرح اللہ سبحانہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلِلَّهِ غَيْبُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ ٱلْأَمْرُ كُلُّهُۥ﴾ [ھود: ۱۲۳]

«آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے اور سارا معاملہ اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلِ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا۟ ۖ لَهُۥ غَيْبُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾ [الکھف: ۲۶]

«تم کہو، اللہ ان کے قیام کی مدّت زیادہ جانتا ہے، آسمانوں اور زمین کے سب پوشیدہ احوال اُسی کو معلوم ہیں»۔

کیا ائمہ جانتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی جب کہ اللہ تعالی پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں کہ اس کو صرف تنہا اللہ ہی جانتا ہے:

﴿يَسْـَٔلُكَ ٱلنَّاسُ عَنِ ٱلسَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ ٱللَّهِ﴾ [الأحزاب: ۶۳]

«آپ سے لوگ قیامت کی گھڑی کے بارے دریافت کرتے ہیں۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے»۔

چونکہ انہوں نے قرآن میں بیان کردہ واضح حقائق کی خلاف ورزی کی اس لئے ایسی عجیب باتوں اور تناقض کا شکار ہو گئے جو ان کا پول کھول دیتی ہیں۔ کلینی نے ذکر کیا ہے: "ہر امام یا تو مقتول ہو کر مرا یا پھر اسے زہر دیا گیا"۔[1]

سوال یہ ہے کہ اگر امام غیب جانتا ہوتا تو یہ بھی جان لیتا کہ زہر کہاں ہے۔ اور اگر وہ کھانے پینے کی کسی زہریلی شے کو تناول کرنے لگتا تو اس میں موجود زہر کے بارے میں اسے علم ہو جاتا اور وہ اس سے پرہیز کرتا اور اگر (جانتے بوجھتے ہوئے بھی) وہ پرہیز نہ کرتا (اور اس شے کو کھا لیتا) تو (ایسا کرنے پر وہ) خود کشی کر کے مرنے والا ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جو شے اس نے جانتے بوجھتے ہوئے تناول کی وہ زہریلی تھی اور یوں اس پر خودکشی کرنے والے کا حکم لگے گا۔ ایسی ثابت شدہ نصوص آئی ہیں جن کی رو سے خود کشی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ ائمہ کے بارے میں یہ ہو ہی

1۔ أصول الكافي، كتاب العلم، باب اختلاف الحديث: ج: ۱، ص: ۶۵

نہیں سکتا کہ وہ خودکشی کر لیں۔ صرف یہ بات ہی ائمہِ شیعہ سے علمِ غیب کو ساقط کر دیتی ہے اور قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ وہ غیب نہیں جانتے۔

اگر کوئی غور کرنے والا غور کرے تو وہ جان لے گا کہ علمِ غیب صرف اور صرف ربانی صفت اور صلاحیت ہے جس پر صرف اللہ ہی قدرت رکھتا ہے اور مخلوق میں اس کی صلاحیت نہیں ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالی اپنےآپ کی تعریف کرتا ہے اور علمِ غیب کے ساتھ اپنی تقدیس بیان کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلۡكَبِيرُ ٱلۡمُتَعَالِ ٩﴾ [الرعد: ۹]

«وہ پوشیدہ اور ظاہر، ہرچیز کا عالم ہے وہ بزرگ ہے اور ہرحال میں بالاتر رہنے والا ہے»۔

اوراسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَخۡفَىٰ عَلَيۡهِ شَيۡءٞ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِي ٱلسَّمَآءِ ٥﴾ [آل عمران: ۵]

«زمین و آسمان کی کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں رہتی»۔

اور فرمایا:

﴿۞وَعِندَهُۥ مَفَاتِحُ ٱلۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَآ إِلَّا هُوَۚ وَيَعۡلَمُ مَا فِي ٱلۡبَرِّ وَٱلۡبَحۡرِۚ وَمَا تَسۡقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٖ فِي ظُلُمَٰتِ ٱلۡأَرۡضِ وَلَا رَطۡبٖ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مُّبِينٖ ٥٩﴾ [الأنعام: ۵۹]

ترجمہ: «اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بحروبر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے»۔

تاکہ مخلوق اپنے خالق و رازق کی عظمت بیان کرے اور یوں دلوں کا تعلق اس کے ساتھ قائم ہو جائے اور وہ خشوع و خوف اور توجہ و محبت کے ساتھ اس کے سامنے عاجز ہو جائیں نہ کہ وہ کسی بات پر اللہ کے علاوہ کسی اور کی تعظیم شروع کر دیں جس پر صرف اللہ سبحانہ و تعالی قدرت رکھتا ہے۔

اگر اللہ نے یہ عظیم صفت اپنی مخلوقات میں سے کسی مخلوق کو دی ہوتی تو دل قطعی طور پر اس مخلوق کی ایسی تعظیم میں لگ جاتے جو صرف اور صرف اللہ کے شایانِ شان ہے۔

چنانچہ نبی ﷺ جو تمام امت اور روئے زمین پر موجود سب لوگوں سے زیادہ افضل ہیں وہ بھی آیت کے صریح مفہوم کے مطابق علمِ غیب نہیں رکھتے:

﴿قُل لَّآ أَمۡلِكُ لِنَفۡسِي نَفۡعٗا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُۚ وَلَوۡ كُنتُ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ لَٱسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ ٱلۡخَيۡرِ وَمَا مَسَّنِيَ ٱلسُّوٓءُۚ إِنۡ أَنَا۠ إِلَّا نَذِيرٞ وَبَشِيرٞ لِّقَوۡمٖ يُؤۡمِنُونَ ١٨٨﴾ [الأعراف: ۱۸۸]

«اے محمدؐ، ان سے کہو: "میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کرنےوالا اور خوشخبری سنانے والا ہوں اُن لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں»۔

اور اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

﴿قُل لَّآ أَقُولُ لَكُمۡ عِندِي خَزَآئِنُ ٱللَّهِ وَلَآ أَعۡلَمُ ٱلۡغَيۡبَ﴾ [الأنعام: ۵۰]

«اے محمدؐ! ان سے کہو: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں»۔

ائمہ کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ نشاندہی کرتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے مقابلے میں ائمہ کی زیادہ تعظیم کرتے ہیں۔ ان کو وہ مقام دیتے ہیں جو وہ نبی ﷺ کو نہیں دیتے۔ تاہم ان کے علماء اس کی تصریح نہیں کر سکتے کیونکہ اس بات کی کوئی بھی صاحبِ عقل تصدیق نہیں کرتا اور فطرت سلیم بھی اسے تسلیم نہیں کرتی۔ وہ کھلم کھلا تو اس کا اظہار نہیں کر سکتے تاہم ان کی روایات اور دینی عقائد کی رو سے یہ واضح ہے چاہے وہ تقیہ ہی کیوں نہ کریں۔

اس بات کے اثبات میں کہ غیب کا علم اکیلا اللہ ہی رکھتا ہے اگرچہ گزشتہ آیات واضح ہیں تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ علماء حسبِ عادت قرآن کے واضح معانی میں من چاہی تحریفات کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دو ایسی آیات لیتے ہیں جو ان کی کذب بیانی سے بالکل بری ہیں تا کہ اپنے گھڑے ہوئے دین کی تایید میں ائمہ کی طرف علمِ غیب منسوب کر سکیں۔ یہ آیات اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے :

﴿مَّا كَانَ ٱللَّهُ لِيَذَرَ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ ٱلْخَبِيثَ مِنَ ٱلطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ ٱللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى ٱلْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَجْتَبِى مِن رُّسُلِهِۦ مَن يَشَآءُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۚ وَإِن تُؤْمِنُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ١٧٩﴾ [آل عمران: ۱۷۹]

«اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت پائے جاتے ہو۔ وہ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کردے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ لہٰذا (امورغیب کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿عَٰلِمُ ٱلْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ٢٦ إِلَّا مَنِ ٱرْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا ٢٧ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا۟ رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًۢا ٢٨﴾ [الجن: ۲۶-۲۸]

«وہ عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، سوائے اُس رسول کے جسے اُس نے (غیب کا کوئی علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اُس کے آگے اور پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے، اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس کا وہ احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے»۔

یہ دونوں آیات واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ یہ اللہ کے رسولوں کے ساتھ خاص ہیں ۔ ان کے معانی میں امام یا وصی کا کوئی لفظ نہیں ہے۔

پھر شیعہ علماء ان کو ائمہ کی طرف کس طرح منسوب کرتے ہیں کہ وہ علمِ غیب جانتے ہیں!!؟۔ اسی طرح ان دونوں آیات میں کوئی ایسا مفہوم بھی نہیں جو بتاتا ہو کہ وہ تام و مطلق علمِ غیب جانتے ہیں۔ اللہ اپنے انبیاء کو بعض امور کی خبر دے دیتے ہیں تاکہ ان کو ثابت قدم رکھیں اور ان بڑی بڑی آزمائشوں پر ان کو صبر و ایمان دیں جن کو برداشت کرنے کی سکت صرف رسول یا نبی میں ہوتی ہے جس کو اللہ ثابت قدم رکھے۔

اس کی ایک مثال اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے جب ان پر یہ آزمائش آئی کہ ان کو کنویں کی تہہ میں ڈال دیا گیا۔ یہ ایک گہرا اور تاریک کنواں تھا۔ پھر ان کو چند دراہم کے عوض بیچ دیا گیا حالانکہ وہ ایک معزز نبی تھے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا ذَهَبُواْ بِهِۦ وَأَجْمَعُوٓاْ أَن يَجْعَلُوهُ فِى غَيَٰبَتِ ٱلْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ [يوسف: ۱۵]

«جب وہ اُسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ دیں، تو ہم نے یوسفؑ کو وحی کی کہ: "ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا، یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں»۔

عظیم آزمائش جو اللہ کے معزز نبی یوسف علیہ السلام پر آئی اور غم و اندوہ کے اس سمندر میں، جب وہ کنویں کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے اس وقت اللہ نے ان کی ڈھارس بندھائی اور اطمینان دلایا کہ عنقریب وہ اس آزمائش سے خلاصی پا کر کامیابی سے سرفراز ہوں گے۔

علمِ غیب کو کامل اور مستقل طور پر صرف اللہ کی ذات پاک ہی جانتی ہے کیونکہ گزشتہ محکم آیات اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں جن میں اللہ صراحت کے ساتھ خبر دیتا ہے کہ غیب کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

باقی رہے وہ امور غیب جن پر اللہ نے اپنے بعض رسولوں کو مطلع فرما دیا تو وہ اللہ کی طرف سے اپنے رسولوں کو ایک معین و محدود شے کی خبر دینا ہوتا ہے جو مطلق علمِ غیب نہیں ہوتا۔امورِ غیب کا کلی اور جزئی علم علی الاطلاق صرف اور صرف اللہ کی ذات کو ہے اور اس کے سوا کسی کو ان کا علم نہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ [البقرة: ۲۵۵]

«اور اُس کی معلومات میں سے کوئی چیز اُن کی گرفت ادراک میں نہیں آ سکتی الّایہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے»۔

شیعہ ہر شے میں ائمہ کی طرف مطلق عصمت کو منسوب کرتے ہیں

ان کا یہ عقیدہ صریح طور پر قرآن کریم کے برخلاف ہے۔وہ کہتے ہیں کہ امام نبی ہی کی طرح ہوتا ہے اور ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو بایں طور کہ سہو و خطا سے اسے عصمتِ مطلقہ حاصل ہو ۔ کیونکہ ائمہ شریعت کے محافظ اور اس کے نگران ہیں۔ اس معاملے میں ان کا حال انبیاء کے حال کی طرح ہے۔ انہوں نے اس عقیدہ کی بنا فلسفہ و عقل پر رکھی ہے۔ قرآن نے تو سرے سے ائمہ کی طرف کوئی قریب و بعید اشارہ ہی نہیں کیا۔ پھر ان لوگوں کے لئے یہ کس طور ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی شے کا اثبات کریں جس کی کوئی اصل ہی نہیں!!؟۔

اس لئے میں اب شیعہ کے سامنے عصمتِ انبیاء کا عقیدہ بیان کروں گا:

ہم کہتے ہیں کہ: صرف اللہ ہی کی ذات ہے جس کو نسیان نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی نے اس ربانی صفت کے ساتھ اپنی خود تعریف فرمائی ہے جو کہ اللہ کی عظمت و کمال کی دلیل ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى ۝٥٢﴾ [طه: ۵۲]

«موسیٰؑ نے کہا: "اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے میرا رب نہ چُوکتا ہے نہ بھُولتا ہے»۔

اور قرآن کریم آدم علیہ السلام کے لئے صفتِ نسیان کا اثبات کرتا ہے:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝١١٥﴾ [طه: ۱۱۵]

«ہم نے اِس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اُس میں عزم نہ پایا»۔

اگر آدم علیہ السلام نہ بھولتے ہوتے تو ان کے بعد ان کی اولاد بھی اسی طرح نہ بھولتی۔

ہم سب جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں۔ ان کی اصل آدم علیہ السلام ہیں۔ کوئی بھی صاحبِ عقل اس بات کا انکار نہیں کر سکتا۔ اپنے نبی اور خلیل محمد ﷺ کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾ [الکھف: ١١٠]

«اے محمد! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے»۔

چنانچہ نسیان بشری صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یہ بات رسولوں اور انبیاء کی عزت یا ان کے مقام میں کمی نہیں کرتی اور نہ ہی ان کی شریعتوں کے کامل پن میں کچھ شک پیدا کرتی ہے۔

قرآن خاتم الانبیاء و الرسل ﷺ کے بارے میں بھی نسیان ثابت کرتا ہے۔ جب یہودیوں کے کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے روح، اصحابِ کہف اور ذو القرنین سے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: میں تم کو کل بتاؤں گا اور اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اپنے اس فرمان کے ذریعے اس اہم بات کی تعلیم دی کہ:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْىْءٍ إِنِّى فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ وَٱذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰٓ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّى لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾﴾ [الکھف: ۲۳-۲۴]

«اور دیکھو، کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کردوں گا۔ (تم کچھ نہیں کر سکتے) اِلّا یہ کہ اللہ چاہے۔ اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کرو اور کہو: "امید ہے کہ میرا رب اِس معاملے میں رشد سے قریب تر بات کی طرف میری رہنمائی فرما دے گا»۔

ہمارے نبی اور تمام انبیاء کے حق میں نسیان کا تعلق بطور خاص وحی کے ساتھ نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک بشری پہلو سے ہے جو کہ صفتِ نسیان ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی اپنے اس فرمان میں موسی علیہ السلام کے لئے بھی صفتِ نسیان کا اثبات کرتے ہیں:

﴿قَالَ أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى ٱلصَّخْرَةِ فَإِنِّى نَسِيتُ ٱلْحُوتَ وَمَآ أَنسَىٰنِيهُ إِلَّا ٱلشَّيْطَٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُۥ﴾ [الکھف: ٦٣]

«خادم نے کہا: "آپ نے دیکھا! یہ کیا ہوا؟ جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اُس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا اور یہ شیطان ہی ہے جس نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپسے کرنا) بھول گیا»۔

چنانچہ موسی علیہ السلام خضر علیہ السلام کے سامنے نسیان کا عذر پیش کرتے ہیں:

﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ [الكهف: ٧٣]

«موسیٰ نے کہا بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے»۔

ہمارے نبی محمد ﷺ بھی بشر ہیں جو پسند و ناپسند کرتے ہیں، خوش اور ناراض ہوتے ہیں، کھاتے اور پیتے ہیں، بھوک محسوس کرتے اور سوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پہلو کے اعتبار سے اللہ نے آپ ﷺ کو کچھ اشیاء میں امتیاز بھی بخشا جیسا کہ سلامتِ صدر، دل کو نیند نہ آنا، آپ ﷺ کے پسینہ سے مشک کی خوشبو آنا اوران کے علاوہ دیگر خصوصیات جن کا تعلق بشری پہلو سے ہے۔ اسی پہلو کی ایک بات یہ ہے کہ نبی ﷺ سے انسان کی طرح کچھ خطائیں بھی ہو جاتی ہیں جن پر اللہ آپ ﷺ کو تنبیہ کر دیتے ہیں۔ ضروری ہے کہ آپ نبی ﷺ کو کی جانی والی ان الٰہی تنبیہات میں نظر دوڑائیں جو نصِ قرآن سے بالکل واضح او رصریح ہیں۔

نبی ﷺ کو کیا جانے والا عتاب (سرزنش) آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ انسانوں کی عادت ہے کہ وہ عام طور پر تنقید قبول نہیں کرتے اور کامل ہونے کا دعوی رکھتے ہیں۔ بعض مستشرقین کا کہنا ہے کہ اگر قرآن محمد کی طرف سے ہوتا تو آپ ﷺ اس میں آیاتِ عتاب نہ رکھتے۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ محمد ﷺ قرآن اپنے رب سے لیتے اور اس کو اسی طرح آگے پہنچا دیتے جیسے اللہ نے آپ ﷺ پر اسے نازل کیا۔ یہ بات مستشرقین میں سے بعض افراد کے قبولِ اسلام کا سبب بنی۔

باقی رہا نبوی پہلو تو وہ تبلیغ کا پہلو ہے۔ کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی کہ نبی ﷺ غیر معصوم ہیں ۔ آپ ﷺ نے امانت کو آگے پہنچا دیا اور اللہ کے راستے میں ویسے جہاد فرمایا جیسا کہ جہاد کرنے کا حق تھا۔ عليه أفضل الصلوة و أتم التسليم.

باقی رہی وہ عصمتِ مطلقہ جس کا شیعہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ آدم علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے تمام انبیاء کو حاصل ہے، اس میں قرآن پوری صراحت اور وضاحت سے ان کی مخالفت کرتا ہے۔ انبیاء میں سے کچھ تو ایسے تھے جن سے لغزش سرزد ہو گئی، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ﴾ [طه: ١٢١]

«آدم سے اپنے رب کے حق میں لغزش ہوئی اور وہ راہ راست سے ہٹ گیا»۔

اللہ تعالی بتا رہے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہو ئی اور اس کو ان پر ثابت کررہے ہیں۔

چنانچہ ہمیں قرآن میں ایسی بہت سی دوسری آیات بھی ملتی ہیں جس میں اللہ آدم علیہ السلام کی طرف سے اپنے رب کے اس حکم کی پابندی نہ کرنے کی بار بار خبر دیتے ہیں کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائیں اور نہ اس میں سے کچھ کھائیں اور دیگر آیات میں اللہ آدم علیہ السلام کی اس معصیت سے توبہ کو بیان کرتے ہیں:

﴿فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾﴾ [البقرة: ۳۷]

«پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے۔ پھر اس کی توبہ قبول فرمائی بےشک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے»۔

توبہ کرنے والا توبہ صرف اسی وقت کرتا ہے جب اس سے کوئی لغزش ہو گئی ہو۔

اللہ تعالی ہمیں اس طرح کے قصے سناتے ہیں تاکہ آدم علیہ السلام کی ذریت جان لے کہ ندامت، گناہ کا اعتراف، اس پر استغفار اور اس سے توبہ گناہوں کی بخشش کے اسباب میں سے ہیں جیسا کہ ہمارے ابا آدم علیہ السلام نے کیا تھا۔ جو شخص اس بات کا انکار کرتا ہے وہ قرآن کی مخالفت کرتا ہے۔

واضح آیات جن میں کوئی التباس نہیں اور جن میں اللہ ثابت کرتا ہے کہ انبیاء سے بشری پہلو سے نہ کہ وحی اور تشریع (سے متعلق معاملات میں) خطا سرزد ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا اپنے خلیل اور حبیب موسی علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ:

﴿فَوَكَزَهُۥ مُوسَىٰ فَقَضَىٰ عَلَيْهِ ۖ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ ۖ إِنَّهُۥ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ﴾ [القصص: ۱۵]

«موسیٰ نے اس کو ایک گھونسا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ (یہ حرکت سرزد ہوتے ہی) موسیٰ نے کہا: "یہ شیطان کی کار فرمائی ہے، وہ سخت دشمن اور کھلا گمراہ کن ہے»۔

اسی طرح اللہ تعالی تصریح فرماتے ہیں کہ اس کے مکرم نبی نے فیصلہ کرنے میں جلدی کی اور یوں خطا کے مرتکب ہوئے:

﴿وَظَنَّ دَاوُۥدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَٱسْتَغْفَرَ رَبَّهُۥ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿٢٤﴾ فَغَفَرْنَا لَهُۥ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُۥ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَـَٔابٍ ﴿٢٥﴾ يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ﴾ [ص: ۲۴-۲۶]

«داؤد سمجھ گیا کہ یہ تو ہم نے دراصل اس کی آزمائش کی ہے، چنانچہ اس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر گیا اور رجوع کر لیا۔ تب ہم نے اس کا وہ قصور معاف کیا اور

یقینا ہمارے ہاں اس کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔ (ہم نے اس سے کہا): "اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقینا اُن کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے»۔

اسی طرح اللہ کے نبی یونس ابن متی علیہ السلام اپنی قوم سے ناراض ہو گئے اور جب ان کی شدید ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کو ان کے گمراہ ہونے کا یقین ہو گیا تو اللہ کا حکم آنے سے پہلے ہی وہ ان کو چھوڑ کر اور ان کو پسِ پشت ڈال کر چلے گئے۔ چنانچہ آپ کو مچھلی نے نگل لیا۔ اس کا مصداق اللہ تعالی کا فرمان ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ:

﴿وَذَا ٱلنُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَٰضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ فَنَادَىٰ فِي ٱلظُّلُمَٰتِ أَن لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبۡحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ فَٱسۡتَجَبۡنَا لَهُۥ وَنَجَّيۡنَٰهُ مِنَ ٱلۡغَمِّۚ وَكَذَٰلِكَ نُـۨجِي ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿٨٨﴾﴾ [الأنبياء: ۸۷-۸۸]

«اور مچھلی والے کو جب غصہ ہو کر چلا گیا پھر خیال کیا کہ ہم اسے نہیں پکڑیں گے۔ اس نے اندھیروں میں پکارا کہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو بے عیب ہے بے شک میں بےانصافوں میں سے تھا۔ پھر ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور ہم ایمانداروں کو یون ہی نجات دیا کرتے ہیں»۔

سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ ان سے تب لغزش ہوئی جب انہوں نے اللہ سے وہ شے مانگ لی جس کا مانگنا اللہ نے ان کے لئے جائز نہیں کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿قَالَ يَٰنُوحُ إِنَّهُۥ لَيۡسَ مِنۡ أَهۡلِكَۖ إِنَّهُۥ عَمَلٌ غَيۡرُ صَٰلِحٖۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌۖ إِنِّيٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ ﴿٤٦﴾﴾ [ھود: ۴۶]

«فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھروالوں میں سے نہیں ہے کیوں کہ اس کے عمل اچھے نہیں ہیں، سو مجھ سے مت پوچھ جس کا تجھے علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کہیں جاہلوں میں نہ ہو جاؤ»۔

چنانچہ تم مجھ سے کس طرح سے چاہ رہے ہو کہ میں اسے نجات دے دوں حالانکہ وہ مومن نہیں ہے؟۔ اس لئے نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی۔

اب ہم اس صریح آیت کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو اللہ کے نبیﷺ کو اللہ کے اس فرمان کے ذریعے مخاطب کرتے ہوئے نازل ہوئی کہ:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ ٱللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ۝٢﴾ [الفتح: ۱-۲]

«اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی۔ تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگزر فرمائے اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کردے اور تمہیں سیدھا راستہ دکھائے»۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے رسولﷺ سے فرمایا: مَاتَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَ مَاتَأَخَّرَ (اگلی پچھلی ہر کوتاہی) اور یہ کہ اللہ سبحانہ و تعالی ان کو معاف کر دے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بتقاضائے بشریت کبھی رسولﷺ سے بھی لغزش سرزد ہو جاتی ہے تاہم اللہ نے آپﷺ کی مغفرت کر دی ہے۔

بانیانِ مذہبِ تشیع کی تفاسیر جیسے طبرسی کی "مجمع البیان فی تفسیر القرآن" اور کاشانی کی "تفسیر صافی" میں جو بات رلانے والی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے جھوٹی روایت کی کہ ان سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ان کا کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیکن اللہ سبحانہ و تعالی نے آپﷺ کو اس بات کا ضامن بنایا تھا کہ شیعانِ علی علیہ السلام کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں"۔

صادق علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "آپ کا کوئی گناہ نہیں تھا اور نہ ہی کبھی آپ نے گناہ کا ارادہ ہی کیا۔ بلکہ اللہ نے آپ کے شیعہ کے گناہ آپ پر ڈال دیئے اور پھر آپ کو وہ بخش دیئے"۔[1]

ایک اور آیت کے ذریعے ان کی کذب بیانی ثابت کرتے ہوئے قرآن ان کو ایک طمانچہ رسید کرتا ہے۔ یہ آیت اللہ سبحانہ و تعالی کا اپنے نبی محمدﷺ کے لئے یہ فرمان ہے کہ:

1۔ مجمع البيان في تفسير القرآن، للطبرسي، ج: ۹، ص: ۱۸۴-۱۸۵، تفسير الصافي، للفيض الكاشاني، ج: ۵، ص: ۳۷، بحار الانوار، ج: ۱۷، ص: ۷۶

﴿فَٱصۡبِرۡ إِنَّ وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٞ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۢبِكَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ بِٱلۡعَشِيِّ وَٱلۡإِبۡكَٰرِ ۝٥٥﴾ [غافر: ۵۵]

«پس اے نبی! صبر کرو، اللہ کا وعدہ برحق ہے، اپنے قصور کی معافی چاہو اور صبح و شام اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو»۔

آیت میں لفظ "ذنبك"میں مفرد طور پر صرف نبی ﷺ کی تخصیص ہے نہ کہ آپ ﷺ کی امت کی۔ یعنی اپنے رب سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرو۔

نبی ﷺ کی ذات میں طعن زنی کے مرتکب تو یہ افتراء پرداز ہیں جو سب سے پاکیزہ اور صاف ستھرے میزان میں آپ ﷺ کی امت کے تمام گناہ ڈال دیتے ہیں۔ ہر قاتل، چور، رشوت و سود خور اور فاجر کا گناہ انہوں نے اس انسان پر ڈال دیا جو اللہ کے نزدیک سب سے اشرف و پاکیزہ اور مکرم ہے۔

چونکہ عصمت کے بارے میں شیعہ حضرات کا عقیدہ اللہ کے دین میں موجود نہیں اس لئے وہ عصمت کے بارے میں عجیب و غریب تناقضات کا شکار ہو گئے۔

ان میں سے ایک تناقض وہ ہے جسے وہ صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہو ں نے فرمایا:

" اللہ نے جب اپنے نبی آدم کو جنت میں ٹھہرایا تو ان کے سامنے نبی ﷺ، علی، فاطمہ اور حسن و حسین کی تمثیل پیش کی۔ آدم نے ان کو حسد کے ساتھ دیکھا اور پھر جب ان پر ولایت کو پیش کیا گیا تو انہوں نے اس کا انکار کیا"۔[1]

یہ روایت شیعوں کے اس عقیدے سے موافقت نہیں رکھتی کہ انبیاء خطا و معصیت سے معصوم ہیں اور سب جانتے ہیں کہ حسد بدترین معصیت ہے۔

بلکہ ان کا تناقض تو اس حد کو جا پہنچا ہے کہ انہوں نے جملہ انبیاء مطہرین کی توہین کر ڈالی اور آدم، نوح، ابراہیم، یوسف، ایوب اور داؤد علیہم السلام کی طرف ایسی معصیت منسوب کی جو ان کے نزدیک سب سے بڑی معصیت ہے یعنی ائمہ کی ولایت کا انکار کرنا۔

1۔ تفسیر العیاشی، تفسیر آیت نمبر: ۳۵، سورہ بقرہ

وہ زین العابدین سے ایک طویل روایت ذکر کرتے ہیں جب انہوں نے مچھلی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ: اے میرے آقا! میں یونسؑ کی مچھلی ہوں۔

فرمایا: ہمیں کچھ بتاؤ۔

مچھلی نے کہا: میرے آقا! اللہ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے دادا محمد ﷺ تک جو بھی نبی بھیجا اس پر آپ اہلِ بیت کی ولایت پیش کی۔ انبیاء میں سے جس نے اسے قبول کیا وہ تو بچ گیا اور خلاصی پا گیا اور جو اس سے باز رہا اور اس کا بار اٹھانے سے رک گیا تو اس نے بھی ویسی معصیت پائی جیسی آدم نے پائی تھی، ویسا غرق پایا جیسا نوح کا غرق تھا، ویسی آگ پائی جیسی ابراہیم کی آگ تھی، ویسا کنواں پایا جیسا یوسف نے پایا تھا، ویسی آزمائش پائی جیسی ایوب پر آئی تھی، ویسا گناہ پایا جیسا داؤد نے پایا تھا یہاں تک کہ اللہ نے یونس کو مبعوث کیا اور اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے یونس! امیر المومنین علی اور ان کی اولاد میں سے ائمہ راشدین کو اپنا ولی بناؤ۔ یونسؑ نے پوچھا: میں اس کو کیسے ولی بناؤں جس کو میں نے دیکھا تک نہیں اور نہ میں اس کو جانتا ہوں۔ (یہ کہہ کر) یونس غصہ میں چل دیئے۔ اس پر اللہ تعالی نے مجھے وحی کی کہ یونس کو نگل لو اور ان کی ہڈی کو کمزور مت کرنا۔ وہ میرے پیٹ میں چالیس دن رہے۔ تین تاریکیوں میں میرے ساتھ سمندروں میں پھرتے اور پکارتے رہتے: لا إله إلا أنت سبحانك، إني كنت من الظلمين، قد قبلت ولاية علي بن أبي طالب والأئمة الراشدين من ولده. (تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا، میں نے علی بن ابی طالب اور ان کی اولاد میں سے ائمہ راشدین کی ولایت کو مان لیا ہے)۔

جب یونس آپ کی ولایت پر ایمان لے آئے تو میرے رب نے مجھے حکم دیا اور میں نے ان کو ساحلِ سمندر پر پھینک دیا۔ اس پر زین العابدین نے فرمایا: اے مچھلی! تو اپنے گھونسلے میں واپس چلی جا! (اور اس کے چلے جانے کے بعد) پانی برابر ہو گیا۔[1]

اللہ کے ہاں جلالتِ شان رکھنے کے باوجود اگر انبیاء نے بھی ابتداء میں علی کی ولایت کا انکار کر دیا تھا تو پھر شیعہ عوام اور علماء جنہوں نے اس کا انکار نہیں کیا وہ ان انبیاء سے افضل ہوئے۔

1۔ بحار الانوار: ۳۹/۴۶

عصمت کے بارے میں شیعہ کی طرف سے قرآن کریم کی آیات کی صریح خلاف ورزیوں کی ایک مثال اللہ سبحانہ و تعالی کے اس فرمان کی تعطیل ہے کہ :

﴿عَبَسَ وَتَوَلَّىٰٓ ۝١ أَن جَآءَهُ ٱلْأَعْمَىٰ ۝٢ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُۥ يَزَّكَّىٰٓ ۝٣ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ ٱلذِّكْرَىٰٓ ۝٤ أَمَّا مَنِ ٱسْتَغْنَىٰ ۝٥ فَأَنتَ لَهُۥ تَصَدَّىٰ ۝٦ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝٧ وَأَمَّا مَن جَآءَكَ يَسْعَىٰ ۝٨ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝٩ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝١٠ كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝١٢﴾ [عبس: ۱-۱۲]

«ترشرو ہوا، اور بے رخی برتی۔ اِس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آ گیا۔ تمھیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے۔ یا نصیحت پر دھیان دے، اور نصیحت کرنا اس کے لیے نافع ہو؟۔ جو شخص بےپروائی برتتا ہے اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ اگر وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی کیا ذمہ داری ہے؟۔ اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے اس سے تم بےرخی برتتے ہو۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اِسے قبول کرے»۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ علماء اہلِ سنت پر طنز و تشنیع کرتے ہیں کہ ان کے بقول نبی ﷺ نے تیوری چڑھائی اور یہ کہ آپ ﷺ اس طرح کی اخطاء سے معصوم ہیں۔ آپ ﷺ تو اخلاقِ عظیم کے مالک ہیں چنانچہ آپ ﷺ اس طرح کیسے ہو سکتے ہیں!؟

وہ شیعہ عوام کے جذبات بھڑکانا چاہتے ہیں تاکہ ان کو تاثر دیں کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں نبی ﷺ کے دفاع کے زیادہ حریص ہیں۔ چنانچہ ان کے بقول تیوری چڑھانے والے عثمان بن عفان تھے۔ ان کی کتابوں میں تفسیر کے ضمن میں ایسی روایات آئی ہیں جن کی رو سے یہ آیت بنی امیہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس شخص سے ان کی مراد عثمان ہیں۔ بعض روایات تو عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح بھی کرتی ہیں کیونکہ یہ لوگ بشری پہلو سے بھی نبی ﷺ کی عصمت کااثبات کرنا چاھتے ھیں۔

ہم کہتے ہیں -واللہ المستعان- کہ اگر یہ آیت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو یہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز شمار ہو گی اور دوسرے لوگوں سے پہلے شیعہ کے لئے یہ بات ثابت کرتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ مومن تھے۔ کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالی ان کو اس تیوری چڑھانے پر تو عتاب کریں اور ان کے نفاق و کفر پر -جیسا کہ شیعہ ان کے بارے میں کہتے ہیں- ان کی کچھ سرزنش نہ کریں۔

چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالی کا یہ فرمان کہ: ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُۥ يَزَّكَّىٰٓ﴾، اس میں مخاطب کے لئے اس بات کی یاد دہانی ہے جس کی وہ تمنا رکھتا ہے اور وہ یہ کہ جس کے منہ پر آپ نے تیوری چڑھائی ہو سکتا ہے وہ ایمان لا کر پاکیزگی اختیار کرے اور اس کا اسلام مضبوط ہو۔ چنانچہ جس کی سرزنش کی گئی اس کے لئے یہ سرزنش اس مقام پر تعریف ہے اور اس میں اس کے لئے ایک ایسی شے کی یاد دہانی ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے یعنی لوگوں کا تزکیہ۔ اور اے گروہِ شیعہ! آپ لوگ تو عثمان رضی اللہ عنہ کے کفر و نفاق کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کیا منافق شخص یہ تمنا رکھتا ہے کہ لوگ ایمان لائیں اور نیکی کے ذریعے ان کا تزکیہ ہو!؟ اسی طرح (وَمَا يُدْرِيكَ)، (وَأَمَّامَن جَاءَكَ يَسْعَى)، (فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ) جیسے مخاطبانہ جملے بھی مخاطب کے لئے ایک شرفِ عظیم ہیں جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ۔

کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس لطافت بھرے انداز میں بات کرے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی کو منافقین کے ساتھ کھردرے پن سے پیش آنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ ﴿٧٣﴾﴾ [التوبة: ٧٣]

«اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے»۔

اور اللہ پاک کا فرمان کہ: ﴿وَأَمَّا مَن جَآءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾﴾ (اور جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے اس سے تم بے رخی برتتے ہو) اس آیت سے واضح ہے کہ خاشعین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیر کی طلب میں دوڑتے آتے۔ کیا ان لوگوں کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہوں جو شیعہ کی نظر میں کافر اور منافق ہیں!!؟۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ربانی سرزنش صریح اور واضح سرزنش ہے۔ یہ واقعہ نابینا و مفلس عبد اللہ بن ام مکتوم کا ہے اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بے رخی برتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سردارانِ قریش کے ساتھ مشغول تھے۔

نبی ﷺ کا اس فعل سے مقصد امیر و غریب کے مابین طبقاتی تعصب برتنا نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپ ﷺ خواہش رکھتے تھے کہ قریش کے سرکردہ لوگ اور سردار ایمان لے آئیں کیونکہ اس سے ان کے ساتھ بہت سے دیگرلوگوں کے اسلام لانے پر بہت اثر پڑے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جو بڑے ہی لطیف انداز میں آپ ﷺ کو سرزنش کرتی ہے کہ: عبس و تولی (تیوری چڑھائی اور اعراض برتا)۔ پھر اس کے بعد مخاطب کی ضمیر آئی: ﴿وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُۥ يَزَّكَّىٰٓ﴾ (تم کو کیا خبر کہ شاید وہ سدھر جائے)- ایسا اللہ تعالی کی اپنے رسول ﷺ سے محبت اور لطف و کرم کی بنا پر کیا گیا۔ کیونکہ اللہ کو علم تھا کہ آپ ﷺ نے نابینا شخص سے اعراض ازراہِ تکبر نہیں کیا بلکہ یہ دعوتِ اسلام کی شدید خواہش تھی جس نے اس غیر ارادی غلطی میں آپ ﷺ کو مبتلا کیا۔

یہ ترش روئی حقارت کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ تنگی کا اظہار کرنے والی ترش روئی تھی جو اس وقت ہوا کرتی ہے جب کوئی شخص کسی کی ایسی اہم بات کو کاٹ دے جس میں وہ قطع کلامی نہیں چاہ رہا ہوتا۔ یہ ایک بشری خصوصیت ہے جو ہر انسان میں موجود ہے اور نبی ﷺ سے اس کا اظہار صرف اسی دفعہ ہوا تھا۔ علیه أفضل الصلوة و التسليم-

چنانچہ اے حضراتِ شیعہ! آپ کے سامنے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ آپ قائل ہو جائیں کہ ترش روئی سے مخاطب نبی ﷺ ہیں، اس طرح پھر آپ ﷺ کی عصمت اہلِ سنت کے عقیدے کے مطابق ہو گی یا (اگر آپ اس کے قائل نہیں ہوتے تو) عثمان رضی اللہ عنہ کی راست روی اور قوت ایمانی کا اعتراف کر لیں۔

دینِ شیعہ نے جمعہ کی نماز کو چھوڑ دیا

ان کی طرف سے قرآن کی ایک واضح خلاف ورزی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالی کے اس فرمان پر عمل کو ترک کر دیا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوۡمِ ٱلۡجُمُعَةِ فَٱسۡعَوۡاْ إِلَىٰ ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَذَرُواْ ٱلۡبَيۡعَۚ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ إِن كُنتُمۡ تَعۡلَمُونَ ٩﴾ [الجمعة: ٩]

«اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب پکارا جائے نماز کےلیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خریدوفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو»۔

آیت کے اس واضح پن کے باوجود کہ نمازِ جمعہ کو مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں قائم کرنا واجب ہے، نہ یہ آیت منسوخ ہوئی اور نہ اسے کسی اور آیت کے ساتھ تبدیل کیا گیا، ہم تمام شیعہ فتاوی میں دیکھتے ہیں کہ وہ اقامتِ جمعہ کے وجوب کے قائل نہیں ہیں ۔ انہوں نے نمازِ جمعہ کو اختیاری کر دیا کہ چاہے تو آدمی نمازِ جمعہ پڑھ لے اور چاہے تو ظہر یہاں تک کہ ان کے امامِ قائم آ جائیں جن کا طویل مدت سے انتظار ہے۔

ہر وہ شے جو قرآن کے خلاف ہو وہ لازما جھوٹی ہوتی ہے۔ تاہم شیعہ لوگ اس بات سے انجان بنتے ہیں اور جب حق بات ان تک پہنچتی ہے تو اس سے اجنبیت برتتے ہیں۔ کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتے جو ان کو اس دن اکٹھا کرے گا جس دن نگاہوں کی ٹکٹکی بندھ جائے گی اور ہمیں صرف سرسراہٹ ہی سنائی دے گی!؟۔

اللہ تعالی نے مشرکین کے لئے حرمِ مکہ میں داخل ہونا حرام کر دیا۔ کیا اس کے بعد اللہ تعالی ان کو اپنے اولیاء اور حرمِ مکہ کے نگران مقرر کرے گا!!؟

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡمُشۡرِكُونَ نَجَسٞ فَلَا يَقۡرَبُواْ ٱلۡمَسۡجِدَ ٱلۡحَرَامَ بَعۡدَ عَامِهِمۡ هَٰذَا﴾ [التوبة: ٢٨]

«اے ایمان لانے والو! مشرکین ناپاک ہیں لهٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں»۔

یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن کو شیعہ لوگ پڑھتے تو ہیں لیکن غور و فکر نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ اپنے نبی ﷺ اور مومنین کو حکم دے رہا ہے کہ وہ ناپاک مشرکین کے لئے مسجدِ حرام میں داخل ہونا حرام کر دیں اور پھر حرم کی ولایت ابو بکر و عمر اور عثمان کی بیعت اور اموی و عباسی، عثمانی دور سے لے کر آج کے دن تک آنے والے لوگوں میں اہل سنت کو دیتے آ رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالی ہمیں کسی شے کو قائم کرنے کا حکم دیں اور پھر حرم کی ولایت مشرکین نواصب کو دے دیں اور ان کو مسلط کر دیں!!؟۔

چونکہ حرم کی امامت و ولایت اور اس کی عمارت و سقایت نبی امت ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک اہلِ سنت کے پاس رہی ہے اس لئے وہی اللہ کے وہ اولیاء ہوں گے جن کا بیان ان دو آیات میں ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

﴿وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ٱللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَمَا كَانُوٓا۟ أَوْلِيَآءَهُۥٓ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾﴾ [الأنفال: ۳۴]

«لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جب کہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں ہیں۔ اس کے جائز متولی تو صرف اہلِ تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَـٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْـَٔاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ ۖ فَعَسَىٰٓ أُو۟لَـٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾﴾ [التوبة: ۱۸]

«اللہ کی مسجدوں کے آبادکار (مجاور و خادم) تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ اور روزآخر کو مانیں اور نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ انہی سے یہ توقع ہے کہ سیدھی راہ چلیں گے»۔

اگر شیعہ واقعتا اہل بیعت کے شیعہ (پیروکار و ساتھی) ہوتے تو اللہ تعالی ان کو حرمِ مکہ کا اقتدار دے دیتے۔ جب کہ اللہ نے تو اپنے سب سے پاک ترین قطعہ زمین سے ان کو دور ہٹا دیا بایں طور

کہ ان کے لئے قم، کربلا، نجف اور دیگر مزاروں اور قبروں کو مزین کر دیا جن کی طرف وہ حج کے لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ استدراج زدہ ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں۔

شیعہ لوگ قم، نجف اور کربلا وغیرہ کی طرح مقامات کی تعظیم کرتے ہیں جن کو وہ مقدس خیال کرتے ہیں، کیا ان میں کوئی ایک بھی ایسا ہوشمند آدمی نہیں جو پہلے اپنے علماء سے پوچھے، خود اپنے آپ سے سوال کرے کہ اگر ہمارے مقدسات کا اتنا ہی بلند مقام ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کے نزدیک بھی مقدس ہیں تو پھر اللہ نے ان کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیوں نہ فرمایا خواہ ایک آیت ہی ایسی ہوتی تا کہ اہلِ عالم کے سامنے ان کا مرتبہ و فضیلت واضح ہو جاتے جیسا کہ اللہ نے مسجد حرام یا بیت اللہ الحرام کا تقریبا سترہ دفعہ اپنی واضح آیات میں ذکر فرمایا!!؟۔

شیعہ کے امام مہدی مسجدِ حرام کو منہدم کر دیں گے

شیعہ لوگ جب اللہ تعالی کا یہ فرمان پڑھتے ہیں کہ:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ٱلَّذِي جَعَلْنَٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً ٱلْعَٰكِفُ فِيهِ وَٱلْبَادِۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾﴾ [الحج: ۲۵]

« جن لوگوں نے کفر کیا اور جو (آج) اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور اُس مسجدِ حرام کی زیارت میں مانع ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے، جس میں مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں (اُن کی روش یقیناً سزا کی مستحق ہے)۔ اِس (مسجدِ حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا اسے ہم دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے»۔

اور وہ اپنی کتابوں میں ایسی روایات پاتے ہیں جو ان کے ائمہ کو ان لوگوں کے مشابہہ ٹھہراتی ہیں جنہوں نے مسجدِ حرام سے روک کر کفر کا ارتکاب کیا۔ کیا ان کو یہ بات ان کی روایات کی حقیقت کا پتا نہیں دیتی اور ان کو یہ احساس نہیں دلاتی کہ وہ جھوٹ گھڑی ہوئی ہیں۔

اس کی مثال:

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "امامِ قائم (امام مہدی) مسجدِ حرام کو مسمار کر دیں گے یہاں تک کہ اس کو اس کی بنیاد پر لوٹا دیں اور مسجد رسول کو بھی اس کی بنیاد پر لے آئیں اور خانہ کعبہ کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں اور اس کو اس کی بنیاد پر کھڑا کر دیں اور (بیت اللہ کے) چوروں یعنی بنو شیبہ کے ہاتھ کاٹ دیں اور ان کو کعبہ پر لٹکا دیں"۔[1]

اسی طرح ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "جب امام مہدی آئیں گے تو وہ مسجدِ حرام کو ڈھا دیں گے۔۔۔ بنو شیبہ کے ہاتھ کاٹیں گے اور ان کو کعبہ پر لٹکا دیں گے اور اس پر لکھ دیں گے کہ یہ کعبہ کے چور ہیں"۔[2]

1۔ بحار الانوار، ج: ۵۲، ص: ۳۳۲

2۔ الإرشاد للمفيد، ص: ۱۱، و الغيبة للطوسي، ص: ۲۸۲

شیعہ کے امام مہدی مسجدِ حرام کو کس طرح ڈھائیں گے، کیا فریب خوردہ شیعہ عوام نہیں جانتے کہ مسجدِ حرام کو اللہ کے تقوی اور اخلاص کی بنیاد پر قائم کیا گیا اور اس کی بنیاد رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیٹے اسمعیل علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ١٢٧﴾ [البقرة: ۱۲۷]

«اور یاد کرو ابراہیم اور اسمٰعیل جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے، تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے رب، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے»۔

کیا اس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز نہیں پڑھی!!؟ اور اس میں امیر المومنین اور ائمہ نے بھی نماز پڑھی۔ اسی طرح مسجدِ نبوی کے بارے میں کیا شیعہ نہیں جانتے کہ جس نے مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی اور اس کی تعمیر میں اپنے بابرکت ہاتھوں کے ساتھ شرکت کی وہ اللہ کے نبی محمد ﷺ ہیں جو اللہ کے لئے سب سے زیادہ تقوی اور اخلاص رکھنے والے ہیں۔ عليه أفضل الصلوة و أتم التسليم-

حیرت ہے شیعہ عوام پر جو اپنی کتابوں میں موجود اس طرح کی روایات کو مان لیتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا آپ لوگ سحر زدہ ہیں!!؟۔

اس سے پہلے کہ میں شیعہ مذہب کی کتابُ اللہ کی بعض خلاف ورزیوں کی وضاحت کروں، میں چاہتا ہوں کہ موضوع کی مناسبت سے امام مہدی سے متعلق اہل سنت کے عقیدے پر کچھ گفتگو کرتا جاؤں۔

امامِ مہدی کے بارے میں اہلِ سنت کا عقیدہ شیعہ کے عقیدے سے بالکل مختلف ہے

اہل سنت کی صحیح ترین احادیثِ نبوی کی رو سے اہل سنت کے امام مہدی سے متعلق عقیدے کے مطابق وہ آخری زمانے میں نکلیں گے اور ان کا آنا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ ان کے ذریعے اللہ تعالی دین کی نصرت فرمائیں گے۔ وہ سات سال تک بادشاہ رہیں گے اور(اس دوران) وہ کرہِ ارض کو اللہ کے حکم سے عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ کے فضل سے ان کے دور میں امت اتنی خوشحال ہو گی کہ پہلے کبھی اتنی خوشحال نہیں ہوئی ہو گی۔ زمین صرف اللہ کے حکم سے سبزہ و کھیتی اگائے گی اور آسمان صرف اللہ ہی کے حکم سے اپنی بارش برسائے گا اور وہ شمار کئے بغیر مال دیں گے۔

ان کا نام نبیﷺ کے نام کی طرح محمد یا احمد ہو گا اور وہ آپﷺ کے والد کے ہم نام ہوں گے۔ ان کا نسب حسن بن علی کی اولاد سے ہو گا۔ چنانچہ امام مہدی علوی فاطمی حسنی قرشی ہوں گے۔ نبیﷺ کی احادیث مبارکہ میں ان کی دو صفات بیان ہوئی ہیں کہ: "ان کی پیشانی روشن اور ناک ستواں ہو گی"۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی بہت سی احادیث ہیں جو امامِ مہدی کے آنے پر دلالت کرتی ہیں اور اجمالی طور پر حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:" نبیﷺ سے روایت کرنے والے راویوں کی کثرت کی بدولت اخبار حدِ تواتر و شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں اس بارے میں کہ مہدی آئیں گے، وہ اہلِ بیت سے ہوں گے۔۔۔ اور یہ کہ وہ عیسی علیہ السلام کی معیت میں نکلیں گے اور دجال کو قتل کرنے میں ان کی مدد کریں گے۔۔۔ اور یہ کہ وہ اس امت کی امامت کریں گے اور عیسی علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے"۔[1]

جب کہ شیعہ کے مہدی بارہویں امام ہیں جن کا نام محمد ہے اور جو گیارہویں امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں۔ وہ تین سال کے تھے کہ اپنی سرنگ میں جا چھپے ۔ ایک قول کی رو سے ان کی عمر پانچ

1۔ السلسلة الصحيحة: ۳۷۱/۵

سال تھی اور ایک دوسرے قول کی رو سے وہ سات سال کے تھے۔ اس بارے میں شیعہ کے مابین اختلاف ہے اور وہ ان کے خروج کے منتظر ہیں۔ وہ ان کو حجت کا نام دیتے ہیں جیسا کہ وہ ان کو القائم کا نام بھی دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ ۲۵۵ھ کو پیدا ہوئے ۔ امام مہدی جب سات سال کے تھے تو غیبوبتِ صغری میں چلے گئے اور پھر غیبوبتِ کبری شروع ہوئی اور آج تک وہ غائب ہی ہیں۔ شیعہ حضرات انتظار میں ہیں کہ آخری زمانے میں ان کا خروج ہو گا تا کہ وہ ان کے دشمنوں سے انتقام لے سکیں۔ شیعہ "سر من رائی" نامی سرنگ پر ان کی زیارت کے لئے جاتے رہتے ہیں اور ان کو نکلنے کا کہتے ہیں۔

شیعہ کو ۲۶۰ ھ میں اچانک حسن عسکری کی وفات کاسامنا کرنا پڑا۔ یہ ان کے نزدیک گیارہویں امام تھے جو بانجھ تھے۔ اس بارے ان میں باہم پھوٹ پڑ گئی اور وہ حیران و پریشان ہو گئے۔ یہاں تک کہ حسن عسکری کے پیروکار چودہ فرقوں میں بٹ گئے جیسا کہ نوبختی کہتے ہیں یا بقول قمی ان کے پندرہ فرقے ہو گئے۔ شیعہ حلقوں کو شک نے گھیرلیا اور ان پر پریشانی طاری ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے پیروکاروں کو یہ کہتے آئے تھے کہ: امامت دین کی اصل اور اس کی اساس ہے۔ یہاں تک کہ ان کی صحیح ترین کتاب اصولِ کافی میں ہے کہ: "امامت اسلام کا سب سے عظیم رکن ہے" اور یہ کہ" وہ نبوت سے بھی زیادہ اہم ہے"۔

اس تنگ نائے سے نکلنے کے لئے بعض شیعہ نے یہ عقیدہ اپنا لیا کہ اللہ نے بطور معجزہ سیدہ نرگس جو امام حسن عسکری کی بیوی تھیں ان کے پیٹ کو چھپا دیا تا کہ عباسیوں کے ان کے حمل کا علم نہ ہو اور انہوں نے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ: "حسن بن علی زندہ ہیں، ان کی موت واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ غائب ہو گئے ہیں، وہی القائم ہیں اور ممکن نہیں کہ ان کو موت آئے، اور نہ ہی بظاہر ان کی کوئی اولاد ہے، کیوں کہ زمین امام سے خالی نہیں ہوتی"۔ ایک فرقے نے ان کی موت کا اعتراف کر لیا لیکن اس کا کہنا تھا کہ: "وہ اپنی موت کے بعد بھی زندہ ہیں ۔ وہ اب غائب ہیں اور عنقریب ان کا ظہور ہو گا"۔ جب کہ دوسرے فرقوں نے کوشش کی کہ امامت حسن سے ان کے بھائی جعفر کی طرف منتقل کر دی جائے جب کہ دیگر فرقوں نے حسن عسکری کے حالت بانجھ پن میں وفات پانے پر ان کی امامت کو باطل قرار دے دیا۔ ایک اور گروہ کا خیال تھا کہ حسن عسکری کا بیٹا ہے لیکن " اس کو انہوں نے چھپا دیا تھا اور اس کا معاملہ انہوں نے مستور رکھا تھا کیونکہ وقت کٹھن تھا اور وہ

سلطان کو شدت کے ساتھ مطلوب تھے"۔ محمد القمی نے اپنی کتاب کمال الدین میں ابو غانم الخادم سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ: حسن عسکری نے اپنے بیٹے کی پیدائش کے تیسرے سال اسے نکال کر اپنے اصحاب کے سامنے پیش کیا اور کہا: "یہ میرے بعد تمہارا ساتھی اور خلیفہ ہو گا۔ یہی وہ قائم ہے جس کے انتظار میں گردنیں لگی رہیں گی۔ جب زمین ظلم و جور سے بھر جائے گی تو یہ نکلے گا اور اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا"۔[1]

یہ مبینہ بیٹے ہیں اور ان ہی کے بارے میں شیعہ آیات خیال کرتے ہیں کہ وہ ان کے نائب ہیں اور یہ کہ ان کی مدتِ غیبوبت دو طرح کی ہے: ایک غیبوبتِ صغری اور دوسری غیبوبتِ کبری۔ وہ ابو عبد اللہ کی طرف ان کا یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ: "القائم کی دو طرح کی غیبوبت ہو گی۔ ان میں سے ایک مختصر اور دوسری طویل ہو گی۔ پہلی غیبوبت میں ان کی جائے موجودگی سے صرف ان کے خاص شیعہ آگاہ ہوں گے اور دوسری غیبوبت میں ان کی جائے موجودگی سے صرف ان کے خاص موالی واقف ہوں گے"۔[2]

ان کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی غیبوبتِ صغری میں اپنا ایک نائب متعین کرتے جو ان کی طرف سے بات کرتا اور لوگوں تک ان کی باتیں پہنچاتا ۔ یہ کل چار نائب تھے جن میں سے آخری علی بن محمد السمری تھے جو چاروں سفراء میں سے آخری سفیر تھے۔ ان کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی اور اس کے ساتھ ہی غیبوبتِ صغری ختم ہو گئی اور مہدی کی غیبوبتِ کبری کا آغاز ہو گیا جس کا طویل عرصے سے انتظار تھا۔

مہدی کے بارے میں بہت سے شیعہ روایات کو جو شخص دیکھتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مہدی کے عجیب ہی حالات ہیں۔ ایک طرف تو ان کے بقول وہ اس وقت ظاہر ہوں گے جب زمین ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی ۔ وہ ذکر کرتے ہیں کہ مہدی قتل و غارت گری کریں گے اور خون بہائیں گے یہاں تک کہ بچوں پر بھی رحم نہیں کھائیں گے۔ کیا اللہ نے ان کو اس لئے بھیجا ہو گا کہ وہ زمین کو ظلم سے پاک کریں یا پھر اسے اور زیادہ کریں، جس سے ان کے خروج کے وقت کرہ ارض بھر چکا ہو گا۔

1۔ کمال الدین للقمی، ج: ۸، ص: ۴۳۱

2۔ الکافی: ۳۴۰/۱

شیعہ روایات میں غور و تامل کرنے والے شخص کو شیعوں کے مہدی اور یہودیوں کے مسیح کے مابین بہت مشابہت محسوس ہوتی ہے۔ ان خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ شیعہ کے مہدی داؤد علیہ السلام کی شریعت کی رو سے فیصلے کریں گے۔ کلینی نے ابو عبد اللہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا: "دنیا کا تب تک خاتمہ نہیں ہو گا جب تک کہ میری نسل سے ایک آدمی نہ نکل آئے، وہ آل داؤد کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرے گا اور اس سے شہادت طلب نہیں کی جائے گی، وہ ہر نفس کو اس کا حق دے گا"۔[1]

ان خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عبرانی بولے گا۔ نعمانی کی کتاب (الغیبۃ) میں روایت کیا گیا ہے کہ: "جب امام اذان دے گا تو وہ اللہ کو اس کے عبرانی نام سے پکارے گا۔ پھر وہ اپنے لئے تین سو تیرہ اصحاب منتخب کرے گا جیسا کہ خزاں کی بدلیاں ہوا کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو پرچم بردار ہوں گے۔کوئی رات کو اپنا بستر چھوڑ کر صبح کومکہ پہنچا ہوا ہو گا اور کوئی دن میں بادلوں کےاندر چلتا ہوا دکھائی دے گا۔ مہدی کو ان کے نام، ان کے والد کے نام اور ان کے حلیہ و نسب سے پہچانا جائے گا"۔[2]

1۔ الحجة من الأصول، للكليني، ١/٣٩٧-٣٩٨

2۔ الغيبة للنعماني، ص: ٣١٣

شیعہ مذہب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تکفیر کرتا ہے

شیعہ لوگ پوری دیدہ دلیری کے ساتھ قرآن کریم کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ حدیث کو اپنی طرف سے گھڑ کر اہلِ بیت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ امت کے مابین تفرقہ پیدا کریں۔ جیسے ان کی وہ گھناؤنی اور بدنما روایات جو شریفہ و طاہرہ اور پاک و تقوی گزار ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر کفر کا الزام لگاتی ہیں اور بیان کرتی ہیں کہ وہ جہنمیوں میں سے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے بارے میں بہت سی باتیں کہتی ہیں۔ مجلسی کا کہنا ہے: "صاحبِ بصیرت و زیرک اور باخبر ناقد پر ان آیات میں موجود تعریض مخفی نہیں رہتی، بلکہ ان میں عائشہ اور حفصہ کے نفاق اور ان کے کفر کی تصریح ہے"۔[1]

ایک اور شخص محمد بن حسین الشیرازی کہتا ہے-اس پر اللہ کی طرف سے وہ شے پڑے جس کا وہ مستحق ہے: " جو شے ہمارے بارہ ائمہ کی امامت پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ عائشہ کافر ہے اور جہنم کی مستحق ہے۔ یہ بات ہمارے مذہب کی حقانیت اور بارہ ائمہ کی حقانیت کا لازمی تقاضا ہے۔ اور ہر وہ شخص جو بارہ اماموں کی امامت کا قائل ہے وہ قائل ہے کہ عائشہ لعنت اور عذاب کی مستحق ہے "۔[2]

بلکہ ان افتراء پردازوں کی کتابیں ایسی روایات پر مشتمل ہیں جو ان کے حقائق کا پول کھولتی ہیں اور ام المومنین اور نبیِ امت ﷺ کی زوجہ کے بارے میں ان کے بغض کی بنا پر ان کی بدنیتی کو ثابت کرتی ہیں۔ اس میں وہ تاریخ کو توڑ مروڑتے ہیں اور واقعات کو من چاہے انداز میں غلط طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے بیمار دلوں کو یہ دھوکہ دیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معرکہ صفین اور واقعہ جمل میں علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور یہ کہ انہوں نے لوگوں کو آپ کے خلاف قتال پر ابھارا اور اللہ تعالی کے اس فرمان کی اطاعت نہ کی کہ:

1۔ بحار الانوار: ۲۲-۳۳

2۔ الأربعين في إمامة الأئمة الطاهرين: ص: ۶۱۵

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ٱلْأُولَىٰ﴾ [الأحزاب: ۳۳]

«اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو»۔

ہم ان کے عوام کو یہ سادہ سی بات کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے اپنی کتاب عظیم میں ایک صریح اور واضح آیت ذکر فرمائی جس میں اللہ تعالی نے بیان فرمایا اور ثابت کیا کہ آدمی کی زوجہ اس کے اہلِ بیت میں شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قَالُوٓاْ أَتَعۡجَبِينَ مِنۡ أَمۡرِ ٱللَّهِۖ رَحۡمَتُ ٱللَّهِ وَبَرَكَٰتُهُۥ عَلَيۡكُمۡ أَهۡلَ ٱلۡبَيۡتِۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٞ مَّجِيدٞ ۝٧٣﴾ [ھود: ۷۳]

«فرشتوں نے کہا: "اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ ابراہیم کے گھر والو! تم لوگوں پر تو اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں، اور یقیناً اللہ نہایت قابل تعریف اور بڑی شان والا ہے»۔

آیت میں جس کے تعجب کرنے کا بیان ہے وہ ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سارہ ہیں۔ اللہ تعالی نے آیت کی نص سے ان کی نسبت فرمائی اور ثابت کیا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے اہلِ بیت میں سے ہیں کیونکہ وہ آپ کی زوجہ ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اہل کے لفظ کا اطلاق زوجہ پر کیا ہے اور اسی طرح یہ لفظ اللہ تعالی کے اس فرمان میں بھی آیا ہے کہ:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى ٱلۡأَجَلَ وَسَارَ بِأَهۡلِهِۦٓ﴾ [القصص: ۲۹]

«جب موسیٰ نے مدت پوری کردی اور وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر چلا»۔

اس وقت موسی علیہ السلام کے ساتھ سوائے ان کی زوجہ کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔

شیعہ کے علامہ طبطبائی اس کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِذۡ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهۡلِهِۦٓ إِنِّيٓ ءَانَسۡتُ نَارٗا سَـَٔاتِيكُم مِّنۡهَا بِخَبَرٍ أَوۡ ءَاتِيكُم بِشِهَابٖ قَبَسٖ لَّعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُونَ ۝٧﴾ [النمل: ۷]

«جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ: "مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے، میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے کر آتا ہوں یا کوئی انگارا چن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ سینک سکو»۔

یہاں اہل سے مراد موسی علیہ السلام کی بیوی ہیں جو شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں جیسا کہ اللہ تعالی نے سورۃ القصص میں ذکر کیا ہے۔ وہ مجمع البیان میں لکھتے ہیں: "جمع کے صیغہ یعنی "آتیکم" سے اپنی بیوی کے ساتھ خطاب اس لئے کیا کیونکہ ویرانوں میں حصولِ انسیت کے اعتبار سے وہ ان کے نزدیک

لوگوں کے ایک گروہ کی جگہ تھیں"۔(1)

عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ نبی ﷺ کی ازواج میں سے ہیں اس لئے وہ آپ ﷺ کے اہلِ بیت میں شامل ہیں اور چونکہ وہ اہلِ بیت میں سے ہیں اس لئے وہ ام المومنین ہیں ۔اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿ٱلنَّبِيُّ أَوۡلَىٰ بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ مِنۡ أَنفُسِهِمۡۖ وَأَزۡوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمۡ﴾ [الأحزاب: ٦]

«بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں»۔

اور چونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہیں اس لئے وہ اللہ کے اس فرمان کی رو سے پاک ہیں کہ:

﴿يَٰنِسَآءَ ٱلنَّبِيِّ لَسۡتُنَّ كَأَحَدٖ مِّنَ ٱلنِّسَآءِ إِنِ ٱتَّقَيۡتُنَّۚ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِٱلۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ ٱلَّذِي فِي قَلۡبِهِۦ مَرَضٞ وَقُلۡنَ قَوۡلٗا مَّعۡرُوفٗا ۝٣٢ وَقَرۡنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجۡنَ تَبَرُّجَ ٱلۡجَٰهِلِيَّةِ ٱلۡأُولَىٰۖ وَأَقِمۡنَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتِينَ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِعۡنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓۚ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُذۡهِبَ عَنكُمُ ٱلرِّجۡسَ أَهۡلَ ٱلۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيرٗا ۝٣٣﴾ [الأحزاب: ٣٢-٣٣]

«نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اپنے گھروں میں ٹِک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہلِ بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کردے»۔

یہ آیتِ تطہیر نبی ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ واضح ہے اور اس میں کچھ التباس اور شک نہیں ۔ جو شخص ان آیات کے سیاق کو ملحوظ رکھتا ہے اس کو بنا کسی شک اس بات کا پورا یقین ہو جاتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی بیویوں میں سے ہیں۔ کیا شیعہ عوام پڑھنا نہیں جانتے؟۔ شیعہ کے دلوں کو کیا ہو گیا کہ وہ اللہ کے واضح کلام پر بھی یقین نہیں رکھتے۔ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی مخاطبت میں یہ آیت صریح ہے۔

1۔ تفسیر المیزان للطبطبائی، ج: ۱۶، ص: ۳۴۲

تاہم ہم اس شخص کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں جس کے دل کو اللہ تعالی ہی صاف نہیں کرنا چاہتے؟؟۔

امام مسلم عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "ایک صبح نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ پر کجاووں جیسے نقش کی ایک سیاہ اونی چادر تھی۔ حسن بن علی آئے تو آپ ﷺ نے ان کو چادر میں داخل کر لیا۔ پھر جب حسین آئے تو آپ ﷺ نے ان کو ان کے ساتھ داخل کر لیا۔ پھر جب فاطمہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو بھی داخل کر لیا اور پھر علی آئے تو آپ ﷺ نے ان کو بھی داخل کر لیا اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيُذۡهِبَ عَنكُمُ ٱلرِّجۡسَ أَهۡلَ ٱلۡبَيۡتِ وَيُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيرٗا﴾ [الأحزاب: ۳۳]

«اے اہلِ بیت! اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے»۔

حدیث کساء (چادر والی حدیث) کی درست سند صرف وہی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ چنانچہ جو شخص تھوڑی سی بھی سمجھ بوجھ رکھتا ہے وہ کس طرح دعوی کر سکتا ہے اور کس طرح عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا سکتا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتی تھیں!!؟۔

علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے فضائل میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے متعدد احادیث روایت کی ہیں جن کو ائمہ حدیث نے ان کی اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ احادیث اس بات پر واضح طو رپر دلالت کرتی ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہ کی بہت عزت و احترام کرتی تھیں۔

انہی میں سے ایک وہ حدیث ہے کہ جب شریح بن ہانی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان سے کہا: "تمہیں چاہیے کہ علی سے جا کر پوچھو۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے"۔ (1)

شیعہ کے ہر فریب خوردہ شخص نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیثِ کساء میں چادر تلے موجود افراد کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ ان سے گندگی کو دور کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللھم

1۔ صحیح مسلم: ۲۸۶

هؤلاء أهل بيتي، اللهم أذهب عنهم الرجس". "ترجمہ: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، اے اللہ! ان سے گندگی کو دور کر دے"۔

اگر یہ آیت ان ہی لوگوں کے لئے نازل ہوئی تھی تو اس میں تو اللہ تعالی نے بتا دیا ہے کہ ان سے گندگی دور کر دی گئی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس دعا کے کرنے کا کیا مقصد تھا!!؟۔

رسول اللہ ﷺ اپنی اس دعا سے یہ چاہ رہے تھے کہ اللہ چادر تلے موجود افراد جو کہ چار نفوس تھے یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین جو بلاشک آپ ﷺ کے اہلِ بیت ہیں، ان کو بھی آپ ﷺ کی بیویوں کے ساتھ ملا کر ارادہ تطہیر کی دعا میں شامل کردیں۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے چادر تلے موجود افراد سے حدیث کی رو سے گندگی دور فرمائی نہ کہ آیتِ تطہیر کی رو سے۔ اس آیت کے ساتھ اگر کسی پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو وہ امہات المومنین ہیں جو نبی ﷺ کی بیویاں اور اہلِ بیت ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا انہی میں سے ایک ہیں۔

اسی طرح جب شیعہ علماء آیتِ تطہیر کے لئے تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں تو ان کے اس تعصب کا اظہارآیت میں صرف لفظ "اہل البیت" کے آنے پر ہوتا ہے تا کہ وہ شیعہ عوام کو ازراہِ تعصب مذہبِ اہل بیت کے فریب میں مبتلا کر سکیں۔ میں اللہ کی کتاب پر پورے بھروسے کے ساتھ ان کو کہتا ہوں کہ تطہیر صرف علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے بھی تطہیر واقع ہوئی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَٱللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ١٠٣﴾ [التوبة: ١٠٣]

«اے نبی! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ، اور ان کے حق میں دعائے رحمت کرو کیونکہ تمہاری دعا ان کےلیے وجہ تسکین ہوگی، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے»۔

اس کا تعلق ان سب لوگوں کے ساتھ ہے جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ سے توبہ کی اور نبیِ امت کی خدمت میں اپنے اموال لے کر حاضر ہوئے تا کہ آپ ﷺ ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں اور ان اموال کو ان کی طرف سے بطور صدقہ دیں۔

اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُم مِّنۡ حَرَجٖ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهُۥ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ﴾ [المائدۃ: ٦]

«اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے، شاید کہ تم شکر گزار بنو»۔

اہلِ بدر سے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿إِذۡ يُغَشِّيكُمُ ٱلنُّعَاسَ أَمَنَةٗ مِّنۡهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءٗ لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذۡهِبَ عَنكُمۡ رِجۡزَ ٱلشَّيۡطَٰنِ وَلِيَرۡبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمۡ وَيُثَبِّتَ بِهِ ٱلۡأَقۡدَامَ ١١﴾ [الأنفال: ١١]

«اور وہ وقت جب کہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بےخوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دُور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے»۔

اگر تطہیر کا ذکر اہلِ بیت میں سے پانچ افراد کے لئے ہوا تو تطہیر ہی کا ذکر تین سو تیرہ بدری افراد اوران کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے بھی ہوا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے تو یہی شرف کافی ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی پاکیزگی خود بیان فرمائی اورسورہ نور میں ان کی براءت کےلئے واضح آیات نازل فرمائیں ۔ یہ مبارک سورہ جو قرآن کی سورتوں میں سے ایک سورت تھی اللہ تعالی اس کی آیات کی ابتداء میں بیان فرماتے ہیں: (بَيِّنَاتٍ) یہ فرماتے ہوئے کہ:

﴿سُورَةٌ أَنزَلۡنَٰهَا وَفَرَضۡنَٰهَا وَأَنزَلۡنَا فِيهَآ ءَايَٰتِۭ بَيِّنَٰتٖ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ ١﴾ [النور: ١]

«یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، اور اسے ہم نے فرض کیا ہے، اور اس میں ہم نے صاف صاف آیات نازل کی ہیں، شاید کہ تم سبق لو»۔

اور اسی طرح اللہ تعالی اس سورت کا خاتمہ بھی اپنے اس فرمان کے ساتھ کرتے ہیں کہ:

﴿وَيُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمُ ٱلۡأٓيَٰتِۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ١٨﴾ [النور: ١٨]

«اللہ تمہارے سامنے صاف صاف آیات بیان کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے»۔

شیعہ عوام پر شرعی طور پر واجب ہے اور اس میں ان کو کوئی اختیار حاصل نہیں کہ سورہ نور کی ابتدائی آیات آہستہ روی اور غور و فکر کرتے ہوئے تلاوت کریں اور اہلِ سنت کی تفاسیر کی طرف رجوع کریں خاص طور پر اللہ تعالی کے اس فرمان کے آغاز سے کہ:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ جَآءُو بِٱلْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ [النور: ۱۱]

«جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں۔ اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے»۔

تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اہل سنت کی تفسیر قرآن کے ساتھ اس طرح میل کھاتی ہیں جس طرح روح جسم کے ساتھ میل کھاتی ہے۔

وہ آیات جو واقعہ افک بیان کرتی ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان کرتی ہیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کے بعد کچھ آیات کو ذکر کیا جن میں عقلِ سلیم اور صاف دل رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک مثال پیش کی جس میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہوتی ہیں۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہیں کیونکہ وہ پاک بازوں کے امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں:

﴿ٱلْخَبِيثَٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَٱلْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَٰتِۖ وَٱلطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَٱلطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَٰتِۚ أُوْلَٰٓئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾﴾ [النور: ۲۶]

«خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے۔ ان کا دامن پاک ہے اُن باتوں سے جو بنانے والے بناتے ہیں، ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق کریم»۔

ابنِ کثیر سورہ نور میں لکھتے ہیں: "تمام اہلِ علم رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آیت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد جس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دی اور ان پر وہ الزام لگایا جو ان پر لگایا گیا تھا تو وہ کافر ہے کیونکہ ایسا شخص قرآن سے عناد رکھنے والا ہے"۔

قاضی ابو یعلی کہتے ہیں: "جو شخص ام المومنین پر تہمت لگاتا ہے اس کے کفر کے بارے میں صریح اور واضح دلائل ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

اولا: امام مالک نے اس سے جو استدلال کیا وہ یہ ہے کہ اس میں اُس قرآن کی تکذیب ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی گواہی دیتا ہے ۔ قرآن جو بات بیان کرے اس کی تکذیب کرنا کفر ہے۔

اور ابنِ حزم امام مالک کے گزشتہ قول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: "یہاں امام مالک کا قول درست ہے کیونکہ ایسا کرنا پورے طور پر ارتداد ہے اوراللہ کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی قطعی انداز میں براءت کی تکذیب ہے"۔

ثانیا: ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ کے لئے باعثِ تکلیف ہے اور اس میں متعدد وجوہ سے آپ ﷺ کی تنقیص ہے جن پر قرآن دلالت کرتا ہے"۔[1]

اسی لئےامام سبکی کہتے ہیں: "عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائی کرنا دو وجہ سے موجبِ قتل ہے:

اول: قرآن کریم ان کی براءت کی شہادت دیتا ہے چنانچہ قرآن کی تکذیب کرنا کفر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائی بیان کرنے میں قرآن کی تکذیب ہوتی ہے۔

دوم: عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی بیوی ہیں اور ان کی برائی بیان کرنے میں آپ ﷺ کی تنقیص ہے اور آپ ﷺ کی تنقیص کفر ہے"۔[2]

اس طرح کے موضوعات پر گفتگو کو تو اللہ تعالی سننا بھی پسند نہیں کرتے اور جو کوئی ایسی بات کی تایید کرتا ہے اس پر اللہ ناراض ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَٰنَكَ هَٰذَا بُهْتَٰنٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾﴾ [النور: ۱۶]

«کیوں نہ اُسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ: "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے»۔

چنانچہ ہلاکت در ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کے حضور پیش ہو گا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ام المومنین کے بارے میں ان نازیبا بہتان تراشیوں پر یقین رکھتا ہو گا۔

1۔ المحلی بالآثار، ابن حزم: ۱۵/۱۱

2۔ فتاوی السبکی: ۵۹۲/۲

کیا یہ فریب زدہ شخص اپنے آپ سے یہ سوال نہیں کرتا کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی بیوی بنانا کس طرح پسند فرمایا اور کس طرح وہ آپ ﷺ کی وفات تک آپ کے رشتہ ازدواج میں رہیں!!؟۔

اسی طرح اے شیعہ اپنے آپ سے یہ بھی پوچھو کہ جب تم ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دیتے ہو، ان کی تکفیر و تنقیص کرتے ہو تو ایسا کرنے پر وہ کون سا فائدہ ہے جو روزِ قیامت تمہیں حاصل ہونے کی امید ہے؟۔ کیا تم تصور کرتے ہو کہ ایسا کرنے سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم سے خوش ہو جائیں گے اور کیا ایسا کرنے میں تمہارے لئے کوئی شرف کی بات ہے یا یہ کوئی عبادت یا دین ہے جس کے ذریعے تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو!!؟ کیا ایسا کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ جو غیرت مند مومنوں کے لئے اسوہ ہیں اپنےہاتھ مبارک کے ساتھ حوضِ کوثر سے تمہیں پانی پلائیں گے جس کے پینے کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہیں لگے گی!؟

اگر آپ کسی عام بلکہ فاسق انسان کو بھی لے لیں تو وہ بھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کی بیوی پر تہمت لگائی جائے۔ وہ اس سے پریشان اور غضبناک ہو گا اگرچہ اس کی بیوی میں ڈھیروں خامیاں ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر نبی ﷺ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو انسانوں میں سب سے افضل و اکمل اور اشرف ہیں اور آپ ﷺ کی زوجہ عائشہ پاکباز و صاف دامن ہیں!!؟۔

عجیب بات ہے کہ ہم شیعہ کو حدیثِ غدیر بار بار بیان کرتے ہوئے سنتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں"۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ سب لوگوں میں صرف شیعہ ہی ہیں جو امہات المومنین اور ازواجِ نبی ﷺ پر طعن زنی پر دلیر ہوتے ہیں۔

اے شیعہ عوام! یومِ حسرت کے آنے سے پہلے پہلے جان لو کہ: ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا دین و علم اور اخلاق و ادب کے لحاظ سے کامل ترین خاتون ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: "عائشہ کی دیگر عورتوں پر فضیلت ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر فضیلت ہے"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ابو بکر صدیق کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دل کو سب سے زیادہ محبوب تھیں جیسا کہ اہل سنت کی کتبِ حدیث میں آیا ہے۔ ان کے وہ فضائل جس کی بنا پر امہات المومنین میں ان کوامتیازی شان حاصل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ: جبرئیل علیہ السلام ایک ریشمی سبز کپڑے میں ان کی تصویر لپیٹ کر نبی ﷺ کے پاس لائے اور کہا: یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی

عورتوں میں سب سے باعلم عورت ہیں۔ ان کے زمانے میں لوگ ان کی طرف رجوع کر کے ان سے فتوی لیا کرتے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے جواحادیث روایت کی ہیں وہ دو ہزار سے زائد ہیں۔

چنانچہ اے وہ لوگوں جو رسول اللہ سے محبت کا دم بھرتے ہو اور اللہ کے حبیب کی محبوب بیوی کو بڑھ بڑھ کر گالیاں دیتے ہو ہم تم کو رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان یاد کراتے ہیں کہ: "مجھے عائشہ کے بارے میں ایذاء نہ دو کیونکہ سوائے عائشہ کے لحاف کے تم میں سے کسی اور بیوی کے لحاف میں میرے پاس وحی نہیں آتی"۔ (1)

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مناقب میں سے ایک یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے ساتھ ان کو بھی سلام بھیجا۔ امام بخاری نے اپنی اسناد کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیاہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: اے عائشہ! یہ جبرائیل ہیں جو آپ کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا: و علیہ السلام و رحمة اللہ و برکاتہ۔ آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی۔ ان کی مراد رسول اللہ ﷺ تھے۔ (2)

میں شیعہ علماء اور عوام کو اللہ تعالی کے اس فرمان کی یاد دہانی کراتا ہوں کہ:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ ءَاذَوۡاْ مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ ٱللَّهُ مِمَّا قَالُواْۚ وَكَانَ عِندَ ٱللَّهِ وَجِيهٗا ٦٩﴾ [الأحزاب: ٦٩]

«اےلوگو جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو اذیتیں دی تھیں، پھر اللہ نے اُن کی بنائی ہوئی باتوں سے اُس کی برأت فرمائی اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھا»۔

جب بنی اسرائیل نے موسی علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اور انہوں نے ان کے بارے میں یہ کہا کہ: یہ شخص یہ سب ستر پوشی محض اس وجہ سے کر رہا ہے کہ اسے کوئی جلدی بیماری ہے، یا تو اسے برص ہے، یا اس کے خصیے بڑھ گئے ہیں، یا اسے کوئی اور بیماری لاحق ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو

1۔ البخاری: ۳۷۷۵

2۔ البخاری: ۳۷۶۸

(ان الزامات سے) بری کیا اور آپ کا تزکیہ فرمایا۔ اللہ نے مومنین کو ان باتوں میں پڑنے سے ڈرایا جن میں بنی اسرائیل کے یہ لوگ پڑے تھے۔

پھر اس شخص کا کیا انجام ہو گا جس نے سب انبیاء و رسولوں کے امام محمد ﷺ کو اس سے بھی بدتر بات کے ذریعے ایذا دی کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ عزت میں طعن زنی کی!؟

﴿وَٱلَّذِينَ يُؤۡذُونَ رَسُولَ ٱللَّهِ لَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٞ﴾ [التوبة: ٦١]

«اور جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے»۔

جس شخص کو یہ گزشتہ باتیں پسند نہیں اس کو ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہماری امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت فرمائی جب ان کو بتایا گیا کہ ایک آدمی کا کہنا ہے کہ آپ اس کی ماں نہیں ہیں۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا، میں مومنین کی ماں ہوں، منافقین کی ماں نہیں ہوں۔

باقی رہی وہ باتیں جو بانیانِ مذہب شیعہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جھوٹ گھڑتے رہتے ہیں کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتی تھیں اور انہوں نے آپ کے خلاف خروج کیا تو اللہ کی مدد سے ہم ان کو یہ کہتے ہیں کہ: علماء اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ کی بطور خلیفۃ المسلمین بیعت کی گئی تو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور نہ ہی انہوں نے اپنے دل میں ان کے خلاف کوئی رنجش رکھی۔ وہ تو ان کے بیعت کی طرف بلاتی تھیں اور ان کے علمی و فقہی مقام سے آگاہ تھیں۔

حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں مہلب کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ: کسی بھی شخص نے یہ بات نقل نہیں کی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں میں سے کسی نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معاملے میں منازعت کی۔ابن ابی شیبہ ذکر کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن ورقاء الخزاعی نے عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ کس کی بیعت کریں؟۔ انہوں نے فرمایا: علی کے ساتھ ہو جاؤ۔ ابن عربی کہتے ہیں: جہاں تک تعلق ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنگ جمل کے لئے نکلنے کا تو (جان لینا چاہئے کہ) وہ جنگ کے لئے نہیں نکلی تھیں۔ بلکہ لوگ ان کے ساتھ لگ گئے، انہوں نے آپ کی خدمت میں اس عظیم فتنے اور لوگوں کی باہم ہنگامہ آرائی کی شکایت کی جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔ انہیں امید تھی کہ ان کی برکت سے اصلاح آئے گی اور جب وہ لوگوں کے سامنے کھڑی ہوں گی تو وہ ان سے حیاء کھائیں گے۔ خود عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی خیال کیا چنانچہ وہ اللہ تعالی کے اس فرمان کی اقتداء میں نکل کھڑی ہوئیں کہ:

﴿لَّا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾﴾ [النساء: ۱۱۴]

«لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثروبیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے، اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اُسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے»۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود بھی تصریح کی کہ ان کے خروج کا مقصد صلح تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں ذکر کیاہے کہ: "زبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ لوٹ جائیں، ہو سکتا ہے کہ اللہ آپ کے ذریعے لوگوں کے مابین صلح کرا دیں"۔[1]

اسی طرح ابن حبان نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے: "میرا خیال ہے کہ میں واپس لوٹ جاؤں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے کچھ نے کہا کہ آپ آگے بڑھیں، مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو اللہ تعالی ان کے مابین صلح کرا دیں گے"۔[2]

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ عراق میں نہیں تھے بلکہ وہ تو مدینے میں تھے اور ام المومنین عراق کی طرف گئی تھیں جہاں عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ مکہ واپس بھجوایا اور ان کا بہت اکرام کیا۔ علی رضی اللہ عنہ ان کو : یا اماہ (اماں جان!) کہہ کر پکارتے تھے۔

ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے موسی اشعری جو کوفہ پر علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی تھے ان کو لکھا کہ: قتلِ عثمان کا جو سانحہ ہوا اس سے آپ واقف ہیں۔ میں لوگوں میں صلح کرانے کے لئے نکلی ہوں۔ چنانچہ اپنی طرف سے حکم دیں کہ لوگ اپنے گھروں میں ٹکے رہیں اور عافیت پر قناعت کریں یہاں تک ان تک اس شے (کی اطلاع) آ جائے جو وہ چاہتے ہیں یعنی مسلمانوں کے معاملے کی درستگی۔

1۔ ابن کثیر، البدایۃ و النھایۃ، ۶/۲۱۷، اس حدیث کی سند صحیح حدیث کی شرائط کے مطابق ہے۔

2۔ صحیح ابن حبان: ۶۷۳۲

جب علی رضی اللہ عنہ نے قعقاع بن عمرو کو عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھیوں کی طرف ان کے آنے کا مقصد پوچھنے کے لئے بھیجا تو قعقاع نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر سلام کیا اور اور کہا: اے اماں جان! آپ کو کس بات نے روانگی پر آمادہ کیا اور اس شہر کی طرف بھیجا؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: میرے بیٹے! لوگوں کے مابین صلح کرانے (کے ارادے) نے۔

جنگ جمل کے ختم ہونے کے بعد علی رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے کہا: "اللہ آپ کی مغفرت کرے"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا: "اور آپ کی بھی مغفرت کرے۔ اصلاح کے علاوہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا"۔ چنانچہ اہلِ سنت کی کتابوں میں یہ بات طے شدہ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو عالمہ، فقیہ، زاہد ہ اور نقیہ تھیں وہ صرف اور صرف مسلمانوں کے مابین صلح کرانے نکلی تھیں۔

خُمس کو فرض قرار دینے میں شیعہ علماء کے اپنے مقاصد اور خواہشات کارفرما تھیں

شیعہ مذہب کی قرآن کی صریح خلاف ورزیوں اور اس کی من چاہی تاویلات کرنے کی ایک مثال آیتِ خُمس ہے جو غنائم کے ساتھ خاص ہے۔ یہ آیت اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿۞وَٱعۡلَمُوٓاْ أَنَّمَا غَنِمۡتُم مِّن شَيۡءٖ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِ إِن كُنتُمۡ ءَامَنتُم بِٱللَّهِ وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَىٰ عَبۡدِنَا يَوۡمَ ٱلۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ ٱلۡتَقَى ٱلۡجَمۡعَانِۗ وَٱللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٌ ٤١﴾ [الأنفال: ۴۱]

«اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسُول اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کےلیے ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی، (تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے»۔

یہ گزشتہ آیت سورہ انفال میں وارد ہوئی ہے جس کی زیادہ تر آیات قتال، جہاد فی سبیل اللہ اور مجاہدین کے لئے آداب و تعلیمات سے متعلق ہیں۔ اس لئے آیتِ خمس اپنے ماقبل آیات کے ساتھ اس یکسانیت کی بنا پر مربوط ہے جو باہم دگر ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہے۔ یہ آیت واضح طور پر ان اموال کے ساتھ خاص ہے جو مجاہدین کو جہاد فی سبیل اللہ میں کفار سے بطور غنیمت حاصل ہوتے ہیں اور جو شخص بھی اس آیت کو پڑھتا ہے اس کو اس میں کچھ بھی اشتباہ نہیں ہوتا۔

تفسیرِ قرطبیؒ میں اس آیت کی تفسیر میں ہے: جان لیں اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی کے فرمان (غَنِمْتُم مِّن شیءٍ) سے مراد کفار کے مال ہیں جب کہ مسلمان ان پر غلبہ پا کر اور بزورِ بازو حاصل کریں۔ یہ بات ایک کمزور فہم و تدبر والے شخص کے لئے بھی واضح ہے۔

طوسی نے اپنی کتاب تہذیب الاحکام میں عبد اللہ بن سنان سے روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "خمس خاص طور پر صرف غنائم میں سے ہوتا ہے"۔[1]

1۔ اسی طرح دیکھیں: بابویۃ القمي، من لا یحضرہ الفقیہ، ۱/۱۳، الطوسي في التھذیب: ۱/۳۴۸، الاستبصار: ۲/۵۶، العاملی.

آیتِ خمس کے بارے میں تفسیر العیاشی میں صاحبِ کتاب نے سماعہ کے واسطے سے ابو عبد اللہ علیہ السلام اور ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ذکر کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ: میں نے ان میں سے ایک سے خمس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: خُمس صرف غنائم میں ہوتا ہے۔[1]

مضمون نگار احمد فہمی ویب سائٹ "البینة" پر شائع ہونے والے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں کہ:

درحقیقت خُمس کے بارے میں بات کرنے کے لئے ایک آرٹیکل کافی نہیں بلکہ یہ موضوع کئی جلدوں کا محتاج ہے۔ یہ مبینہ فرئضہ شیعہ تاریخ کا سب سے بڑا فریب ہے ۔ یہ ایک طرف سے قائدین اور راہنماؤں کی خباثت ثابت کرتا ہے اور دوسری طرف سے پیروکاروں کی حماقت ۔

شیعہ مذہب کی تاریخ میں خمس کے زبردست مقام اور بہت زیادہ اثر و رسوخ کے باجود اس کے خود ساختہ فرئضہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے آخر تک شیعہ مذہب میں کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جس کو خُمس کا نام دیا جاتا ہو۔

مذہبِ شیعہ کی وہ تمام کتابیں جو اس تاریخ سے پہلے لکھی گئیں ان میں ایک باب بلکہ یہاں تک کہ ایک مسئلہ تک ایسا نہیں جو اس مبینہ فریضے کے بارے میں بات کرتا ہو ۔ نجف کے مجلسِ علمی کے بانیان میں سے ایک بانی جو ان کے بڑے فقہاء میں سے ہیں اور جن کو یہ لوگ شیخ المذہب کہتے ہیں یعنی محمد بن حسن الطوسی نے اپنی فقہی کتابوں میں جو شیعہ کے ہاں بہت مشہور ہیں خمس کے اس فرئضہ کے بارے میں کوئی بات ذکر نہیں کی حالانکہ انہوں نے پانچویں صدی ہجری کے اوائل کازمانہ پایا تھا۔

اسی طرح خُمس کے شیعہ فقہاء کو دینے کے بارے میں امامِ معصوم سے کوئی نص منقول نہیں، بلکہ یہ ان کے متاخرین فقہاء کا ایک اختلافی فتوی ہے جن میں متقدمین شامل نہیں۔ کیونکہ شیعہ علماء نے آیات کی اپنی خواہشات کے مطابق تفسیر کی اور قیامت تک کے لئے خُمس کو اپنے لئے خاص کر دیا۔ ان کے سرکردہ لوگ اور حکام اپنے آپ کو آلِ بیتِ رسول کی طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ عزت و شہرت، اقتدار اور اموال حاصل کر سکیں۔

یہ بات درحقیقت بہت عجیب ہے کہ شیعہ عوام خمس ادا کرنے میں اپنے فقہاء کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے قدیم علماء جن پر ان کا دین قائم ہے جیسے شیخ مفید، ان کے بزرگ مرتضی علم

نے اسے وسائل میں ذکر کیا ہے: ۳۳۸/۶، باب وجوب الخمس في غنائم الحرب.

1۔ تفسیر العیاشی، ج: ۲، ص: ۶۲

الہدی اور ان کے شیخ ابو جعفر الطوسی وغیرہ نے خُمس کے فقہاء کو دینے کا مسئلہ کبھی ذکر نہیں کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ متاخرین شیعہ فقہاء کے مابین خمس اور اس کی تفصیلات کے بارے میں بہت اختلاف ہے، یہ فتوی ہمیشہ ناقص پن کا شکار رہا اور اس کو وہ ثبات نہ مل سکا جو شرعی طور پر ثابت شدہ معروف زکوۃ کو حاصل ہے۔ کیونکہ شیعہ علماء خمس کے بارے میں جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ واضح شرعی دلائل کا محتاج ہے، (جب کہ اس کی بنیاد) کچھ اجتہادات پر قائم رہی ہے جو کسی حتمی رائے پر نہیں ٹھہر سکے اور آج تک یہی صورتِ حال ہے۔ یہ وہ بات ہے جو ان حقائق سے واقف ہر شخص کو یقین دلاتی ہے کہ خمس کو فرض اور واجب ٹھہرانے میں وہ کسی دلیل پر تکیہ نہیں کرتے۔

اگر ہم زکوۃ کی کشادگی کو دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلام کی کشادگی ہے۔ زکوۃ مال کے سو حصوں میں سے اڑھائی حصے ہوتی ہے۔ سونے کی نقود میں ہر بیس مثقال پر سونے کا ایک دینار زکوۃ ہوتی ہے اور اسی طرح چرنے والے مویشیوں میں ہر چالیس بھیڑ بکریوں اور پانچ اونٹوں پر ایک بھیڑ بکری زکوۃ ہوتی ہے۔ اس میں ایسی حکمت اور سادگی کی نشاندہی ہے جو جوڑتی ہے متنفر نہیں کرتی۔

جب کہ شیعہ کی طرف سے خمس کی مقرر کردہ مقدار ۲۰٪ تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ بیوی کے مہر میں بھی خمس ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ باطل ہے اور اس کے لئے کوئی کمزور دلیل بھی موجود نہیں۔

کیا یہ بات عقل میں آنے والی ہے کہ کشادگیٔ دامن والا دینِ اسلام زکوۃ کو تو بیسیوں آیات کے ذریعے مشروع کرے، اسے اپنے ارکان میں سے ایک رکن قرار دے اور یہ خمس سے زیادہ اہم ہو اور پھر لوگوں پر اس مشکوک نسبت کے ساتھ خمس واجب کرے۔ پاک ہے اللہ کی ذات ان باتوں سے جن کو یہ لوگ جھوٹ گھڑے ہیں اور اسلام کی کشادگی کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں کیونکہ خمس کی یہ نسبت عقلی اور شرعی دونوں اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔

اگر خمس دینی فریضہ ہوتا اور اس کی اس قدر اہمیت ہوتی تو اسے زکوۃ کے رکن کے ساتھ ملحق کیوں نہ کیا گیا جیسا کہ زکوۃ کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا ذکر قرآن کی اکثر آیات میں نماز کے ساتھ آتا ہے ۔ کیا قرآن میں زکوۃ کی طرح ایسی آیات ہیں جو خمس ادا نہ کرنے پر خبردار کرتی ہوں اور اس پر ڈراتی دھمکاتی ہوں۔ اگر ہیں تو ہمیں دکھائیں چاہے ایک آیت ہی ہو۔

شیعہ مذہب میں عورت وراثت کی حقدار نہیں

شیعہ مذہب کی قرآن عظیم کی صریح خلاف ورزیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں عورت غیر منقولہ جائیداد اور زمین سے وراثت نہیں پاتی۔ کلینی نے کتاب الکافی میں ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: (عورتیں غیر منقولہ جائیداد میں وراثت نہیں پائیں گی)۔ اس میں کلینی نے ابوجعفر سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:"عورتیں نہ تو زمین سے وراثت پائیں گی اور نہ غیر منقولہ جائیداد سے"۔

طوسی نے تہذیب الاحکام اور مجلسی نے بحار الانوار میں میسر سے ان کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے عورتوں کے بارے میں پوچھا کہ ان کا میراث میں کیا حصہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: "ان کے لئے اینٹوں، عمارت، لکڑی اور بانسوں کی قیمت ہو گی ۔ جہاں تک تعلق ہے زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا تو ان میں ان کے لئے کوئی میراث نہیں"۔

یہ بات اللہ تعالی کے عورتوں کے بارے میں اس فرمان اور حکم کے خلاف ہے کہ:

﴿وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ إِن لَّمۡ يَكُن لَّكُمۡ وَلَدٞۚ فَإِن كَانَ لَكُمۡ وَلَدٞ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۚ مِّنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖ﴾ [النساء: ١٢]

«اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حقدار ہوں گی اگر تم بےاولاد ہو، ورنہ صاحبِ اولاد ہونے کی صورت میں اُن کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے»۔

اور اسی طرح اللہ کے اس فرمان کے بھی خلاف ہے کہ:

﴿وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٞ مِّمَّا تَرَكَ ٱلۡوَٰلِدَانِ وَٱلۡأَقۡرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ أَوۡ كَثُرَۚ نَصِيبٗا مَّفۡرُوضٗا﴾ [النساء: ٧]

«مردوں کے لیے اُس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اُس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے»۔

اے شیعہ عوام! تقسیمِ میراث سے متعلق حکم میں اللہ تعالی کے اس فرمان کی وجہ سے ہی باز آ جاؤ: ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ [النساء: ۷]. (خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔)۔ آیت میں میراث خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو اس سے متعلق ربانی حکم عورتوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے باوجودیکہ گزشتہ آیت میں عورتوں سے پہلے مردوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود حق نہیں۔ وہ اپنی مخلوق کو کس قدر جانتا ہے اور ان میں سے کمزوروں کے ساتھ کتنا رحیم ہے!۔

اسلام میں متعہ کی حقیقت

شیعہ کی طرف سے قرآن کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں میں سے ایک خلاف ورزی جو نشاندہی کرتی ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ استدراج کا معاملہ کیا جا رہا ان کا اللہ کے اس فرمان کی تحریف کرنا ہے کہ :

﴿فَمَا ٱسۡتَمۡتَعۡتُم بِهِۦ مِنۡهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾

«پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے اُن کے مہر ان کو ادا کر دو»۔

ان کی تمام تفاسیر یہ کہتی ہیں کہ آیت میں مذکور "استمتاع" سے مراد نکاحِ متعہ ہے۔

شیعہ علماء کہتے ہیں کہ متعہ کو عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ۔چنانچہ وہ اہل سنت کی کتابوں سے وہ حدیث روایت کرتے ہیں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور دیگر محدثین نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: "تمتعنا على عهد النبي الحج و النساء فلما كان عمر نهانا عنهما فانتهينا" .

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں متعۃ الحج اور متعۃ النساء کیا کرتے تھے۔ جب عمر آئے تو انہوں نے ہمیں ان دونوں سےروک دیا چنانچہ ہم رک گئے۔

او ریہ بات شیعہ عوام کے مابین مشہور کر دی گئی۔

اے انصاف پسند ! ہم آپ کےسامنے اسلام میں متعہ کی حقیقت پیش کرتے ہیں:

سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک حصہ دوسرے کی تایید کرتا ہے اور اس میں کوئی تصادم یا تناقض نہیں ۔ شیعہ نے آیت میں سے ایک جملہ لے لیا: ﴿فَمَا ٱسۡتَمۡتَعۡتُم بِهِۦ مِنۡهُنَّ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾۔ اور کہنے لگے کہ اس سے مراد متعہ ہے اور اس سے پہلے اور بعد والی آیات سے انہوں نے اعراض برتا۔قرآن کریم کی آیات کے ساتھ ان لوگوں کا طرزِ عمل یہی ہے کہ وہ حق کی مخالفت اور اس سے چشم پوشی کرتے ہیں۔اگر کوئی بھی پڑھنے والا قرآن کی طرف رجوع کرے تو اسے معلوم

ہو جائے گا کہ گزشتہ آیت پچھلی اور اگلی آیت کے ساتھ براہِ راست متصل ہو کر آئی ہے اور اس کو الگ کرنا ممکن نہیں ۔ اللہ بیان فرما رہے ہیں کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے اور کن سے نکاح کرنا حلال ہے۔ یہ معاملہ دائمی شادی سے متعلق ہے نہ کہ وقتی اور میعادی نکاح سے ۔ عورتوں سے لطف اٹھانا صرف متعین مدت تک کی شادی (زواجِ متعہ) کے ساتھ خاص نہیں ۔ کیا وہ شخص جو دائمی شادی کرتا ہے وہ اپنی بیوی سے لطف اندوز نہیں ہوتا، اس کے مقابلے میں مہر ادا نہیں کرتا اور نکاح صحیح کی دیگر شرائط پوری نہیں کرتا؟۔

﴿وَٱلَّذِينَ هُمۡ لِفُرُوجِهِمۡ حَٰفِظُونَ۝٥ إِلَّا عَلَىٰٓ أَزۡوَٰجِهِمۡ أَوۡ مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَٰنُهُمۡ فَإِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُومِينَ۝٦ فَمَنِ ٱبۡتَغَىٰ وَرَآءَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡعَادُونَ۝٧﴾ [المؤمنون: ۵-۷]

«زکوۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک یمین میں ہوں کہ ان پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔ البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں»۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت نکاحِ متعہ کو حرام قرار دینے میں صریح ہے کیونکہ اللہ نے شرم گاہ کو حرام کر دیا سوائے نکاح کے ساتھ یا ملک یمین کے ساتھ ۔ جس عورت سے نکاحِ متعہ کیا جاتا ہے وہ نہ تو بیوی ہوتی ہے اور نہ ہی ملک یمین (باندی)، چنانچہ وہ حرام ہو گی۔ کیونکہ متعہ شادی کی طرح نہیں ۔ یہ تو طلاق کے بغیر ہی ختم ہو جاتا ہے، اس میں کوئی نفقہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی بنا پر توارث ہوتا ہے۔

آیت میں استمتاع سے مراد دائمی شادی ہے اس کی ایک واضح دلیل اسی آیت میں اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿مُّحۡصِنِينَ غَيۡرَ مُسَٰفِحِينَ﴾ [النساء: ۲۴]

«بشرطیکہ حصارِ نکاح میں اُن کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو»۔

آیت میں مذکور پاکدامنی متعہ میں نہیں ہو سکتی جس کو شیعہ لوگ عقدِ موقت (وقتی نکاح) سمجھتے ہیں اور بعض کے نزدیک تو اس کی مدت آدھے گھنٹے تک بھی ہو سکتی ہے۔ اگر یہ آیت متعہ کے بارے میں ہوتی تو اللہ تعالی یہ نہ فرماتے کہ: "محصنين " (بشرطیکہ حصارِ نکاح میں ان کو محفوظ کرو)۔ کیونکہ متعہ احصان کا سبب نہیں ہوتا حتیٰ کہ شیعہ کے نزدیک بھی متعہ کرنے والا محصن نہیں ہوتا اور اس بارے میں موسی الکاظم کی شہادت موجود ہے۔

اسحاق بن عمار بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ابو ابراہیم علیہ السلام (موسی الکاظم) سے پوچھا کہ اگر کسی آدمی نے زنا کیا ہو اور اس کے پاس ایک باندی ہو جس سے وہ جماع کرتا ہو تو کیا وہ باندی اسے محصن بنا دے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: ہاں۔میں نے دریافت کیا کہ: اگر اس کے پاس عقدِ متعہ کی وجہ سے کوئی عورت ہو تو کیا وہ اسے محصن کر دے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: نہیں۔ احصان تو اس شے کی بنا پر ہوتا ہے جو اس آدمی کے پاس دائمی طور پر ہو۔[1]

محصن عورتیں تو پاکدامن ہوا کرتی ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ [النساء: ٢٥]

«تاکہ وہ حصارِ نکاح میں محفوظ (محصنات) ہو کر رہیں، بنا مسافحات (آزاد شہوت رانی کرنے والیاں) بنے اوربغیر چوری چھپے آشنایاں کئے»۔

مسافحات وہ عورتیں ہوتی ہیں جو کھلم کھلا سفاح کرتی ہیں جو کہ زنا ہوتا ہے۔ ﴿مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ یعنی چوری چھپے کے آشنا جن کے ساتھ وہ بدکاری کرتی ہیں۔

پھر امام صادق جن کی طرف یہ لوگ متعہ کی حلت کا قول منسوب کرتے ہیں انہوں نے متعہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ نفس کو آلودہ کرنے کا نام ہے۔ عبد اللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارےمیں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:" نہیں، اس کے ذریعے تم اپنے آپ کو آلودہ ہی کرو گے"۔[2]

اور جو عورتیں متعہ کرتی ہیں ان کو انہوں نے فاجر عورتیں قرار دیا۔ ہشام بن حکم ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "ہمارے ہاں متعہ صرف فاجر عورتیں ہی کرتی ہیں"۔[3]

شیعہ کے ہاں جو متعہ کی صورت ہے وہ بڑی حد تک ان عورتوں کے (فعل سے) مشابہ ہے جو چوری چھپے آشنا بناتی ہیں۔ لبنانی مجلہ (الشراع)، شمارہ نمبر ۶۸۴ میں مذکور ہے کہ رفسنجانی نے اشارہ کیا کہ ایران میں نکاحِ متعہ کی وجہ سے ایک چوتھائی ملین لاوارث بچے ہیں۔ ایرانی شہر مشہد جہاں متعہ عام ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: "وہ شہر جس میں اخلاقی سطح پر سب شہروں سے زیادہ

1۔ وسائل الشیعۃ، ج: ۲۸، ص: ۶۸

2۔ البحار: ۳۱۸/۱۰۰

3۔ سابقہ مصدر: ۴۱۸/۱۰۰

بے راہ روی ہے"۔ بعض تحقیقات تصدیق کرتی ہیں کہ نکاحِ متعہ کی وجہ سے ایران اور عراق میں بہت زیادہ ایڈز پھیل رہا ہے"۔[1]

ان لوگوں نے وہ کچھ کر دیا جو یہود و نصاری کے بڑے بڑے بے راہ رو لوگوں نے نہیں کیا تھا۔

اللہ تعالی کے اس فرمان کے بعد کہ:

﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾، اس کا یہ فرمان آتا ہے کہ: ﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ [النساء: ۲۵]

«اور جو شخص تم میں سے اتنی مقدرت نہ رکھتا ہو کہ خاندانی مسلمان عورتوں (محصنات) سے نکاح کر سکے اسے چاہیے کہ تمہاری اُن لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلے جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور مومنہ ہوں»۔

دائمی نکاح میں بدکاری کا عنصر نہیں ہوتا جب کہ متعہ میں سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ مرد عورت اور اس کے رحم کی عزت اور اس کے حقوق کا کچھ خیال کئے بغیر بس اپنی شہوت کا پانی ٹپکا دے۔

وہ فقہی نقطہ نظر جس کے بقول متعہ کو خلیفہ عمر بن خطاب کے حکم سے منع کیا گیا اسے امام علی کا عمل غلط ٹھہراتا ہے جنہوں نے اپنی مدتِ خلافت میں تحریم کو باقی رکھا اور اس کے جائز ہونے کا حکم جاری نہیں کیا۔ شیعہ عرف اور شیعہ فقہاء کی رائے کے مطابق امام کا عمل حجت ہوتا ہے خاص طور پر جب وہ آزاد ہو، اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہو اور اللہ کے اوامر اور نواہی بیان کر سکتا ہو۔ چنانچہ امامِ علی کا تحریم باقی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ متعہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے ہی حرام کر دیا گیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو علی رضی اللہ عنہ اس کی مخالفت کرتے اور اس کے بارے میں اللہ کا حکم بیان کرتے۔ آپ لوگوں کے فقہاء نے امام علی کی رائے کو دیوار پر کیوں دے مارا؟

علمائے شیعہ میں سے ہمیں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جو متعہ کو حرام ٹھہراتا ہو اس لئے ہم ایسا شخص چاہتے ہیں جو ہمیں ان کے اپنے مصادر میں موجود اس کی تحریم کا جواب دے۔ طوسی نے اپنی دونوں کتابوں یعنی تہذیب الاحکام اور الاستبصار میں ذکر کیا ہے کہ: زید بن علی اپنے اجداد سے اور وہ علی علیہ السلام

1۔ مجلۃ الشراع: ۶۸۴

سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ؑ نے فرمایا: " رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت اور نکاحِ متعہ کو حرام قرار دیا"۔[1]

عجیب بات یہ کہ الحر العاملی نے اس روایت پر یہ کہتے ہوئے تنقید کی کہ: اس حدیث کو شیخ (ان کی مراد الطوسی ہیں) اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ یعنی روایت میں تقیہ ہے۔ کیونکہ متعہ کی اباحت مذہبِ امامیہ کی ضروریات میں سے ہے۔ اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ روایت بطور تقیہ آئی ہے کیونکہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم سے ایسی متعدد روایات موجود ہیں جو اسے حرام ٹھہراتی ہیں۔[2]

ان کے بعض علماء کے قول کی رو سے شیعہ ان اخبار میں فرق نہ کر سکے جو بطور تقیہ آئی ہیں اور جو یقینی طور پر ان سے صادر ہوئی ہیں۔اسی کے بارے میں یوسف البحرانی کہتے ہیں: بہت کم دینی احکام ہیں جو یقین کے ساتھ معلوم ہیں کیونکہ ان کی اخبار تقیہ والی اخبار کے ساتھ گھل مل گئی ہیں۔

باقی رہی کتبِ اہل سنت میں موجود وہ احادیث جن سے شیعہ علماء استدلال کرتے ہیں جیسے صحیح مسلم کی احادیث نمبر ۱۴۰۴ اور ۱۴۰۶اور صحیح ابن حبان کی حدیث نمبر ۴۱۴۶ تو یہ ایسی دیگر احادیث سے منسوخ ہیں جو متعہ کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور انہی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جن سے شیعہ متعہ کو حلال قرار دینے کے لئے استدلال کرتے ہیں۔

بخاری نے ایک باب قائم کیا ہے اور اس کا عنوان اتنا واضح رکھا ہے کہ متعہ کی تحریم ثابت کرتا ہے: "باب نهي رسول الله عن نكاح المتعة" (باب اس بات کے بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاحِ متعہ سے منع فرمایا)

امام بخاری نے کتاب المغازی میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ: مجھے یحی بن قزعہ نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک نے بتایا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عبد اللہ اور الحسن سے جو محمد بن علی کے بیٹے ہیں، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے علی بن ابی طالب سے روایت کیا کہ:

1۔ اسے طوسی نے اپنی دونوں کتابوں میں روایت کیا ہے۔ التہذیب: ۱۸۶/۲، الاستبصار: ۱۴۲/۳ اور الحر العاملی نے وسائل الشیعہ میں روایت کیا ہے: ۴۴۱/۱۴

2۔ الحدائق الناضرۃ: ۱/۵-۶

"رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا"۔

کتاب الذبائح میں ہے کہ ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مالک نے خبر دی، وہ ابن شہاب سے اور وہ عبد اللہ اور الحسن سے جو محمد بن علی کے بیٹے ہیں اور وہ اپنے والد سے اور وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "نبی ﷺ نے جنگِ خیبر کے سال متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا"۔

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں باب باندھا : "رخص رسول الله عام أوطاس في المتعة" (رسول اللہ ﷺ نے جنگ اوطاس کے سال متعہ کرنے کی رخصت دی)۔ یعنی متعہ کو بعض وقتی اور محدود حالات کے پیش نظر حلال کیا گیا۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امام مسلم نے متعدد اسانید کے ساتھ اپنی کتاب میں متعہ کی تحریم کا ذکر کیا ہے۔ وہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک پر یہ حدیث پڑھی، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عبد اللہ اور حسن سے جو محمد بن علی کے بیٹے ہیں، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے علی بن ابی طالب سے روایت کی کہ:" رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا"۔

اور ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں کے ساتھ متعہ کی اجازت دی تھی، (تاہم اب جان لو کہ) اللہ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے پاس(عقدِ متعہ والی) عورتوں میں سے کوئی عورت ہو تو وہ اس کا راستہ چھوڑ دے اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو"۔(1)

بعض غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی نظر میں بیویوں سے دور ہونے کی وجہ سے کسی مصلحت کے پیشِ نظر متعہ مباح تھا۔

شیعہ علماء اہلِ سنت کی کتابوں میں ثابت شدہ ان حقائق سے تجاہل کیوں برتتے ہیں؟۔ صرف ایک یہی بات ہی شیعہ عوام کے سامنے ان کے علماء کی کذب بیانی، دھوکہ دہی اور اس بات کو عیاں

1۔ صحیح مسلم: ۱۴۰۶

کر دیتی ہے کہ وہ ایسے علماء بننے کے اہل نہیں جو لوگوں کو حق کی تعلیم اور اس کی طرف راہنمائی دیں۔

اہلِ سنت کی کتابوں میں مذکور گزشتہ احادیث نبوی اس شخص کی تردید کرتی ہیں جو کہتا ہے کہ متعہ عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تو بس یہ فرمایا تھا کہ: "رسول اللہ ﷺ کے دور میں دو قسم کا متعہ ہوتا تھا، میں ان دونوں کو ممنوع کرتا ہوں اور ان کے کرنے پر سزا دوں گا۔"۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بات کی یاد دہانی تھی کہ متعہ نبی ﷺ کے دور میں کچھ وقت کے لئے ہوا تھا بعد ازاں وہ آپ ﷺ کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا۔

شیعہ مذہب نے متعہ کو صرف حلال کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ایسی روایات کی بنا پر متعہ کا دروازہ چوپٹ کھول دیا جن کا فطرتِ سلیمہ انکار کرتی ہے اور اس طرح انہوں نے اس شے کو حلال کر دیا جسے اللہ نے شدت سے حرام کیا تھا۔ پاک ہے اللہ کی ذات جس کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا فَعَلُواْ فَـٰحِشَةً قَالُواْ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَٱللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِٱلْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾﴾ [الأعراف: ۲۸]

«یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِن سے کہو: اللہ بےحیائی کا حکم کبھی نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے»۔

یہ لوگ بڑھتے ہی گئے اور ان کا حال یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے نکاحِ متعہ کے ذریعے دودھ پیتی بچی کے ساتھ (شرمگاہ میں) دخول کے بغیر اس کی رانوں میں جماع کو جائز قرار دے دیا۔ ستیاناس ہو خمینی کا جس کا کہنا ہے: "دیگر تمام قسم کی لطف اندوزیوں جیسے شہوت کے ساتھ چھونا، ساتھ چمٹانا اور رانوں میں مباشرت کرنے میں کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ دودھ پیتی بچی کے ساتھ بھی"۔[1]

شیطان بھی اس بات پر حیرت زدہ ہے۔

دیکھنے میں آتا ہے کہ جب شیعہ کے ساتھ متعہ کے بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں تمہارے ہاں جو شادی زواجِ مسیار کے نام سے جانی جاتی ہے اس میں تم بھی ہمارے ہی مشابہہ ہو

1۔ دیکھیں خمینی کی کتاب: تحریر الوسیلة: ۲.۲۴۱، مسئلہ نمبر: ۱۲

جاتے ہو۔ اس لئے توضیح کرنا ضروری ہے تاکہ شیعہ عوام کے سامنے صورتِ حال پوری طرح آ جائے اور وہ حق کو سمجھ سکیں۔

زواجِ مسیار یہ ہے کہ مرد کسی عورت سے شرعی عقد کے ذریعے شادی کرے جس میں تمام ارکانِ نکاح موجود ہوں۔ اس نے فقہاء کے بیان کردہ تمام متفق علیہ ارکان اور شرائط کو پورا کر لیا ہو جیسے مہر، ایجاب و قبول اور گواہان و ولی. تاہم عورت رہائش اور نان نفقہ سے دستبردار ہو جائے ۔ عام طور پر ان کے مابین اس کی شرط نہیں ہوتی۔ بسا اوقات اس عورت کا اس مرد سے بچہ ہو جاتا ہے اور یوں نفقہ اور رہائش کی ذمہ داری شوہر پر آ جاتی ہے۔

رہائش اور نفقہ کو چھوڑنے کے اسباب میں سے کچھ یہ ہیں: مہر بہت زیادہ ہونا، غیر شادی شدہ اور طلاق یافتہ عورتوں کی کثرت، پہلی عورت کی طرف سے اس کے شوہر کی دوسری شادی میں عدم دلچسپی اور ایسی بیوہ اور طلاق یافتہ عورتیں جن کی اپنے گزشتہ شوہروں سے اولاد ہوتی ہے اور ان کو کوئی قبول نہیں کرتا خاص طور پر جب کہ اولاد زیادہ ہو۔ چنانچہ (نکاحِ مسیار کر کے وہ) تمام ارکان نکاح کو پورا کرنے والے ایک شرعی شوہر کے ذریعے اپنے آپ کو پاک دامن رکھنے کا سامان کرتی ہیں۔

مرد کے لئے زواجِ مسیار کی اجازت چار شادیوں کی شرعی عدد تک محدود ہے اس لئے کہ یہ عورتیں زواجِ دائم اور اس کی بنا پر آنے والے حقوق جیسے وراثت وغیرہ کے حکم میں ہیں کیونکہ زواجِ مسیار میں زواجِ دائم ہی کی طرح گواہان ہوتے ہیں بخلاف شیعہ کے نکاحِ متعہ کے ۔ نکاحِ متعہ تو یہ ہے کہ ایک معین مدت کے لئے کچھ مال کے عوض جتنی بھی عورتوں کے ساتھ چاہے آدمی لطف اندوز ہو سکتا ہے اور عقد کے ختم ہو جانے پر نکاح بنا کسی طلاق کے ختم ہو جاتا ہے اور ان میں باہم کوئی توارث نہیں ہوتا، گویا کہ عورت کرایہ پر لیا گیا بس ایک سامان ہو۔

اسی طرح تمام اہلِ سنت کے فتاوی اور کتابوں میں زواجِ مسیار کے بارے میں ایسی خلافِ شریعت و فطرت، شرمناک اور رسوا کن باتیں موجود نہیں جس طرح کی رسوا کن اور متضاد باتیں شیعہ کے ہاں پائے جاتے ہیں۔

آخر میں میں انکار نہیں کرتا کہ ایسے بہت سے شیعہ عوام ہیں خاص طور پر عربی قبائل کے اشراف، غیرت مند اور عزت دار لوگ جن کی خواتین باپردہ رہتی ہیں ۔ کوئی بھی شخص ان کی

عورتوں میں سے کسی سے متعہ کرنے کے لئے ان کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتا۔ ہم نے پیچھے جو کچھ ذکر کیا وہ اس لئے کیا تا کہ میں شیعہ مذہب کی بنیادی کتابوں اور ان میں موجود ان روایات کی حقیقت واضح کر سکوں جن کو پڑھ کر سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور جو شاید بہت سے غیرت مند شیعہ عوام سے پوشیدہ ہی رہتی ہیں۔ تا کہ میں اس مذہب سے اسلام کی لاتعلقی ثابت کر سکوں جو دراصل فارسی و مجوسی دین ہے اور اسلام اور اس کے عظمت سے عدوات رکھتا ہے۔

شیعہ عقیدہ کے مطابق خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں

اللہ کی کتاب کے صریح خلاف شیعہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں اور یہ کہ وہ ذوالقرنین کے ساتھ تھے اور خضر علیہ السلام کا تمام انبیاء کے ساتھ کچھ نہ کچھ کردار رہا ہے جن میں واضح ترین موسی علیہ السلام کے ساتھ کردار تھا جس کے بارے میں قرآن نے گفتگو کی ہے۔ وہ یہ عقیدہ اس لئے رکھتے ہیں تاکہ امام مہدی کے غائب ہونے اور خضر علیہ السلام کی طرح ان کی لمبی عمر ہونے کے امکان پر اسے بطور دلیل پیش کر سکیں۔ [1]

ہم بیانِ حق کے لئے کہتے ہیں کہ: موسی علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات کا سبب ان کا وہ جواب تھا جو انہوں نے اس وقت دیا جب لوگوں میں سے کسی نے سوال کیا کہ ان سے زیادہ علم کون رکھتا ہے؟ موسی علیہ السلام کا جواب نفی میں تھا (کہ کوئی بھی شخص ان سے زیادہ علم نہیں رکھتا)۔ اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا کہ وہ دو دریاؤں کے سنگم پر جائیں، وہاں وہ شخص ہو گا جس کو وہ علم دیا گیا ہو گا جو موسی کو نہیں دیا گیا بلکہ وہ بطورِ خاص صرف خضر کو دیا گیا۔اس کا یہ معنی نہیں کہ خضر موسی علیہما السلام سے زیادہ علم رکھتے تھے۔

قرآن میں ایک واضح اور صریح آیت ہے جو اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں۔ وہ آیت اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ ٱلْخُلْدَ ۖ أَفَإِيْن مِّتَّ فَهُمُ ٱلْخَـٰلِدُونَ ﴿٣٤﴾﴾ [الأنبياء: ۳۴]

«(اور اے محمدؐ) ہیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی ہے، اگر تم مرگئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے»؟

اس آیت کے واضح معانی میں سے ایک یہ ہے کہ: اے محمد! اللہ نے کوئی ایسا بشر پیدا نہیں کیا (اور خضر بھی بشر ہیں)۔ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ (جس کو تم سے پہلے ہیشگی دی ہو) اور خضر محمد ﷺ سے

1۔ دیکھیں: الكافي، ج: ۳، ص ۲۲۲، اور البحار۱۳/۳۰۳، الطوسي في الغيبة، ص: ۱۰۹، المجلسي في مرآة العقول، ۲۰۶/۶، عيون أخبار الرضا عليه السلام محمد القمي، ج: ا، ص: ۱۲-۱۳، وسائل الشيعة، الحر العاملی، ج: ۱۲، ص: ۸۵

پہلے اس زمین پر تھے۔ اور آیت کے آخر میں اللہ تعالی نے فرمایا: أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (اگر تم مر گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟)۔ اس میں نبی ﷺ کی عزت افزائی اور اس بات کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے ہاں سب اہلِ ارض سے زیادہ معزز اور متقی ہیں۔ اس میں واضح اشارہ ہے اس بات کا کہ اے محمد! جب ہم نے آپ کے لئے موت لکھ دی حالانکہ آپ بنی آدم کے سردار اور زمین پر اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں تو پھر کیا اس کے بعد یہ درست ہو گا کہ ہم کسی ایسے شخص کو اس میں ہمیشہ کے لئے کر دیں جو مقام و منزلت اور قربت میں آپ سے کم تر ہو۔ اگر ہم اس زمین میں کسی کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھتے تو اے محمد! وہ آپ ہوتے۔

اسی طرح اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو وہ نبی ﷺ کے پاس بیعت کے لئے آتے کیونکہ یہ ان پر فرض ہوتی اور یہ بات ثابت ہوتی کہ انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کیا جیسا کہ اللہ نے جہاد ان کے علاوہ دیگر لوگوں پر بھی واجب کیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اگر موسی زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا"۔[1]

وہ باتیں جن کا شیعہ کتابیں دعوی کرتی ہیں کہ خضر علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اہلِ بیعت سے تعزیت کے لئے اور امیرالمومنین اور حسین کی وفات پر تعزیت کے لئے آئے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ﷺ کی وفات پر تو آئیں لیکن آپ ﷺ کی بیعت کے لئے حاضر نہ ہوں۔ کیا ہو گیا تمہیں؟ تم کس طرح فیصلہ کر رہے ہو!؟۔

1۔ ابن کثیر فی البدایة والنهایة: ۱۲۲/۲، اس حدیث کی سند صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔

شیعہ کے نبیﷺ پر بھیجے جانے والے درود کے الفاظ ناقص ہیں

شیعہ لوگوں کی طرف سے قرآنِ کریم کی صریح مخالفت میں سے ایک یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر شیعہ علماء اور عوام نبیﷺ پر ان الفاظ کے ساتھ درود بھیجتے ہیں: (صلی الله علیه و آله) اور ان الفاظ سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹتے۔ بلکہ وہ اہلِ سنت کی طرف سے نبیﷺ پر درود بھیجے جانے کے طریقے پر اعتراض کرتے ہیں جو زیادہ تر (صلی اللہ علیہ و سلم) کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ ادھورا درو د ہے۔ ہم ان کو اللہ تعالی کا یہ فرمان یاد کراتے ہیں کہ :

﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ صَلُّواْ عَلَيۡهِ وَسَلِّمُواْ تَسۡلِيمًا٥٦﴾ [الأحزاب: ٥٦]

«اللہ اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، اےلوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو»۔

اے شیعہ عوام! کیا اللہ اور اس کے فرشتوں کا درود ادھورا ہے؟ چنانچہ واضح ہوا کہ اہلِ سنت کے طرف سے نبیﷺ پر درود بھیجنے کا طریقہ آیت سے پورے طور پر موافقت رکھتا ہے۔

جب کہ شیعوں کا سلام کے بغیر نبیﷺ پر درود قرآن کریم کی خلاف ورزی ہے اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ انہوں نے نبیﷺ پر سلام کو ترک کر دیاہے جس کا اللہ نے پوری صراحت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ: وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

یہ بات معلوم ہے کہ اہلِ سنت اپنی ثابت شدہ فرض نمازوں میں نبیﷺ اور آپﷺ کی آل پر درود بھیجتے ہیں اور اسی طرح ان کے کلام میں جب آپﷺ کا ذکر آتا تو بھی وہ آپﷺ پر بہت زیادہ درود بھیجتے ہیں اور ان کی رائے میں جو شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الفاظ کے ساتھ آپﷺ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود ادھورا نہیں۔

میری پاس ایسی مثالیں ہیں جن کو بیان کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی جو پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کرتی ہیں کہ شیعہ کی کتابیں کس دیدہ دلیر ی سے اللہ تعالی کی کتاب کی مخالفت کرتی ہیں۔

انہوں نے اپنی جھوٹی اور خود ساختہ روایات کے ساتھ اللہ کی کتاب کو منسوخ ہی کر دیا۔ ہم نے صرف ان کے اہم بنیادی عقائد کو ذکر کیا ہے اور بہت سے فروعی عقائد کی طرف تو ہم نے توجہ ہی نہیں دی جن کا شمار بھی مشکل ہے۔ پاک ہے اللہ جو علام الغیوب ہے اوراس طرح کے کج رو لوگوں کے بارے میں جس کا فرمان ہے:

﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ مِنۡهُ ءَايَٰتٞ مُّحۡكَمَٰتٌ هُنَّ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ وَأُخَرُ مُتَشَٰبِهَٰتٞۖ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِمۡ زَيۡغٞ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنۡهُ ٱبۡتِغَآءَ ٱلۡفِتۡنَةِ وَٱبۡتِغَآءَ تَأۡوِيلِهِۦۖ وَمَا يَعۡلَمُ تَأۡوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلۡعِلۡمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلّٞ مِّنۡ عِندِ رَبِّنَاۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ ٧﴾ [آل عمران: ۷]

«وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے۔ اِس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات، جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اِس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: "ہمارا اُن پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں" اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانشمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں»۔

نبی ﷺ پر طعن زنی کرنے والی شیعہ روایات

قطعی دلائل جو ثابت کرتے ہیں کہ شیعہ روایات گھڑی ہوئی ہیں اور وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہیں ان میں سے ایک شیعہ رافضی کی نبی ﷺ کی بعض ازواجِ مطہرات پر طعن زنی میں شہرت اور ان کی طرف سے نبی ﷺ کے اکثر صحابہ کی تکفیر ہے۔ صرف یہی بات ہی نبی ﷺ کی ذات پر واضح طعن زنی ہے۔ اس کے بالمقابل وہ علی اور ان کی اولاد کو مقامِ نبوت سے بھی اعلی مقام دیتے ہیں جیسے علمِ غیب اور کائنات کے ہر ہر ذرے میں ان کی فرماں روائی۔ شیعہ کتب کی رو سے علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے زیادہ بہادر ہیں۔ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تین چیزیں عطا کی گئیں جن میں علی میرے شریک ہیں۔ جب کہ علی کو تین چیزیں عطا کی گئیں جن میں میں علی کا شریک نہیں ہوں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ ! وہ تین اشیاء کون سی ہیں جن میں علی آپ کے شریک ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حمد کا پرچم میرے لئے ہے اور علی اس کو اٹھانے والے ہیں، حوضِ کوثر میرے لئے ہے اور علی اس کے ساقی ہیں، جنت و دوزخ میری ہیں اور علی ان کے قسیم ہیں۔ وہ تین اشیاء جو علی کو دی گئیں اور میں ان میں علی کا شریک نہیں ہوں وہ یہ ہیں کہ علی کو شجاعت دی گئی اور اس طرح کی شجاعت مجھے نہیں دی گئی، ان کو فاطمہ زہراء کی طرح کی بیوی دی گئی اور مجھے اس طرح کی بیوی نہیں دی گئی، ان کو دو بیٹے حسن و حسین دیئے گئے اور مجھے ان کی طرح کے بیٹے نہیں دیئے گئے۔[1]

مجلسی نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے ان پر یہ بات بڑھا دی کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اور خدیجہ تمہاری ساس ہیں اور مجھے اس طرح کی ساس نہیں دی گئی۔ میری طرح کا تیرا سسر ہے اور تیرے سسر کی طرح کا میرا کوئی سسر نہیں۔ جعفر تیرا سگا بھائی ہے اور اس کی طرح کا میرا کوئی سگا بھائی نہیں ۔ فاطمہ ہاشمیہ تیری ماں ہیں اور ان کی طرح کی ماں میری کہاں!۔[2]

1۔ الأنوار النعمانية نعمة الله الجزائري، ج: ا، باب: ا، ص: ١٧۔ اور اسی طرح کی روایت کچھ اور الفاظ کے ساتھ الروضہ فی فضائل امیر المومنین، شاذان القمی، ص: ٥٦ میں بھی آئی ہے۔

2۔ بحار الانوار، مجلسی، ص: ٥١١

اسی طرح اس وقت نہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو صبر و ہمت میں نبی ﷺ سے زیادہ قوی بنا دیا جب نبی ﷺ علی رضی اللہ عنہ کی گود میں (سر رکھے) سو رہے تھے۔ رفاعہ بن موسی ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صحیفہ لکھوا رہے تھے ۔ جب آپ ﷺ اس کے نصف تک پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر علی رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ دیا۔ علی رضی اللہ عنہ لکھتے رہے یہاں تک کہ صحیفہ بھر گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے سر اٹھایا تو پوچھا: اے علی! تم کو کس نے لکھوایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ: یارسول اللہ! آپ نے لکھوایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تم کو جبرائیل نے لکھوایا۔[1]

خمینی نبی ﷺ پر اپنی دعوت میں ناکامی کاالزام لگا کر حقیقت کو کھلم کھلا بیان کرتا ہے۔اس نے لکھا ہے: انبیاء میں سے ہر نبی عدل قائم کرنے کے لئے آیا اور اس کا ہدف سارے جہان میں عدل و انصاف کا عملی نفاذ تھا۔تاہم وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔حتی کہ خاتم الانبیاء ﷺ جو انسانوں کی اصلاح، ان کی تہذیب اور عدل کے نفاذ کے لئے تشریف لائے تھے ان کو بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ پورے طور پر جو کامیاب ہوں گے اور دنیا کے تمام اطراف میں انصاف قائم کریں گے وہ مہدی منتظر ہیں۔[2]

شیعہ کے ہاں ایسی روایات ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے مقام کو بگاڑ کر پیش کرتی ہیں اور جن کو پڑھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ اس لئے میں ان کی اشاعت نہیں چاہتا اللہ تعالی کےاس فرمان کی اطاعت کرتے ہوئے کہ:

﴿وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَٰنَكَ هَٰذَا بُهْتَٰنٌ عَظِيمٌ﴿١٦﴾﴾ [النور: ۱۶]

«کیوں نہ اُسے سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ: "ہمیں ایسی بات زبان سے نکالنا زیب نہیں دیتا، سبحان اللہ، یہ تو ایک بہتان عظیم ہے»۔

شرعی ضوابط کی رو سے افواہیں پھیلانا ہمارے لئے حرام ہے۔ پھر وہ شخص کیسے ہے جو ایسی روایات نقل کرتا ہے جو نبی ﷺ کے مقام و اخلاق پر طعن زنی کرتی ہیں جیسے شیعہ کی اہم بنیادی کتابوں میں مندرج کچھ روایات ہیں۔

1۔ بحار الانوار: ۱۵۲/۳۹

2۔ مختارات من أحاديث و خطابت الإمام الخميني: ۴۲/۲

ان کی روایات باطل، بے سروپا، بدنما اور کمزور ہیں۔جو شخص بذات خود ان سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تاکہ ان کی تجاوزات کو جان سکے وہ علی بن ابراہیم القمی کی تفسیر میں اللہ تعالی کے اس فرمان کی تفسیر کی طرف رجوع کرے:

﴿وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَٱتَّقِ ٱللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا ٱللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ [الأحزاب: ۳۷]

«اے نبی! یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ" "اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر "، اُس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا»۔

اور اللہ تعالی کے سورہ احزاب میں اس فرمان کی تفسیر میں تفسیر العیاشی ملاحظہ کریں:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا﴾ [الأحزاب: ۳۷]

«جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (خاتون) کا تم سے نکاح کردیا»۔

اور کتاب عیون أخبار الرضا، ج: ۲، ص: ۱۸۱، پر اس جگہ کے آغاز سے دیکھیں: (رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی کام کے لے زید بن حارثہ کے گھر کا رخ کیا)۔ اور اسی طرح البرھان فی تفسیر القرآن، ۲۲۵/۴ میں اس جگہ کے آغاز سے دیکھیں: (امیر المومنین سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے پاس ابو بکر اور عمر تھے)۔ اور سلیم بن قیس کی کتاب، ص: ۱۷۹ اور بحار الانور ۲/۴۰ میں اس مقام کے آغاز سے ملاحظہ کریں: (کہ علی رسول اللہ کے پہلو میں سو رہے تھے)۔ اسی طرح کتاب الاحتجاج، ص: ۲۳۳ میں اس مقام کےآغاز سے دیکھیں : (علی بن ابی طالب بیان کرتے ہیں کہ: میں رسول اللہ ﷺ کےساتھ سفر پر گیا اور آپ ﷺ کےساتھ میرےعلاوہ کوئی خدمت گزار نہیں تھا) اور دیکھیں: بحار الانوار،ج: ۱۸، ص: ۶۰ پر اس جگہ کے آغاز سے کہ: (حذیفہ روایت کرتے ہوئے بیان کرتےہیں کہ: نبی ﷺ --) اور کتاب مشارق انوار الیقین، ص: ۸۶ پر وہ بات بھی دیکھیں جو زندیق ابن رجب البرسی نے لکھی ہے۔

اور قمی نے اپنے تفسیر میں سورہ تحریم کی آیت نمبر ۱۰ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ بھی ملاحظہ کریں۔ شیعہ جب عائشہ کی جگہ "فلاں عورت" لکھتے ہیں یا پھر خالی بریکٹ یا نقطے لگا دیتے ہیں تو یہ سب ان کی طرف سے تقیہ ہوتا ہے۔

وہ باتیں جن سے تصدیق ہوتی ہے کہ فلاں عورت کہنے سے مقصود عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ان میں سے کچھ شیعہ کی روایت کردہ جھوٹی روایات ہیں جن میں آیا ہے کہ: جب اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا کہ:

﴿ٱلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِٱلْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَٰجُهُۥٓ أُمَّهَٰتُهُمْ﴾ [الأحزاب: ٦]

«بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں»۔

اور اللہ نے نبی ﷺ کی بیویوں کو مسلمانوں کے لئے حرام قرار دے دیا تو اس پر طلحہ غصے میں آ گئے اور کہنے لگے: "محمد ہمارے اوپر تو اپنی بیویاں حرام کرتے ہیں اور ہماری بیویوں سے شادی کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے محمد کو موت دی تو ہم ان کی عورتوں کے پازیبوں کے مابین اسی طرح ایڑ لگائیں گے جس طرح انہوں نے ہماری عورتوں کے پازیبوں کے مابین ایڑ لگائی"۔[1]

یہ کچھ تھوڑی سی اشیاء ہیں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہ شیعہ کی اہم اور مشہور کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن اشیاء کو ہم نے چھوڑ دیا ہے وہ ان سے زیادہ ہیں۔ شیعہ میں سے جو کوئی نبی ﷺ اور اہلِ بیت المطہرین کے مقام کے بارے میں اس طرح کی خرافات مانتا ہے وہ بلا شک ہلاک ہونےوالوں کے ساتھ ہلاکت پائے گا۔

پاک ہے اللہ کی ذات ان باتوں سے جو وہ اس کے بارےمیں بیان کرتے ہیں، جو اپنے خلیل اور اپنی برگزیدہ ہستی کو استہزاء کرنےوالو ں کے شر سےبچانے کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ کے سوا اور کون ہے جس نے نبی ﷺ کے ذریعے امتِ اسلامیہ کو اپنی بیویوں کے معاملے میں صحیح غیرت سکھائی اور ان کے دلوں میں اسے راسخ کردیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حجاب کو فرض کر کےاور مردوں کو عورتوں کا ذمہ دار اور نگران بنا کر ہماری خواتین کی حفاظت فرمائی، ہمیں عورتوں کےساتھ تنہائی میں جانے اور ان کے پاس آنےسے منع فرمایا اور اور اس بات کی طرف ہماری راہنمائی کی کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔

اہلِ سنت کی طرف سے مغیرہ رضی اللہ عنہ سےمروی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ سعد بن عبادہ نے کہا: اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں اس کو تلوار سے ایسی ضرب لگاؤں گا جو خطا

1۔ان روایات کو بحرانی نےاپنی تفسیر البرھان میں ذکر کیا ہے: ج: ۳،ص: ۳۳۳-۳۳۴

نہ ہو گی۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سعد کی غیرت پر متعجب ہو؟ اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں، یہ اللہ کی غیرت ہی تھی جس کی بنا پر اس نے ظاہری اور باطنی فواحش کو منع کیا۔

آپ ﷺ بلند ترین رتبوں پر فائز تھے اور آپ ﷺ کو رفیع درجات و منازل حاصل تھیں یعنی خلت، رسالت، نبوت، وسیلہ اور فضیلت، مقامِ محمود اور اسراء و معراج ۔ اور اسی طرح اللہ نے آپ ﷺ پر سب سے بہترین امت کے لئے افضل ترین کتاب نازل فرمائی جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے۔ یہ سب باتیں اللہ کی کتاب میں موجود ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔

اللہ تعالی نے آپ ﷺ پر درودِ رحمت بھیجا اور پھر ملائکہ کا درود ذکر کیا اور پھر ہمیں اپنے اس فرمان کے ذریعے حکم دیا کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجیں:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ صَلُّواْ عَلَيۡهِ وَسَلِّمُواْ تَسۡلِيمًا﴿٥٦﴾﴾ [الأحزاب: ٥٦]

«اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو»۔

کیا اس سے زیادہ فخر کی کوئی بات ہے کہ جب بھی اللہ کا نام لینے کے لئے ہونٹ ہلتے ہیں ہمارے نبی محمد ﷺ کا نام اللہ کے نام کے ساتھ ہوتا ہے: (لا إله إلا الله محمد رسول الله)۔ یہ وہ مقام ہے جس میں آپ ﷺ تمام جہانوں میں منفرد ہیں۔

شیعہ کی کتابیں نفرت انگیز روایات سے بھری ہوئی ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ وہ گھڑی ہوئی ہیں

شیعہ کتابوں میں ایسی روایات مسطور ہیں جن کو وہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان سے تصدیق ہوتی ہے کہ وہ سب موضوع ہیں کیونکہ عظیم الشان دینِ اسلام کی وہ تصویر ہو ہی نہیں سکتی جس کو شیعہ کی بنیادی کتابیں پیش کرتی ہیں۔ جیسا کہ عمر کے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گھس جانے والی مشہور روایت جس کو بہت زیادہ شیعہ مصادر نے نقل کیا ہے۔(1)

جو شخص یہ روایت پڑھتا ہے اسے یوں لگتا ہے کہ راوی یا تو فوٹو گرافر تھا یا فلم ڈائریکٹر جو اس روایت میں ذکر ہونے والے واقعات کو کیمرے کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ حدیث کی تدوین میں راویوں کا یہ حال نہیں ہوا کرتا۔

بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گھس جانے اور اسے آگ لگا دینے کی روایات دیگر روایات سے اس حد تک ٹکراتی ہیں کہ وہ ان کی حیثیت ہی ختم کر دیتی ہیں اور ان میں علی رضی اللہ عنہ کے مقام کی تنقیص اور ان کی شجاعت و غیرت پر طعن زنی ہے اس سے پہلے کہ ان میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر طعن زنی ہو۔

ان کی روایات جن کا نفرت بھرا متن دلالت کرتا ہے کہ وہ جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں اور نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کو وضع کرنےوالے کی کوشش امت میں تفریق پیدا کرنا تھا، ان میں سے ایک وہ ہے جسے انہوں نے داؤد الرقی سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کہا: مجھے امیر المومنین اور اہلِ بیتِ نبوت کے دشمنوں کے بارے میں بتائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: بتا دینا تمہیں زیادہ پسند ہے یا پھر دیکھ لینا؟ میں نے کہا: دیکھ لینا۔ اس پر آپ علیہ السلام نے ابو ابراہیم موسی علیہ السلام سے فرمایا: میرے پاس چھڑی لے کر آؤ، وہ گئے اور چھڑی لے آئے۔ آپ نے

1۔ کتاب سلیم بن قیس، ج: ۲، ص: ۸۷۱-۸۷۳، البحار، ج: ۲۸، ص: ۳۰۶، اور دیکھیں: الاحتجاج، ص: ۲۱۰-۲۱۶

ان سے فرمایا: اے موسیٰ! اسے زمین پر مارو اور ان کو امیر المومنین علیہ السلام اور ہمارے دشمن دکھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے چھڑی کو زمین پر ایک دفعہ مارا تو زمین پھٹ گئی اور ایک سیاہ سمندر ظاہر ہو گیا۔ پھر انہوں نے چھڑی سمندر پر ماری تو وہ پھٹ گیا اور اس میں سے ایک سیاہ چٹان نکل آئی۔ پھر انہوں نے چٹان کو مارا تو اس سے ایک دروازہ کھل گیا اور اچانک سامنے وہ سب لوگ آ گئے جن کی کثرت کی بنا پر ان کا شمار کرنا ممکن نہیں تھا، ان کے چہرے سیاہ تھے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ ان میں سے ہر کوئی بیڑیوں میں جکڑا ہو ا چٹان کے ایک طرف بندھا ہوا تھا اور وہ پکار رہے تھے: یا محمد!۔ جہنم کے داروغے ان کو چہروں پر مار رہے تھے اور ان کو کہہ رہے تھے: تم نے جھوٹ کہا، نہ تم محمد کے ہو اور نہ محمد تمہارے ہیں۔

میں نے ان سے پوچھا: میں آپ پر قربان جاؤں! یہ لوگ کون ہیں؟فرمایا: یہ جِبت (معبودان باطل)، طاغوت، ناپاک اور لعین ابن لعین ہیں۔ وہ ان کو شروع سے آخر تک گنواتے رہے یہاں تک کہ اصحابِ سقیفہ، اصحابِ فتنہ، بنی الازرق، بنی الاوزاع اور بنی امیہ تک آ گئے۔ اللہ ان پر صبح و شام نیا عذاب مسلط کر دیتے تھے۔ پھر آپ نے چٹان سے کہا کہ وقتِ معین تک کے لئے ان پر منطبق ہو جاؤ۔[1]

ان کی نفرت بھری روایات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ ائمہ جب حج میں کنکریاں مارتے ہیں تو وہ ابو بکر اور عمر کو کنکریاں مار رہے ہوتے ہیں اور ابو بکر اور عمر ان کے نزدیک جہنم کے کتے، خنزیر اور زنا کی اولاد ہیں۔[2]

وہ کہتے ہیں: اول اور ثانی –یعنی ابو بکر و عمر- ان پر اللہ کی سب لعنتیں ہوں۔ اللہ کی قسم وہ دونوں کافر اور اللہ عظیم کے ساتھ شرک کرنے والے تھے!۔

کلینی نے کتاب الکافی میں محمد بن جعفر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "روزِ قیامت اللہ تین افراد سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا: جس نے امامت کا دعوی کیا حالانکہ وہ اس کے لئے نہیں تھی، جس نے اللہ کے کسی امام کا انکار کیا اور جس نے عقیدہ رکھا کہ اللہ کے ہاں ان دونوں کا کوئی حصہ ہے یعنی ابو بکر اور عمر کا "۔

1۔ بحار الانوار: ۸۴/۴۸

2۔ کتاب بصائر الدرجات: ۲۷۴

شیعہ کی کتابیں تینوں خلفاء کے بارے میں شدید بغض والے الفاظ سے بھری ہوئی ہیں۔ وہ ان کو گالیاں دیتے ہیں، ان کا فاسق و کافر قرار دیتے ہیں اور کوئی بھی ایسی گالی نہیں جو وہ ان برگزیدہ اور صالح لوگوں کو نہ دیتے ہوں۔

وہ لوگ جو سب سے زیادہ پاک ہستی کے بارےمیں طعن زنی سے نہ چوکتے ہوں کیا وہ آپ کے صحابہ پر طعن زنی کرنے سے باز آئیں گے!؟۔

پاکدامن و پاکباز ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارےمیں دیکھیں کہ زندیق رافضی ابن رجب البرسی نے کیا کہا کہ: اور عائشہ کے لئے دوزخ کےدروازوں میں سے ایک دوروازہ ہے جس میں سے وہ دوزخ میں داخل ہو گی۔[1]

اس طرح بغض و نفرت سے بھرپور شیعہ رافضی مذہب سب اہلِ سنت پر الزامات دھرنے، ان کی تکفیر کرنے اور ان کے خون و اموال کو حلال کرنے میں بڑھتا ہی گیا۔

کلینی کی روایت ہے کہ: " تمام انسان زنا کی اولاد ہیں یا اس نے کہا کہ: زناکار ہیں ماسوا ہمارے شیعہ کے"۔[2]

داؤد بن فرقد روایت کرتےہوئے بیان کرتا ہے کہ: میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا: ناصبی کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:" اس کا خون کرنا حلال ہے۔ تاہم مجھے تمہارا ڈر ہے۔ اگرتمہاری قدرت میں ہو کہ تم اس پر کوئی دیوار الٹ دو یا اس کو پانی میں ڈبو دو تا کہ کوئی شخص تمہارے خلاف گواہی نہ دے سکے تو ایسا کر گزرو"۔ ان کے امام خمینی اس پر یہ کہہ کر تبصرہ کرتےہیں کہ: " اگر تم اس کا مال لے سکو تو لے لینا اور اس کا خُمس ہماری طرف بھیج دینا"۔[3]

عبد اللہ بن ابی یعفور سے روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: " حمام کی دھوون سے مت نہاؤ۔ اس میں یہودی، نصرانی، مجوسی اور ہم اہلِ بیت کے ناصبی کی دھوون ہوتی ہے جو ان سب سے

1۔ مشارف انوار الیقین: ۸۶

2۔ کتاب بصائر الدرجات: ۲۷۴

3۔ وسائل الشیعۃ: ۴۶۳/۱۸، بحار الانوار: ۲۳۱/۲۷

بد تر ہے۔اللہ تبارک و تعالی نے کتے سے زیادہ نجس کوئی مخلوق نہیں بنائی۔ ہم اہلِ بیت کا ناصبی کتے سے بھی زیادہ نجس ہوتا ہے"۔[1]

قلانسی کی روایت میں ہے کہ میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے دریافت کیا: میں ذمی سے ملتا ہوں اور وہ مجھ سے مصافحہ کر لیتا ہے(اس پر میں کیا کروں؟)۔ آپ نے جواب دیا: اسے مٹی اور دیوار سے پونچھ لو۔ میں نے پوچھا: ناصبی (اگر مصافحہ کر لے تو)؟۔ آپ نے جواب دیا کہ: ہاتھ کو دھوؤو۔[2]

گزشتہ روایات جو شیعہ کی ان بہت سی موضوع روایات کا ایک جزء ہیں جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے، ان سے یہ واضح ہو جاتاہے کہ یہ سب بغض و تسکین کی خاطر وضع کی گئی ہیں نہ کہ بطورِ دین اور راہِ راست کے۔

1۔ علل الشرائع، ج: ۱، ص: ۲۷۶، بحار الانوار، ج: ۷۳، ص: ۷۲

2۔ الکافی، ج: ۲، ص: ۶۵۰، الوسائل: ۴۲۰/۳

شیعہ کی روایات کا مفہوم اچھا نہیں ہوتا اور ایسے فحش امور کی دعوت دیتی ہیں جو اسلام کے شایانِ شان نہیں

شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جو فحاشی و برائی کی دعوت دیتی ہیں اور اہلِ بیت مطہرین کے آداب و اخلاق کی صورت مسخ کرتی ہیں۔ ہم ان کی اہم ترین کتاب فروع الکافی کی روایات میں سے کچھ سادہ سی جزوی روایات ذکر کریں گے تا کہ شیعہ عوام اپنے مصادر کی طرف رجوع کر کے ان باتوں کی تصدیق کر سکیں جو ہم ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور ان پر واضح ہو کہ ان روایات کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

جیسا کہ وہ روایت جس کے شروع میں ہے کہ :"نبی ﷺ جب کسی عورت سے شادی کرنا چاہتے تو اسے دیکھنے کے لئے کسی شخص کو اس کی طرف بھیجتے۔ -- یہ حیاء باختہ روایت آخر تک (پڑھ لیں)"۔[1] میں اللہ کے خلیل اور اور مخلوق میں اس کے برگزیدہ نبی ﷺ کے عزت و احترام کی بنا پر ان کا ذکر نہیں کر سکتا کیونکہ یہ روایات نبیِ امت ﷺ کے ادب سے خالی ہیں۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے جس کے شروع میں ہے کہ۔۔۔ابو عبد اللہ علیہ السلام نے بیان کیا: نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں وہ سب سے بڑی شے اٹھائے ہوئے ہوں جو مردوں نے اٹھا رکھی ہوتی ہے-اس کی مراد اپنا آلہ تناسل تھا- یہ روایت آخر تک (ملاحظہ کریں)۔[2]

بہت سی ایسی رویات ہیں جو ان کی طرف سے اسلام اور اس کے عظیم شعائر کی ہتک و توہین کرتی ہیں۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا بس اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

باقی ان کی طرف سے علماء کا استہزاء تو اس کے بارے میں جو کچھ کہنا چاہیں کہہ سکتے ہیں۔وہ ائمہ صالحین کی طرف ایسا کلام منسوب کرتے ہیں جسے صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے شراب نوشی نے نڈھال و بے دم کر رکھا ہو۔اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں۔

1۔ الفروع من الکافی: ۳۵/۵

2۔ سابقہ مصدر: ۳۳۶/۵

عبد اللہ المرافقی بیان کرتے ہیں: میں مدینہ میں ایک حمام میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص حمام کا نگران ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: باباجی! یہ حمام کس کا ہے؟۔ اس نے جواب دیا: ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام کا۔ میں نے دریافت کیا: کیا وہ بھی اس میں آیا کرتے تھے؟۔ اس نے جواب دیا: ہاں۔ میں نے پوچھا: وہ کیا کیا کرتے تھے؟۔ اس نے بتایا: وہ آکر اپنی زیر ناف اور اس کے گردو نواح پر مالش کرتے۔ پھر اپنی ازار کو اپنے آلہ تناسل کے اطراف پر لپیٹ دیتے۔ پھر مجھے بلاتے اور میں ان کےبقیہ جسم پر مالش کرتا۔ میں نے ایک دن ان سے کہا: آپ جس شے کے بارے میں ناپسند کرتے ہیں کہ میں اس کو دیکھوں اسے میں نے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے کہا: ہر گز نہیں، چونے نے اسے چھپا رکھا ہے۔[1]

ابو جعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے: جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں تہبند کے بغیر داخل نہ ہو۔

اس کا بیان ہے: ایک دن وہ حمام میں داخل ہوئے اور (اپنے جسم پر) چونا ملا اور جب چونے نے ان کے جسم کو ڈھانپ لیا تو انہوں نے تہبند اتار دی ۔ ان کے غلام نے ان سے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، آپ ہمیں تو تہبند پہنے رکھنے کی نصیحت کرتے تھے جب کہ آپ نے اپنی تہبند اتار دی ہے؟۔ آپ نے جواب دیا: کیا تم معلوم نہیں کہ چونے نے شرمگاہ کو ڈھانپ رکھا ہے۔[2]

جب کہ درج ذیل روایات میں وہ امام کے نام پر ننگے ہونے کی دعوت دے رہے ہیں!!:

ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: شرم گاہیں دو ہیں: اگلی شرمگاہ اور پچھلی شرمگاہ۔ پچھلی شرمگاہ تو چوتڑوں کے ساتھ مستور ہوتی ہے، جب آپ آلہ تناسل اور خصیے چھپا لیتے ہیں تو آپ شرمگاہ چھپا لیتےہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ: پچھلی شرمگاہ کو تو چوتڑوں نے چھپا رکھا ہے، باقی رہی اگلی شرمگاہ تو اسے اپنے ہاتھ کے ساتھ چھپا لو۔[3]

اب یہاں یہ لوگ پاکدامن ابو عبد اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے کافر عورتوں کی شرمگاہ دیکھنے کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: کسی ایسے

1۔ سابقہ مصدر، ج:٦، ص: ٤٩٧، باب الحمام۔

2۔ الفروع من الکافی، باب الحمام: ٣٠٥/٦

3۔ سابقہ مصدر: ٥٠١/٦

شخص کی شرمگاہ کو دیکھنا جو مسلمان نہ ہو ایسے ہی ہے جیسے گدھے کی شرمگاہ دیکھنا۔[1] اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفار کی بنائی ہوئی فحش فلمیں دیکھنا جائز ہے۔

"محاش النساء" کے عنوان سے قائم باب میں صفوان بن یحی سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم نے رضا علیہ السلام سے عرض کی: آپ کے موالی میں سے ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھوں جس کو آپ سے پوچھنے میں وہ حیاء محسوس کر رہا تھا؟

انہوں نے پوچھا: وہ کیا مسئلہ ہے؟

میں نے کہا: آدمی اپنی بیوی کی پچھلی شرمگاہ سے جماع کرتا ہے (کیا یہ جائز ہے)؟۔

آپ نے جواب دیا: یہ اس کے لئے جائز ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایسا نہیں کرتے۔[2]

مرد کے اپنی دو بیویوں کے مابین سونے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی دو باندیوں یا دو آزاد عورتوں کے درمیان سوئے۔ تمہاری عورتیں تو ایک طرح کا کھیل ہیں"۔[3]

وہ رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اپنی حاملہ عورتوں کو نر لوبان کھلاؤ۔ اگر ان کے پیٹ میں لڑکا ہو گا تو وہ ذہین، باعلم اور بہادر پیدا ہو گا اور اگر لڑکی ہو گی تو وہ خوبصورت ہو گی، اس کی سرین بڑی ہو گی اور اس کے شوہر کے ہاں اس کی بہت قدر ہو گی۔[4]

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ایک نبی نے اللہ کے حضور کمزوری اور قلتِ جماع کی شکایت کی تو اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ہریسہ[5] کھائیں"۔

1۔ سابقہ مصدر: ۵۰۱/۶

2۔ سابقہ مصدر، باب محاش النساء: ۵۴۰/۵

3۔ سابقہ مصدر: ۵۶۰/۵

4۔ الفروع من الکافی: ۱۰۵۲/۷

5۔ دلیہ نما ایک عرب کھانا جو گوشت اور کوٹی ہوئی گندم کو پکا کر تیار کیا جاتا ہے۔ مترجم

شیعہ کی کتابوں میں ایک ایسی روایت ہے جس میں مر د کی مرد کے ساتھ بدکاری کا ذکر مذاق بھرے انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ روایت امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہے۔ اللہ ان کو ان باتوں سے بالا تر رکھے جو وہ جھوٹ ان کی طرف منسوب کر تے ہیں، ان سے کہا گیا کہ: کیا مومن (اس بدکاری میں) مبتلا ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں لیکن وہ اوپر رہے گا، نیچے نہیں۔[1]

وہ روایات جو وہ ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور جو غیبت و طعن زنی سے متعلق گفتگو کر تی ہیں یہاں تک کہ خود اپنے آپ کی غیبت اور طعن زنی، ان میں سے ہم کچھ ذکر کرتے ہیں:

وہ روایت کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت پر حدِ زنا قائم کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا اور پھر فرمایا: وہ شخص حد قائم نہیں کرے گا جس پر اللہ کی طرف سے حد آتی ہو۔یعنی اس عورت پر صرف پاکباز لوگ ہی حد نافذ کریں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ: اس دن سب لوگ واپس چلے گئے سوائے امیر المومنین اور حسن و حسین کے۔ اور جو لوگ واپس چلے گئے تھے ان میں محمد بن امیر المومنین بھی تھے۔[2]

وہ ابو عبد اللہ جعفر الصادق کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل کے بارے میں فرمایا: "وہ گناہ گار ہے، وہ نہ مجھ سے مشابہہ ہے اور نہ میرے آباء میں سے کسی سے مشابہہ ہے"۔[3]

اسماعیل بن جعفر صادق جن کی طرف اسماعیلی فرقہ منسوب ہے اور جو موسی الکاظم کے بھائی ہیں، ان کے والد جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ان سے کہا: اے فاسق! کیا تم نے اس کا ارتکاب کر لیا؟ جہنم کی خوشخبری پا لو۔[4]

جب کہ موسی بن علی بن موسی جو محمد بن علی (الجواد) کے بھائی ہیں ۔۔ ان کے بارے میں شیعہ یعقوب بن المثنی سے جھوٹ روایت کرتے ہیں کہ متوکل کہا کرتا تھا: مجھے ابن الرضا (یعنی محمد بن علی الجواد) کے معاملے نے تھکا کر رکھ دیا ہے۔ اس نے میرے ساتھ مے نوشی سے انکار کر دیا ہے۔اس

1۔ بحار الانوار: ۷۶/۱۸۷

2۔ الکافی: ۷/۱۸۷

3۔ بحار الانوار: ۴۷/۲۴۷

4۔ الکشی: ۲۱۱

پر لوگوں نے اس سے کہا کہ: ان سے تم اپنی مراد نہیں پاسکتے۔ یہ ان کا بھائی موسی ہے جو خوب موج مستی والا اور گانے بجانے والا ہے، یہ کھاتا پیتا ہے اور عشق لڑاتا ہے۔(1)

جعفر بن علی بن محمد جو حسن عسکری کے بھائی اور مہدی منتظر کے چچا ہیں ان کے بارے میں احمد بن عبید اللہ بن خاقان سے روایت ہے کہ انہوں نے ان کے والد سے حسن عسکری کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ان کی خوب تعریف کی اور ان کو اعلی مقام دیا۔ پھر انہوں نے ان سے حسن عسکری کے بھائی جعفر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: جعفر کون ہوتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟ کیا حسن کے ساتھ جعفر کو ملایا جا سکتا ہے؟ وہ تو کھلا فاسق و فاجر، رنگین مزاج اور شراب خوری کا عادی تھا، جن مردوں کو تم دیکھتے ہو ان میں وہ سب سے کم تر، خود اپنے آپ کو بدنام کرنے والا، بے وقوف اور اپنی ذات میں چھوٹا تھا۔(2)

علی بن حسین کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اللہ عز و جل کا یہ فرمان پڑھا:

﴿وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِۦٓ أَعۡمَىٰ فَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ أَعۡمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلٗا﴾ [الإسراء: ۷۲]

«اور جو اِس دنیا میں اندھا بن کر رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا بلکہ راستہ پانے میں اندھے سے بھی زیادہ ناکام»۔

اور اللہ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿وَلَا يَنفَعُكُمۡ نُصۡحِيٓ إِنۡ أَرَدتُّ أَنۡ أَنصَحَ لَكُمۡ﴾ [هود: ۳۴]

«اب اگر میں تمہاری کچھ خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی»۔

(انہوں نے کہا کہ) یہ دونوں آیات ان کے بارے میں نازل ہوئیں۔

ہم ان کی ذکر کردہ باتوں پر اللہ سے مغفرت کے طلب گار ہیں۔

1۔ الکافی: ۵۰۲/۱

2۔ سابقہ مصدر: ۵۰۲/۱

شیعہ کی بہت سی روایات ایک دوسرے سے متناقض ہیں

اس بات کے واضح دلائل کہ شیعہ کتابیں انسانی ساختہ ہیں کیونکہ یہ ایسی سینکڑوں روایات پر مشتمل ہیں جو ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ ہم اس بارے میں خود ان کا اپنا اعتراف ذکر کریں گے۔ اس میں اس بات پر قطعی دلالت ہے کہ ان کا دین اللہ کی طرف سے آیا ہوا نہیں ہے کیونکہ اللہ کا دین تو باہم مربوط ہے:

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ﴾ [آل عمران: ١٩]

«اللہ کے ہاں دین صرف اور صرف اسلام ہے»۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخۡتِلَٰفٗا كَثِيرٗا﴾ [النساء: ٨٢]

«اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے»۔

بلکہ اللہ تعالی نے دشمنانِ اسلام کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ٱلۡيَوۡمَ يَئِسَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِن دِينِكُمۡ﴾ [المائدۃ: ٣]

«آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے»۔

جعفر نجفی جو ١٢٢٧ ہجری میں فوت ہوئے اور جو امامیہ شیعہ کے بزرگ اوراپنے زمانے میں رئیس المذہب تھے، وہ شیعہ کی کتبِ اربعہ کے مولفین کے بارے میں کہتے ہیں: "کتبِ اربعہ کی روایات باہم دگر متناقض ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں اور ان میں کفریہ اور جھوٹی روایات ہیں"۔ وہ مزید کہتے ہیں: "تحصیل علم میں تینوں محمد پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے جب کہ ان میں سے ایک کی روایات دوسرے کی روایات کی تکذیب کرتی ہیں اور ان کی روایات باہم دگر تضاد رکھتی ہیں۔ مزید برآں ان کی کتابوں میں ایسی روایات ہیں جن کے بارے میں قطعی طو رپر کہا جا سکتا ہے کہ وہ جھوٹی ہیں جیسا کہ تجسیم و تشبیہ، قدمِ عالم اور مکان و زمان کے ثبوت سے متعلق روایات"۔[1]

1۔ کشف الغطاء عن مبہمات الشریعۃ الغراء، جعفر کاشف الغطاء، ج: ١، ص: ٢٢٠۔

دلدار علی جو ہندوستان میں شیعہ کے بڑے علماء میں سے ہیں کہتے ہیں: "ائمہ سے ماثور احادیث میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی ایسی حدیث مشکل ہی سے ملتی ہے جس کے مقابلے میں اس کی نفی کرنے والی کوئی اور حدیث نہ ہو، اور اتفاق سے بھی کوئی ایسی خبر نہیں ملتی جس کی متضاد خبر نہ پائی جاتی ہو، یہاں تک کہ یہ بات بعض ناقص الایمان لوگوں کے (دینِ شیعہ سے) رجوع کا سبب بن گئی"۔[1]

شیخ الطائفہ الطوسی اپنی کتاب تہذیب الاحکام میں لکھتے ہیں: "ہمارے اصحاب کی روایت کردہ احادیث میں اتنا اختلاف و تباین اور منافات و تضاد پایا جاتا ہے کہ کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس کے مقابلے میں اس کے متضاد حدیث نہ ہو، ہر حدیث کے مقابلے میں کوئی نہ کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو اس کی نفی کر رہی ہوتی ہے یہاں تک کہ ہمارے مخالفین نے اسے ہمارے مذہب پر طعن زنی کا سب سے بڑا ہتھیار بنا لیا اور اس کے ذریعے وہ ہمارے عقیدے کے ابطال کے درپے ہو گئے"۔ یہاں تک کہ شیخ الطائفہ کہتے ہیں: "اس کی وجہ سے ایک گروہ اعتقادِ حق سے برگشتہ ہو گیا جن میں سے ابو الحسن الہارونی العلوی بھی ہے۔ وہ حق کا معتقد تھا اور امامت پر ایمان رکھتا تھا، بعدازاں جب اس پر اختلافِ حدیث کا معاملہ ملتبس ہو گیا تو اس نے مذہب چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کر لیا کیونکہ اس پر ان کے معانی واضح نہیں ہوسکے تھے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس مذہب میں سوچ سمجھ کر داخل نہیں ہوا تھا اور اس نے مذہب پر ازراہِ تقلید عقیدہ رکھا تھا"۔

شیعہ کے عالم و محقق حسین بن شہاب الدین الکرکی کہتے ہیں: " یہی وہ غرض ہے جسے مصنف نے تہذیب الاحکام کے آغاز میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کو اس لئے تالیف کیا تا کہ ہماری اخبار کے مابین پائے جانے والے تناقض کو دور کیا جائے کیونکہ ان تک یہ بات پہنچی تھی کہ بعض شیعہ اس وجہ سے مذہب سے رجوع کر گئے ہیں"۔[2]

کتاب الوافی جو شیعہ کی آٹھ معتمد کتابوں میں سے ایک ہے اس کے مصنف الفیض الکاشانی اور تفسیر الصافی کے مولف نے الوافی کے مقدمے میں اپنے مذہب کے بے مایہ پن کا اعتراف یوں کیا ہے کہ: " آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ ایک مسئلے میں اختلاف کرتے ہوئے ان کے بیس یا تیس یا اس

1۔ اساس الاصول: ۵۱

2۔ هداية الأبرار إلى طريق الأئمة الأطهار، ص: ۱۶۴

سے بھی زیادہ اقوال ہوتے ہیں۔ بلکہ اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ کوئی بھی ایسا فرعی مسئلہ باقی نہیں رہا جس میں یا جس کے متعلقات میں انہوں نے اختلاف نہ کیا ہو"۔

اب ہم شیعہ دین کے تناقض کے بیان کے لئے اس بہت بڑے ذخیرے میں سے چند ایک سادہ سی مثالیں ذکر کرتے ہیں جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہے:

شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ علی کو وہ صلاحیتیں دی گئی ہیں جو نہ ان سے پہلے کسی کو دی گئیں اور نہ بعد میں۔ ان کتابوں میں علی رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں خود کہتے ہیں کہ: مجھے کچھ ایسی خصلتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ مجھے اموات و مصائب کا علم دیا گیا، جو مجھ سے پہلے گزر چکا وہ میری دسترس سے باہر نہیں اور جو شے مجھ سے غائب ہو وہ مجھ سے اوجھل نہیں ۔

تناقض: اسحاق بن عمار ابو عبداللہؒ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: میں نے آپؒ سے مذی کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا: علی علیہ السلام کو بہت زیادہ مذی آتی تھی۔ فاطمہ سے تعلق کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھنے سے ان کو شرم محسوس ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے مقداد سے کہا کہ جب وہ بیٹھے ہوئے ہوں تو آپ ﷺ سے (اس کے بارے میں) سوال کریں۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ (مذی) کچھ بھی نہیں ہے۔[1]

چنانچہ علی رضی اللہ عنہ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ: "۔۔ اور جو چیز مجھ سے غائب ہے وہ مجھ سے اوجھل نہیں"، جب کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ مقداد کو کہہ رہیں کہ وہ نبی ﷺ سے اس مسئلے کے بارے میں سوال کر کے استفتاء کریں۔

نعمت الجزائری نے الانوار النعمانیہ میں ایک لمبی روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے اس روایت میں البرسی سے اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: جبرائیل رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! علی نے جب مرحب کو مارنے کے لئے تلوار اٹھائی تو اللہ تعالی نے اسرافیل اور میکائیل کو حکم دیا کہ ہوا میں ان کے بازوں تھام لیں تا کہ وہ پوری قوت کے ساتھ نہ مار سکیں۔اس کے باوجود علی رضی اللہ عنہ نے مرحب، اس پر موجود آہن اور اس کے گھوڑے کو دو حصوں میں چیر دیا اور

1۔ الاستبصار للطوسي، ج: ۱، ص: ۹۲، باب: ۵۶، حكم المذي و الودي، تهذيب الأحكام للطوسي، ج: ۱، ص: ۱۸، وسائل الشيعة للحر العاملي، ج: ۱، ص: ۲۸۰، باب: ۱۲

تلوار زمین کے طبقات تک جا پہنچی۔ مجھ سے اللہ سبحانہ و تعالی نے فرمایا کہ: اے جبرائیل! فورا زمین کے نیچے جاؤ اور تلوار کو زمین کے بیل تک پہنچنے سے روکو تا کہ کہیں زمین الٹ نہ جائے۔ میں نے جا کر اسے روک لیا۔ یہ تلوار میرے پروں پر قومِ لوط کے مدائن سے بھی زیادہ بھاری تھی جو کہ سات مدائن تھے۔

تناقض: شیعہ نے بہت طویل روایات ذکر کی ہیں جن کو ان کے اکثر مصادر نقل کرتے آ رہے ہیں کہ ابو بکر اور عمر نے علی ﷛ کو بیعت پر مجبور کیا۔ علی نے (بحالتِ مجبوری) کہا: اگر میں نہ کروں تو؟ انہوں نے کہا: پھر ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ علی نے تین دفعہ ان پر حجت قائم کی پھر اپنی ہتھیلی کھولے بغیر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اس پر ابو بکر نے (اپنا ہاتھ) مارا اور وہ علی ﷛ سے اسی پر راضی ہو گئے۔

علی ؈ نے بیعت کرنے سے پہلے جب کہ رسی آپ کی گردن میں پڑی ہوئی تھی باآواز بلند کہا:

﴿ٱبۡنَ أُمَّ إِنَّ ٱلۡقَوۡمَ ٱسۡتَضۡعَفُونِي وَكَادُواْ يَقۡتُلُونَنِي﴾ [الأعراف: ۱۵۰]

«اے میری ماں کے بیٹے! اِن لوگوں نے مجھے دبا لیا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے»۔[1]

شیعہ علی ﷛ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: " جو شخص مجھے گالی دیتا ہے اسے مجھے گالی دینے کی آزادی ہے"۔ اس طرح ان کا قول ہے: "جہاں تک تعلق ہے گالی کا تو تم دے سکتے ہو۔ تمہارے لئے اجر ہے اور میرے لئے پاکیزگی "۔

تناقض: ان کے شیخ ابراہیم الحموی نے اپنی کتاب فرائد السمطین فی فضائل المرتضی و البتول و الحسنین میں ابن المغازلی کی روایت کو ذکر کیا ہے کہ: میں عبد اللہ بن عباس کے ہمراہ تھا اور سعید بن جبیر ان کو زمزم کے کنارے لئے جا رہے تھے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ شام سے آئے ہوئے کچھ لوگ علی ؈ کو گالیاں دے رہے ہیں۔ ابن عباس نے پوچھا: کیا تم میں علی بن ابی طالب کو گالیاں دینے والے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: یہ بات تو تھی۔ ابن عباس نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جس نے علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ کو گالی دی اور جس نے اللہ کو گالی دی اسے اللہ نتھنوں کے بل آگ میں ڈالے گا"۔

1۔ دیکھیں: کتاب سلیم بن قیس، تحقیق (الأنصاري)، ج: ۲، ص: ۸۷۱-۸۷۳، البحار، ج: ۲۸، ص :۳۰۶، الاحتجاج، ص: ۲۱۰-۲۱۶

بحار الانوار میں ایک طویل روایت ہے جس سے ہم صرف وہ حصہ لیتے ہیں جو ہماری دلیل ہے: سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: ابلیس ملعون کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو امیر المومنین کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ وہ ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا: یہ جو ہمارے سامنے کھڑا ہے وہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں ابو مرہ ہوں۔ انہوں نے پوچھا: اے ابو مرہ تم ہماری باتیں نہیں سن رہے؟ اس نے کہا: تمہارا برا ہو، تم اپنے مولا علی بن ابی طالب کو گالیاں دے رہے ہو؟ وہ اس سے کہنے لگے: تم کو کہاں سے علم ہوا کہ وہ ہمارا مولا ہے؟ اس نے جواب دیا: تمہارے نبی کے اس قول سے کہ: جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے، اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھے تو اس کو اپنا دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اس کو چھوڑ دے تو اسے چھوڑ دے۔ انہوں نے ابلیس سے پوچھا کہ: تو تم علی کے موالی اور اس کی شیعہ میں سے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں نہ تو ان کے موالی میں سے ہوں اور نہ ان کے شیعہ میں سے۔ تاہم میں علی سے محبت کرتا ہوں اور جو بھی اس سے بغض رکھتا ہے میں اس کے مال و اولاد میں اس کا ساجھی ہو جاتا ہوں۔۔۔الخ۔[1]

تناقض: شیعہ کے ہاں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ اور ان کا یہ قول مشہور ہے کہ: یہ ایک فیصلہ ہے جو اللہ نے تمہارے نبی امی کی زبان سے صادر فرمایا ہے کہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت رکھتا ہے اور مجھ سے صرف منافق شخص ہی بغض رکھتا ہے۔ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے صرف مومن اور متقی ہی محبت کرتے گا اور تم سے صرف فاجر اور بگڑا ہوا ہی بغض رکھے گا"۔ اس روایت کی رو سے تو ابلیس بھی مومن اور متقی ہو گا!!۔[2]

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم! ہمیں اگلوں اور پچھلوں کا علم دیا گیا۔ ان سے پوچھا گیا: کیا آپ کے پاس علمِ غیب بھی ہے؟ آپ نے پوچھنے والے سے کہا: تیرا ناس ہو! میں تو وہ بھی جانتا ہوں جو مردوں کی کوکھ اور عورتوں کے پیٹ میں ہے"۔[3]

1۔ بحار الانوار، باب: ۸۳، ما وصف بإبليس لعنه الله و الجن من مناقبه عليه السلام.

2۔ کتاب الغدیر للشیعی، عبد الحسین النجفی، ج: ۳، ص: ۱۸۱-۱۹۰

3۔ بحار الانوار: ۲۶/۲۷

تناقض: یحی بن عبد اللہ نے جعفر الصادق سے پوچھا: لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ غیب جانتے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ، اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھو۔ اللہ کی قسم! میرے جسم کا ہر ہر بال (یہ بات سن کر) کھڑا ہو گیاہے۔ پھر فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم (میں غیب نہیں جانتا، میں کچھ نہیں جانتا) سوائے اس بات کے جو رسول اللہ سے روایت کردہ ہے۔[1]

یہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا: "کوئی امام اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ وہ جان نہ لے کہ اس کے بعد کون ہو گا اور اسے اپنا جانشین نہ بنا دے"۔[2]

تناقض: کلینی نے کتاب الکافی میں محمد بن حنفیہ اور علی بن حسین کے مابین اس بات پر اختلاف نقل کیاہے کہ کون امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نےایک دوسرے کو حجرِ اسود کے نزدیک مباہلہ کی دعوت دے دی۔ اللہ تعالی نے حجرِ اسود کو قوتِ گویائی دی اور وہ فصیح زبان میں بولا کہ حسین کے بعد امامت ان کے بیٹے علی کے لئے ہو گی۔[3]

ابن عبد السلام الہروی سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: میں نے ابو الحسن علی بن موسی الرضا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: اللہ رحم کرے اس بندے پر جس نے ہماری بات کو زندہ کیا۔ میں نے ان سے پوچھا: وہ آپ کی بات کو زندہ کیسے کرے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: وہ ہمارے علوم سیکھے گا اور وہ لوگوں کو سکھائے گا۔ اگر لوگوں کو ہمارے کلام کی خوبیوں کا علم ہو گیا تو وہ ہماری پیروی کرنے لگیں گے۔[4]

تناقض: ابو عبیدہ الحذاء سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: "میرے اصحاب میں میرا سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ پارسا، سب سے زیادہ فقیہہ اور ہماری بات کو سب سے زیادہ چھپانے والا ہے"۔ اور ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اے سلیمان! تم ایک ایسے دین پر ہو جسے جس شخص نے چھپایا اللہ اسے عزت دے گا اور جس نے اس کو پھیلایا اللہ اسے ذلیل کر دے گا"۔[5]

1۔ رجال الکشی: ۱۹۲، بحار الانوار: ۱۰۲/۲۶، الامالی: ۲۳

2۔ الکافی: ۲۱۷/۱، کتاب الحجة، باب أن الإمام یعرف الإمام الذي بعده.

3۔ سابقہ مصدر: ۳۴۸/۱

4۔ عیون أخبار الرضا، القمي، ۲۷۶/۲

5۔ الاصول من الکافی، باب الکتمان، ج: ۲

کلینی نے کتاب الکافی میں کرب اور غم و حزن کی دعا روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: جب آپ کو کوئی معاملہ غمزدہ کر دے تو اپنے سجدوں میں یوں کہو: یا جبرئیل! یا محمد!-تم یہ بار بار کہو گے- میں جس غم میں ہوں اس میں میرے لئے کافی ہو جائیں، آپ دونوں کافی ہیں، اور اللہ کے حکم سے میری حفاظت کریں، بے شک آپ دونوں حفاظت کرنے والے ہیں۔[1]

اور مجلسی اپنی کتاب بحار الانوار میں روایت کرتا ہے اور حسین کی قبر پر دعاء کے بارے میں کہتا ہے: "وسیلہ گزاروں نے کوئی ایسا وسیلہ نہیں دیا جو حق کے اعتبار سے تم سے بڑا اور وجوبِ حرمت کے لحاظ سے تم اہلِ بیت سے زیادہ ہو"۔[2]

تناقض: مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں روایت کیا ہے : " (و أن المساجد لله کا مطلب یہ ہے کہ)اپنے جن اعضاء کے ساتھ تم نے سجدہ کیا وہ اللہ کے ہیں، چنانچہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو"۔[3]

اور مجلسی نے علی بن موسی سے روایت کیا ہے کہ: " ان اعضاء پر سجدہ کرنے میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو اس کا شریک مت بناؤ"۔[4]

ابو عبد اللہ –جعفر الصادق – سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اور یہ صاحب امر ایک آدمی ہو گا جس کا ذکر اس کے نام کے ساتھ صرف کافر ہی کرے گا"۔[5]

تناقض: ابو محمد الحسن العسکری سے روایت ہے کہ انہوں نے مہدی کی ماں سے کہا:" تو ایک نرینہ بچے کے ساتھ حاملہ ہو گی، اس کانام محمد ہے اور میرے بعد وہی القائم ہو گا۔۔۔"۔[6]

جب عبد الرحمن بن ملجم نے علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا تو اس کے بعد انہوں نے وصیتیں فرمائیں جو نہج البلاغہ میں مذکور ہیں : اے بنی عبد المطلب! میں یہ نہ پاؤں کہ تم (میرے بعد) مسلمانوں کی

1۔ الکافی: ۴۰۶/۲

2۔ بحار الانوار: ۲۲۶/۹۸

3۔ سابقہ مصدر: ۶۲/۷۳

4۔ بحار الانوار: ۱۹۸/۸۱

5۔ الکافی للکلینی، ج: ۱، ص: ۳۳۳

6۔ الانوار النعمانیۃ: ۵۵/۲

خوں ریزی کرنے لگ جاؤ اور کہتے پھر و کہ امیر المومنین کو قتل کر دیا گیا۔ خبردار! میرے بدلے میں صرف میرے قاتل ہی کو قتل کرنا اور دھیان رکھنا کہ جب میں اس ضرب کی وجہ سے مر جاؤں تو اسے ضرب کے بدلے ضرب سے مار دینا، اور اس آدمی کا مثلہ نہ کرنا۔[1]

تناقض: ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ: اگر لوگ جان لیں کہ امام القائم اپنے ظاہر ہونے کے بعد کیا کریں گے تو اکثر چاہیں گے کہ ان کو نہ دیکھیں، اس لئے کہ وہ لوگوں کو قتل کریں گے، یہاں تک کہ بہت سے لوگ کہیں گے کہ: یہ آلِ محمد سے نہیں ہیں، اگر یہ آلِ محمد سے ہوتے تو رحم کرتے۔[2]

العلاء بن فضیل ابو عبد اللہ علیہ السلام سے کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ان سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا:

﴿فَمَن كَانَ يَرۡجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلٗا صَٰلِحٗا وَلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدَۢا﴾ [الکھف: ۱۱۰]

«پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے»۔

آپ نے فرمایا: جس نے نماز پڑھی یا روزہ رکھا یا غلام آزاد کیا یا حج کیا اس غرض سے کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اس نے اپنے عمل میں شرک کیا اور یہ شرک معاف کر دیا جائے گا۔[3]

تناقض: زرارہ اور حمران ابو جعفر اور ابو عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا: اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا اور آخرت کے لئے کوئی عمل کر رہا تھا اور بعدازاں اس نے اس میں لوگوں میں سے کسی کی رضا شامل کر دی تو وہ مشرک ہو گا۔[4]

امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں سوال کیا گیا کہ:

1۔ نہج البلاغۃ، مجموعۃ الرسائل، نمبر: ۴۷

2۔ البحار: ۳۵۳/۵۲، الغیبۃ، ص: ۱۳۵

3۔ تفسیر العیاشی، ج: ۲ل، ص: ۳۵۲

4۔ سابقہ مصدر، ج: ۲، ص: ۳۵۳

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا﴾ [الكهف: ۱۱۰]

«پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے»۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھی وہ مشرک ہے، اور جس نے اللہ کے حکم کردہ کسی کام کو لوگوں کو دکھانے کے لئے کیا وہ بھی مشرک ہے۔(1)

ابو عبد اللہ بن عمیر اللیثی سے روایت ہے کہ وہ ابو جعفر علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے آئے (کہ اس کا کیا حکم ہے)؟ ابو جعفر نے اسے اس کے لئے حلال قرار دیا۔ اس پر ابو عبد اللہ بن عمیر نے کہا: کیا آپ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ کی بیویاں، آپ کی بیٹیاں اور چچا کی بیٹیاں متعہ کریں؟ راوی بیان کرتا ہے کہ: جب اس نے ان کی عورتوں اور چچا کی بیٹیوں کا ذکر کیا تو ابو جعفر علیہ السلام نے اس سے منہ پھیر لیا۔

عبد اللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اپنے آپ کو اس کے ذریعے آلودہ نہ کرو۔(2)

تناقض: امام باقر سے شیعہ اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ:

﴿وَإِذْ أَسَرَّ ٱلنَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَٰجِهِۦ حَدِيثًا﴾ [التحريم: ۳]

«اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہی»۔

اس پر امام باقر نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے آزاد عورت سے نکاحِ متعہ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے ایک کو اس کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے آپ ﷺ پر بدکاری کی تہمت لگا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے لئے حلال ہے، یہ ایک نکاح ہے، اس بات کو چھپا کر رکھنا لیکن اس نے اسے نہ چھپایا۔(3)

1۔ وسائل الشیعۃ، الحر العاملی، ج: ۱، ص: ۶۸، ابن بابویہ القمی کی کتاب التوحید میں امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ: اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل خالص اللہ کے لئے کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ یہ شرک شرکِ ریاء ہے۔

2۔ البحار: ۳۱۳/۱۰۰

3۔ الوسائل، ج: ۲۱، ص: ۱۰

کوفہ میں امام حسن علیہ السلام نے ایک لمبا خطبہ دیا تھا جس میں انہوں نے جہاد پر ابھارا تھا، ہم اس میں سے صرف وہ حصہ لیتے ہیں جو ہماری دلیل ہے اور وہ ان کا یہ قول ہے کہ: میں تم سے صرف وہی بات کہوں گا جو تم جانتے ہو۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب -أرشد اللہ أمرہ و أعزہ و نصرہ- نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ وہ تمہیں صحیح بات کی طرف بلاتے ہیں، کتاب اللہ پر عمل اور اللہ کی راہ میں جہاد کی دعوت دیتے ہیں اگرچہ اس کے فوری نتائج میں کچھ ایسی باتیں ہوں جو تم ناپسند کرتے ہو تاہم اس کے آخر میں وہ کچھ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔ [1]

تناقض: ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہر وہ پرچم جو القائم کے آنے سے پہلے بلند کیا جائے گا اسے بلند کرنے والا طاغوت ہو گا جس کی اللہ کو چھوڑ کر پوجا کی جاتی ہے"۔ اسی طرح ابو جعفر سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہر وہ پرچم جو القائم کے پرچم سے پہلے بلند کیا جائے اسے بلند کرنے والا طاغوت ہو گا"۔ [2]

شیعہ ایک طویل روایت ذکر کرتے ہیں جس کو ہم مختصرا بیان کرتے ہیں: "۔۔۔ نبی ﷺ نے علی سے فرمایا: اے علی! جس نے تمہاری قبروں کو آباد کیا اور ان کی دیکھ بھال کی اس نے گویا سلیمان بن داؤد کی بیت المقدس بنانے میں اعانت کی"۔ [3]

تناقض: ابو عبداللہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مدینہ کی طرف بھیجا اور فرمایا: تم جو بھی تصویر دیکھو اسے مٹا دینا اور جو بھی قبر دیکھو اسے برابر کر دینا۔ [4] ایک اور روایت میں ہے: "رسول اللہ ﷺ نے مجھے قبور کو منہدم کرنے اور مورتیوں کو توڑنے کے لئے بھیجا"۔ [5]

1۔ الروائع المختارة من خطب الإمام الحسن السبط، تألیف مصطفی محسن الموسوي، راجعه و علق علیه السید مرتضی الرضوي، دار المعلم للطباعة، الطبعة الأولی: ۱۳۹۵ھ۔

2۔ الکافي، ج: ۸، ص: ۲۶۴، مستدرک الوسائل: ۲۴۸/۲

3۔ تھذیب الاحکام، ج: ۸، ص: ۲۶۴، وسائل الشیعة، ج: ۱۰، الباب: ۲۶

4۔ فروع الکافي: ۲۲۶/۲، وسائل الشیعة، ۸۷۰/۲

5۔ فروع الکافي: ۲۲۷/۲، وسائل الشیعة: ۸۶۹/۲

مجلسی نے ایک طویل روایت ذکر کی ہے جس میں سے ہم یہ حصہ لیتے ہیں کہ: منافقین میں سے ایک آدمی نے ابو الحسن الثانی علیہ السلام سے کہا کہ: تمہارے شیعہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو راستوں میں شراب نوشی کرتے ہیں، ۔۔۔اس پر ان کا چہرہ عرق آلود ہو گیا۔ پھر انہوں نے فرمایا: اللہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ مومن کے دل میں شراب کا اثر اور ہم اہلِ بیت کی محبت کو جمع کرے۔ پھر وہ کچھ دیر رکے اور فرمایا: اگر ان میں سے کسی مصیبت زدہ نے ایسا کیا بھی تو وہ مہربان رب، شفقت کرنے والا نبی، حوض پر اسے جاننے والے امام اور اپنے سادات کو اپنی شفاعت کے لئے کھڑے پائے گا اور تم دیکھو گے کہ اس کی روح دھلی ہوئی وادی برہوت میں ہو گی۔[1]

تناقض: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شراب پینے والے کو اللہ تین سو ساٹھ قسم کے عذاب دے گا"۔[2]

ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ: "ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے آپ ﷺ سے شوہر کے بیوی پر حق کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے اسے اس کے بارے میں بتایا۔ پھراس نے پوچھا: عورت کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: عورت کا شوہر پر حق یہ ہے کہ وہ اسے ننگ سے بچانے کےلئے کپڑا پہنائے اور بھوک سے بچاتے ہوئے کھانا کھلائے اور اگر وہ کوئی غلطی کر لے تو اسے بخش دے۔ اس پر اس عورت نے پوچھا: کیا اس کے علاوہ اس عورت کے لئے شوہر پر کچھ نہیں؟ آپ ﷺ نےفرمایا: نہیں۔ وہ عورت کہنے لگی: نہیں، اللہ کی قسم! میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔ یہ کہہ کر وہ عورت واپس ہو لی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: واپس آ جاؤ، چنانچہ وہ واپس آگئی۔ آپ ﷺ نےفرمایا: اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ﴾ [النور: ٦٠]

«اور اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے»۔[3]

تناقض: رسول اللہ ﷺ نےفرمایا: جس کو میری فطرت پر رہنا پسند ہو وہ میری سنت اپنائے، میری سنت میں سے ایک سنت نکاح ہے۔[1]

1۔ بحار الانوار للمجلسی، ج: ۲۷، ص: ۳۱۴

2۔ بحار الانوار، ج: ۷۶، ص: ۱۵۲، مستدرک الوسائل، ج: ۱۷، ص: ۴۸

3۔ الکافی، ج: ۵، ص: ۴۹۶

ابو جعفر علیہ السلام نے فرمایا: ایک آدمی نبی ﷺ کے حضور آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں نماز پڑھنے والوں سے محبت تو رکھتا ہوں لیکن میں خود نماز نہیں پڑھتا۔۔ میں روزہ داروں سے محبت کرتا ہوں لیکن میں خود روزہ نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: "تو انہی لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے تو محبت کرتا ہے"۔[2]

تناقض: رسول اللہ ﷺ جب بستر مرگ پر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: " وہ شخص مجھ سے نہیں جو اپنی نماز کو حقیر جانتا ہے، وہ حوض پر نہیں آئے گا، اللہ کی قسم! نہیں آئے گا"۔[3] امام صادق رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر اسی معنی کی تاکید کی کہ: "ہماری شفاعت اس شخص کو نہیں ملے گی جو نماز کو حقیر جانتا ہے"۔[4]

کتاب "العلل و عیون الٔاخبار و الخصال " میں ایک ایسی سند کے ساتھ جو امام رضا رضی اللہ عنہ تک جاتی ہے اور وہ اپنے آباء (علیہم السلام) سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ: "ایک آدمی نے امیر المومنین سے پوچھا کہ آدم علیہ السلام نے کتنے حج کئے تھے؟۔ آپ نے اس سے فرمایا: انہوں نے سات سو حج اپنے قدموں پر پیدل چل کر کئے۔ جو پہلا حج آپ علیہ السلام نے کیا اس میں آپ کے ساتھ لٹورا (ایک قسم کا پرندہ) تھا جو آپ کی پانی کی طرف راہنمائی کرتا اور ہ جنت سے آپ کے ساتھ ہی آیا تھا۔۔اس شخص نے علی رضی اللہ عنہ سے آسمان والوں کے بارےمیں دریافت کیا کہ ان میں سب سے پہلے حج کس نے کیا تھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: وہ جبرائیل تھے"۔

آپ علیہ السلام سے روایت کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "مجھے چھ افراد کے لئے جنت کی ضمانت دی گئی ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان میں اس شخص کو بھی شمار کیا جو حج کی نیت کے لئے سفر پر نکلا اور مر گیا"۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں ائمہ کے حج اور لوگوں کو ان کی طرف سے حج کرنے کی نصیحتوں کو درج کیا ہے۔[5]

1۔ سابقہ مصدر، ج: ۵، ص: ۴۹۶

2۔ الروضة من الكافي، ج: ۸، ص: ۸۰

3۔ الکافی للکلینی: ۲۶۸/۳

4۔ الکافی، ج: ۳، ص: ۲۷۰

5۔ الوسائل: ۱۰۲/۱۱، ج: ۲۹

تناقض: ان کے اکثر مصادر میں امام صادق علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ: "عرفہ کی شام اللہ تعالی پہلے حسین بن علی علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے والوں کو دیکھیں گے۔ آپ سے پوچھا گیا: کیا اہلِ موقف پر نظر ڈالنے سے بھی پہلے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، آپ سے پوچھا گیا: ایسا کیوں کر ہو گا؟ فرمایا: کیونکہ اُن میں اولادِ زنا ہو گی اور اِن میں اولادِ زنا نہیں ہو گی"۔[1]

ابو جعفر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے ہی طواف کیا کرتے تھے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: "زمانہ جاہلیت کی طرح کا کام"۔[2]

عبد اللہ بن مسکان بیان کرتے ہیں کہ: "میں نے ابو عبد اللہ سے ناصبی کے بارے میں پوچھا جسے اپنی ناصبیت اور عداوت کا علم ہو کہ کیا کوئی مومن اس کا نکاح کرا سکتا ہے حالانکہ وہ اس کو رد کرنے پر قادر ہو اور اس کو اس کے رد کرنے کا کچھ علم بھی نہ ہو؟۔ آپ نے فرمایا: مومن ناصبی عورت سے شادی نہیں کرے گا اور نہ ناصبی مرد مومنہ عورت سے شادی کرے گا اور نہ لاچار مومنہ سے شادی کرے گا"۔[3]

تناقض: شیعہ کے بہت سے مصادر میں عمر رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم سے شادی کا ذکر آیا ہے۔[4]

۔۔ فضیل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ: "میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے ناصبی سے مناکحت اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا (کہ آیا وہ جائز ہیں)؟ آپ نے فرمایا: نہ اس سے مناکحت کرو اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھو"۔

1۔ تهذيب الأحكام للطوسي، ۵۱/۶، وسائل الشيعة، الحر العاملي، ۴۶۲/۱۴

2۔ الكافي، ج: ۱، ص: ۳۹۲

3۔ الطوسی، الاستبصار، ج: ۳، باب تحریم نکاح الناصبة المشهورة بذلک۔

4۔ یہ بات ان مصادر میں درج ہے: (الفروع من الكافي، كتاب ا لنكاح: ۳۴۶/۵، باب تزویج أم كلثوم، و الفروع من الكافي، ۱۱۵/۶-۱۱۶، الاستبصار للطوسي، ص: ۳۵۳، تهذيب الأحكام، ۱۶۱/۸، ۲۶۲/۹، بحار الأنوار للمجلسي، ۸۸/۳۸، مجلسی نے ان دونوں روایات کو صحیح قرار دیا ہے جو الکافی میں المرآة العقول میں ہیں: ۱۹۷/۲۱)

تناقض: الحلبی، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "جس نے ان (نواصب) کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی"۔[1]

اسحاق بن عمار بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "اے اسحاق! کیا تم ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ: جی ہاں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ان کے ساتھ نماز پڑھا کرو، صفِ اول میں ان کے ساتھ نماز پڑھنے والا ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو جہادِ فی سبیل اللہ میں اپنی تلوار سونت لیتا ہے"۔

ابنِ قداح، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "نبی ﷺ کی حذیفہ کے ساتھ ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حذیفہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: حذیفہ میں نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور تم نے اپنا ہاتھ مجھ سے کھینچ لیا؟ اس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کا ہاتھ تھامنے کی چاہت تو ہے لیکن میں حالتِ جنابت میں تھا چنانچہ میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ میرا ہاتھ اس حالت میں آپ کے ہاتھ کو مس کرے کہ میں حالتِ جنابت میں ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ جب مسلمان باہم دگر ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑا کرتے ہیں"۔[2]

تناقض: بکر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ: "ہم مدینے سے نکلے، ہمارا ارادہ ابو عبد اللہ علیہ السلام کے گھر کی طرف کا تھا۔ ابو بصیر بھی ایک گلی سے نکل کر ہم سے آملے، وہ حالتِ جنابت میں تھے اور ہمیں اس کا علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ہم ابو عبد اللہ علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ بکر بن محمد کہتے ہیں کہ: ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اپنا سر ابو بصیر کی طرف اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اے ابو محمد! کیا تم نہیں جانتے کہ جو شخص حالتِ جنابت میں ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ انبیاء کے گھر میں داخل ہو؟ راوی کہتے ہیں کہ: اس پر ابو بصیر واپس لوٹ گئے اور ہم (گھر میں) داخل ہو گئے"۔[3]

1۔ من لا یحضرہ الفقیہ لابن بابویہ، ج: ۱، ص: ۲۶۶، باب الجماعۃ و فضلھا۔

2۔ الأصول من الکافي، للکلیني، ج: ۲، ص: ۱۸۳

3۔ بصائر الدرجات، ص: ۲۴۱، ارشاد المفید، ص: ۲۵۶

ابن محمد الجعفی بیان کرتے ہیں کہ: میں ابو جعفر علیہ السلام کے پاس تھا کہ آپ کے پاس ہشام بن عبد الملک کا خط آیا جس میں اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا تھا جس نے ایک عورت کی قبر کھود کر اس کے کپڑے چرا لئے تھے اور اس سے مجامعت کی تھی۔ (ہشام بن عبد الملک نے لکھا تھا کہ) اس مسئلے میں ہمیں لوگ مختلف آراء دے رہے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: اسے قتل کر دیا جائے۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: اس کو جلا دیا جائے۔ اس پر جعفر علیہ السلام نے ان کو لکھا کہ: "مرے ہوئے شخص کی حرمت ویسے ہی ہے جس طرح زندہ کی ہوتی ہے، قبر کھودنے اور کپڑے چرا لینے پر تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور اس پر حد زنا قائم کی جائے گی، اگر تو وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائے گا اور شادی شدہ نہیں تو اسے سو کوڑے لگاؤ"۔[1]

تناقض: ابو حنیفہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی مری ہوئی عورت سے زنا کرے۔ انہوں نے فرمایا: اس پر حد نہیں لگے گی۔[2]

ابن بابویہ کی کتاب التوحید میں منصور بن حازم سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: "میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آج کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو کل اللہ کے علم میں نہیں تھی انہوں نے فرمایا: نہیں، جس نے یہ بات کہی اس کو اللہ رسوا کرے گا۔ میں نے پوچھا: یہ بتائیں کہ جو کچھ ہو چکا اور قیامت تک جو کچھ ہو گا کیا وہ اللہ کے علم میں نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں، یہ سب تو اللہ کے مخلوق کو پیدا کرنے سے بھی پہلے سے اس کے علم میں ہے۔[3]

اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: " جو شخص عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی شے ظاہر ہوتی ہے جو اسے گزشتہ روز معلوم نہیں ہوتی تو اس شخص سے اظہارِ لا تعلقی کر لو"۔[4]

1۔ تھذیب الاحکام للطوسي، باب الحد في نکاح البھائم و نکاح الاموات، حدیث: ۶۳، ج: ۱۰، ص: ۲۲۹

2۔ سابقہ مصدر: حدیث نمبر: ۲۳۱

3۔ التوحید، ص: ۳۳۴، أصول الکافي، ۱۴۸/۱، نمبر (۱۰)، اور دیکھیں: انہی الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ الکافی میں ایک اور روایت: ۱۴۸/۱، حدیث نمبر: ۹۔

4۔ البحار، ج: ۴، باب البداء، حدیث: ۳۰، و تفسیر البرھان، ج: ۲، ص: ۳

تناقض: شیعہ امامیہ کے ثابت شدہ عقائد میں سے ایک بُداء کا قائل ہونا ہے۔ البداء کا لغوی معنی ہے: مخفی رہنے کے بعد ظاہر و واضح ہونا۔

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: "بدا الشيء بدوا و بداء": یعنی شے واضح طور پر ظاہر ہوگئی۔

یہ کفریہ عقیدہ کتاب الکافی کی قسم الأصول میں وضع کیا گیا ہے اور مولفِ کتاب نے کتاب التوحید کے تحت رکھا ہے اور اس کے لئے "باب البداء" کے عنوان سے ایک باب خاص کیا ہے اوراس میں ائمہ کی طرف منسوب کی جانے والی احادیث میں سے سولہ احادیث ذکر کی ہیں۔

اس کے بعد ابن بابویہ القمی آیا اور اس نے بُداء کو اپنے گروہ کے عقائد کے ضمن میں درج کیا اوراپنی کتاب "الاعتقادات" میں اس کے لئے ایک خاص باب بعنوان "باب البداء" قائم کیا۔ شیعہ کے شیخ المجلسی نے بھی "بُداء" پر خاص توجہ دی اور اپنی کتاب بحار الانوار میں اس کے لئے باب قائم کیا۔

ان کی (بُداء کے بارے میں) بیان کردہ روایات میں سے کچھ یہ ہیں:

ہشام بن سالم، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "کسی بھی طرح اللہ کی ویسی تعظیم نہیں ہوئی جس طرح بُداء کے ذریعے ہوئی"۔[1]

امام صادق سے روایت ہے کہ انہوں نےفرمایا: " اگر لوگ جان لیتے کہ بُداء کے قائل ہونے میں کیا اجر ہے تو اس پر گفتگو کرنے میں وہ سستی نہ کرتے"۔[2]

ان کا کہنا ہے کہ: "کسی بھی طرح اللہ کی ویسی تعظیم نہیں ہوئی جس طرح بُداء کے ذریعے ہوئی"۔[3]

اور اللہ نےجو بھی نبی مبعوث کیا (اسے یہ حکم دیا کہ وہ) شراب کو حرام ٹھہرائے گا اور اللہ کے لئے بُداء کا اقرار کرے گا۔[1]

1۔ ابن بابویہ، التوحید، باب البداء، حدیث نمبر: ۲

2۔ الکافی، ج: ۱، ص: ۱۱۵، ابن بابویہ، التوحید، باب البداء، حدیث نمبر: ۷

3۔ أصول الكافي، کتاب التوحید، باب البداء، ۱/۱۴۶، ابن بابویہ، التوحید، باب البداء، ص: ۳۳۲، بحار الأنوار، کتاب التوحید، باب البداء، ۴/۱۰۷۔

اللہ کی ذات جو عالم الغیب و الشہادہ ہے بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو وہ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

جب ہم شیعہ کی معتبر کتابوں میں مذکور گزشتہ اور ان سے ملتی جلتی دیگر روایات شیعہ علماء اور فقہاء کے سامنے لاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ رب الارباب اور الملک الجبار ذات کے بارے میں وہ اپنے اس خبیث عقیدے کا انکار کرتے ہیں اور فلسفیانہ انداز میں یہ زعم کرتے ہیں کہ یہاں جو بُداء مقصود ہے وہ نسخ ہے، اللہ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے کہ:

﴿يَمْحُواْ ٱللَّهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُۖ وَعِندَهُۥٓ أُمُّ ٱلْكِتَٰبِ ﴿٣٩﴾﴾ [الرعد: ۳۹]

«اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، ام الکتاب اُسی کے پاس ہے»۔

اور واضح ہے کہ بُداء کی تعبیر کا یہ مفہوم غیر صحیح اور اس بُداء کے مخالف ہے جس کا ذکر ان کی ان روایات میں ہوتا ہے جو اسے ثابت کرتی ہیں۔ جعفر صادق کی زندگی میں ان کی طرف منسوب روایات کی رو سے انہوں نے کہا کہ ان کی موت کے بعد امامت ان کے بیٹے اسماعیل کے لئے ہو گی۔ لیکن وہ ہو گیا جس کا گمان بھی نہیں تھا۔ وہ یہ کہ اسماعیل اپنے والد کی وفات سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔یہ بات ان کی کمر توڑنے والی تھی۔ اس وجہ سے شیعہ گروہوں میں وہ سب سے بڑی پھوٹ پڑ گئی جو ان کے مابین آج تک پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ ان میں سے ایک ایسا بہت بڑا گروہ نکل گیا جو اسماعیل کی امامت کے عقیدے پر ثابت رہا، یہ اسماعیلی فرقہ ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے بھی اس مشکل سے نپٹنے کے لئے بداء کا سہارا لیا ۔ چنانچہ انہوں نے جعفر صادق کی طرف ایسی روایات منسوب کیں جن میں وہ کہتے ہیں: " اللہ کو جس طرح میرے بیٹے اسماعیل کے بارےمیں بداء ہوا اس طرح کا بداء کوئی اور نہیں ہوا۔کہ اس نے اسے مجھ سے پہلے موت دےدی تا کہ جان لیا جائے کہ میرے بعد وہ امام نہیں ہو گا"۔[2] اس روایت میں بداء کی نسبت واضح طور پر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ یہ اللہ کو ہونے والا بداء ہے نہ کہ اس کی طرف سے ہونے والا بداء۔

1۔ أصول الكافي، ۱۴۸/۱، التوحيد لابن بابويه، باب البداء، ص: ۳۳۴، بحار الأنوار، ۱۰۸/۴۔

2۔ التوحيد لابن بابويه، باب البداء، ص: ۳۳۶

شیعہ کی بعض عبادات کے ثواب کے بیان میں مبالغہ آرائی

شیعہ روایات جن کے متون سے عیاں ہے کہ یہ ناپختہ انسانی ساخت کا نتیجہ ہیں ان میں سے وہ روایات ہیں جن میں بعض شیعہ عبادات کے ثواب کے بیان میں غیر معقول حد تک مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے:

شیعہ امام رضا علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "آگاہ ہو جاؤ کہ جو شخص بھی عالم غربت میں میری زیارت کرے گا اس کے لئے اللہ ایک لاکھ شہیدوں، ایک لاکھ صدیقوں، ایک لاکھ حج و عمرہ کرنے والوں اور ایک لاکھ مجاہدین کا اجر لکھ دے گا"۔[1]

انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر یہ جھوٹ باندھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے عاشوراء کی رات کو زندہ کیا اس نے گویا تمام فرشتوں کے بقدر عبادت کی اور اس رات عمل کرنے والے کا اجر ستر سال کے عمل کے برابر ہوتا ہے"۔[2]

۔۔وہب بن منبہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص عاشوراء کی رات، آخرشب میں چار رکعت نماز پڑھے گا بایں طور کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور دس دفعہ آیت الکرسی پڑھے اور دس دفعہ قل ھواللہ احد پڑھے اور دس دفعہ قل اعوذ برب الفلق پڑھے، دس دفعہ قل اعوذ برب الناس پڑھے اور جب سلام پھیرے تو سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو اللہ اس کے لئے جنت میں دس کروڑ نور کے شہر بنائے گا، ہر شہر میں دس لاکھ محل ہوں گے، ہر محل میں دس لاکھ گھر ہوں گے، ہر گھر میں دس لاکھ تخت ہوں گے، ہر تخت پر دس لاکھ بستر ہوں گے، ہر بستر پر حورِ عین میں سے ایک بیوی ہوگی، ہر گھر میں دس لاکھ دستر خوان ہوں گے، ہر دستر خوان پر دس لاکھ پیالے ہوں گے، ہر پیالے میں دس کروڑ رنگ ہوں گے، اور ہر دستر خوان پر دس لاکھ

1۔ القمی فی الأمالي، ص: ۱۲۰

2۔ البحار: ۳۳۶/۹۸

نوکر اور دس کروڑ نوکرانیاں ہوں گی، ہر نوکر اور نوکرانی کے کندھے پر ایک رومال ہو گا۔ وہب بن منبہ نے کہا: اگر میں نے یہ حدیث ابن عباس سے نہ سنی ہو تو میرے کان بہرے ہو جائیں"۔(1)

شیعہ کی اہم بنیادی کتابیں من گھڑت اور گھڑی ہوئی احادیث سے بھری پڑی ہیں

شیعہ کی کتبِ حدیث میں احادیث کو گھڑنے سے متعلق متعدد روایات آئی ہیں جس کا شیعہ علماء خود اعتراف کرتے ہیں۔

اس کام کو –یعنی احادیث گھڑنے کو- ایک پورے گروہ نے سرانجام دیا جن میں ایک شخص مغیرہ بن سعید تھا۔ ہشام بن الحکم سے روایت ہے کہ اس نے ابو عبد اللہ علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا: "مغیرہ بن سعید میرے باپ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کتابیں لیتا، اس کے خفیہ ساتھی میرے والد کے ساتھیوں کے ساتھ تھے، وہ میرے والد کے ساتھیوں سے کتابیں لیتے اور اسے مغیرہ کے حوالے کر دیتے ۔ وہ ان میں کفر اور زندیقیت داخل کرکے میرے والد کی طرف منسوب کر دیتا اور پھر اسے اپنے ساتھیوں کے حوالے کرتے ہوئے انہیں حکم دیتا کہ وہ ان کو شیعہ کے مابین پھیلا دیں۔ میرے والد کے ساتھیوں کی کتابوں میں جو کچھ بھی غلو ہے وہ سب مغیرہ بن سعید کی طرف سے ان کی کتابوں میں گھڑا ہوا ہے"۔(2)

امام صادق نے بھی اپنے اس قول کے ذریعے اس مصیبت کی طرف اشارہ کیا کہ: "لیکن ان میں سے ایک شخص لفظ سن کر اس میں دس الفاظ کا حط و اضافہ کرتا ہے "۔(3)

شیعہ ہاشم معروف الحسینی اپنی کتاب "الموضوعات في الآثار و الأخبار" میں اعتراف کرتا ہے کہ: " جیسا کہ ائمہ کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ شیعہ کے قصہ گواشخاص نے ائمہِ ہدایت اور بعض صلحاء اور اتقیاء کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس قسم کی بہت زیادہ تعداد میں (روایات) وضع کی ہیں "۔

1۔ بحار الانوار، ج: ۹۵، ص: ۳۴۸،وسائل الشیعہ کے مصنف نے بھی اس روایت کو کچھ فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے، ج: ۵، ص: ۲۹۵، ج: ۳، ص: ۶۔

2۔ رجال الکشي، مغیرہ بن سعید کے حالات زندگی کے تحت۔

3۔ الکافي، ج: ۸، ص: ۲۲۹، حدیث ۲۹۳

اسی طرح ہاشم معروف الحسینی کا کہنا ہے: "احادیث کے بڑے مجموعہ جات جیسے الکافی اور الوافی وغیرہ میں منتشر احادیث کا اگر ہم تتبع کریں تو معلوم ہو گا کہ غلوپسند افراد اور ائمہ ہدایت سے بغض رکھنے والے لوگ ابوابِ احادیث کے ہر ہر باب میں گھس آئے تاکہ احادیثِ ائمہ میں بگاڑ پید اکر سکیں اور ان کی نیک نامی کو بٹہ لگا سکیں"۔[1]

1۔ الموضوعات في الآثار و الأخبار، ص: ۱۶۵، ص: ۲۵۳

تقیہ کی وجہ سے دینِ شیعہ کے احکام ضائع ہو گئے اور احادیث کا آپس میں اختلاف ہو گیا

تقیہ نے دوسرے لوگوں سے پہلے خود شیعہ کو نقصان دیا اور اخبار کے مابین تمیز کرنے اور احکامِ شریعت کے اثبات میں ان کو بہت بڑی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔اس لئے ان کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ شیعہ مذہب میں اپنے ائمہ کی طرف سے تقیہ کے بغیر صادر ہونے والے احکام کو جاننے کے لئے سخت کوشش کریں تا کہ ان پر عمل پیرا ہو سکیں اور ایسا کرنے میں وہ حیران و پریشان رہ گئے۔ اس لئے ہم ان کے علماء میں سے کسی عالم کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس قول کو ترجیح دیتا ہے دوسرے کوساقط کر دیتا ہے، دوسرا عالم ایک اور قول کو ترجیح دیتا ہےاور اس کے علاوہ قول کو ساقط قرار دے دیتا ہے اور تیسرا عالم ان دونوں اقوال کے علاوہ کسی اور قول کوترجیح دیتا ہے اور اس کے علاوہ باقی سب اقوال کو ساقط ٹھہرا دیتا ہے۔ یہ عالم فلاں روایت یا خبر کے بارے میں کہتا ہے کہ: اس میں تقیہ ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ روایت اصل ہے اور یہی حکم ہے۔ ان کا ہر ہر عالم اپنے اپنے مزاج کے حساب سے چلتا ہے۔ چنانچہ تقیہ نے دوسروں کی بجائےخود شیعہ کو زیادہ نقصان دیا ہے۔

شیعہ کے ایک بہت بڑے عالم البحرانی کا کہنا ہے: "احکامِ دین میں سے جو یقینی طور پر معلوم ہیں وہ بہت کم ہیں کیونکہ دین کی اخبار تقیہ کی اخبار سے ملی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ اس کا اعتراف ثقۃِ اسلام اور علم الاعلام محمد بن یعقوب الکلینی نے اپنی جامع الکافی میں کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ قدس سرہ نے اخبار کے تعارض کی صورت میں روایت کردہ ترجیحات پر عمل سے تجاوز کرتے ہوئے محض رد کرنے اور ائمہ ابرار کی بات تسلیم کرنے کو اختیار کیا"۔[1]

البحرانی کہتے ہیں: "شیعہ کی بہت سی روایات ازراہِ تقیہ وارد ہوئی ہیں جو کہ حقیقت کے اعتبار سے حکم شرعی کے خلاف ہوتا ہے"۔[2]

1۔ الحدائق الناضرة في أحكام العترة الطاهرة: ۵/۱

2۔ سابقہ مصدر: ۸۹/۱

الکافی میں ہے۔۔ محمد بن حسن بن ابو خالد شینولہ سے روایت ہے کہ: میں نے ابو جعفر الثانی علیہ السلام سے پوچھا: "میں آپ پر قربان جاؤں! ہمارے مشائخ نے ابو جعفر اور ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا۔ (اس وقت) تقیہ بہت سخت ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتابیں چھپوائیں اور ان سے کوئی بات روایت نہ کی گئی۔ جب وہ مر گئے تو ان کی کتابیں ہمارے پاس آ گئیں۔ (اب ہمارے لئے کیا حکم ہے، آیا ہم ان سے روایت کریں یا نہ کریں)؟ ابوجعفر الثانی نے فرمایا: ان کو بیان کرو، یہ حق ہیں"۔

چنانچہ اے حضراتِ شیعہ! تقیہ کی وجہ سے آپ کی بنیادی کتابوں کو حقیقی طور پر روایت ہی نہیں کیا گیا۔

اہلِ سنت اور شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز

اہلسنت کے ہاں تدوین حدیث

ابتداء میں رسول اللہ ﷺ نے تدوینِ حدیث کا حکم نہیں دیا تھا کیونکہ اس وقت قرآن لکھنے پر توجہ دی جا رہی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ کہیں قرآن کریم کسی اور شے کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے ۔ جب حالات کو استقرار مل گیا تو اس وقت نبی ﷺ نے تدوین سے منع نہیں فرمایا اور جن احادیث میں تدوینِ حدیث کی اجازت ہے وہ ان احادیث کے لئے ناسخ ہیں جن میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ بعض صحابہ نے تو نبی ﷺ کی طرف سے تدوین حدیث کی اجازت کو آپ ﷺ کی حیات میں ہی اپنا لیا۔

ان میں سے کچھ نے ان احادیث کو جن کو انہوں نے اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا تھا مدون کیا اور ان کو اپنے صحائف میں درج کر کے بنا کسی ترتیب اور کتابی شکل کے اپنے بعد آنے والے لوگوں تک پہنچا دیا۔

ان کاتبین حدیث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ باوجود یکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لکھنا نہیں جانتے تھے تاہم وہ اپنے لئے لکھوایا کرتے تھے اور ان کے محفوظ صحیفوں میں سے ایک وہ ہے جو ان کے شاگرد اور تابعی ہمام بن منبہ الصنعانی نے ان سے روایت کیا ہے۔ پہلی صدی ہجری کے نصف میں لکھا جانے والا یہ سب سے مشہور صحیفہ ہے اور یہ احادیث اس صحیفہ کی صورت میں ہم تک پوری طرح بالکل ویسے ہی پہنچی ہیں جیسے انہوں نے انہیں روایت اور مدون کیا تھا۔ یہ صحیفہ متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔ کاتبینِ حدیث صحابہ میں سے سب سے زیادہ احادیث لکھنے والے عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں جو کہتے ہیں کہ: " میں رسول اللہ ﷺ سے جو شے سنتا اسے لکھ لیتا تھا، میرا ارادہ اسے محفوظ کرنا ہوتا تھا۔ اس پر قریش کے لوگوں نے یہ کہہ کر مجھے منع کر دیا کہ: تم رسول اللہ ﷺ سے جو شے سنتے ہو اسے لکھ لیتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، آپ ﷺ کبھی غصے میں کلام فرماتے ہیں اور کبھی خوشی میں۔ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا۔ پھر میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی

جس کے قبضے میں میری جان ہے، میرے منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا"۔[1]

کاتبینِ حدیث صحابہ کرام میں سے سعد بن عبادہ اور سمرہ بن جندب بھی ہیں۔ سمرہ بن جندب وہ صحابی ہیں جنہوں نے بہت سی احادیث جمع کی جو وراثت میں ان کے بیٹے سلیمان کو ملیں۔ انس رضی اللہ عنہ بھی کاتبین حدیث صحابہ میں سے ہیں۔ جب لوگ انس رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے کی بہت زیادہ درخواست کرتے تو وہ لکھی ہوئی اشیاء ان کو دے دیتے اور فرماتے کہ یہ کچھ لکھی ہوئی اشیاء ہیں جن کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ انس رضی اللہ ان لکھی ہوئی احادیث کو ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور اپنے بیٹے سے فرمایا کرتے: "اے میرے بیٹے! لکھ کر علم کو قید کر لو"۔ابو رافع جو رسو ل اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے پاس بھی ایک کتاب تھی جو انہوں نے ابو بکر بن عبد الرحمن القرشی کو دے دی تھی۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (۳۹۲-۴۶۳) جو تاریخِ بغداد کے مصنف ہیں اور ان کی تیس سے زیادہ تالیفات ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "تقیید العلم" میں تدوینِ حدیث کے مسئلے پر بحث کی ہے اور عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود اور موسی اشعری اور دیگر صحابہ سے روایت ذکر کی ہے اور اس کے بارے میں تابعین سے بھی روایت ذکر کی ہے۔ اس طرح سے وہ ثابت کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین بہت پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور اس مشہور غلطی کا ازالہ کرتے ہیں کہ حدیث کی تدوین کا کام دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔

ڈاکٹر محمد مصطفی اعظمی نے اپنی کتاب (دراسات في الحديث النبوي و تاريخ تدوينه) میں متعد د صحابہ کا ذکر کیا ہے اور ایسے صحیفوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے جن کی تدوین تابعین نے کی تھی۔ ان میں سعید بن جبیر (ابن عباس کے شاگرد) کے ایک یا ایک سے زیادہ صحیفے، مجاہد بن جبر المکی (ابن عباس کے شاگرد) کے صحیفے، ابو الزبیر محمد ابن مسلم المکی (جابر بن عبد اللہ کے شاگرد) کا صحیفہ، ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی کا صحیفہ، ہشام بن عروہ کا صحیفہ اور تابعین سے مروی ان کے علاوہ دیگر صحیفے ہیں۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جو کچھ تصنیف کیا گیا اس کی دوسری بنیاد یہی صحیفے تھے۔

1۔ مسند احمد، صفحہ یا حدیث نمبر: ۱۰/۱۵، سنن ابی داؤد، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر: ۳۶۴۶

میں نے گزشتہ سطور میں جو کچھ ذکر کیا ہے وہ سب حدیث کی کتابوں اور صحاح ستہ میں مندرج ہے اوران لوگوں کا منہ توڑ جواب ہے جو اہلسنت پر افتراء پردازی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہو ں نے احادیث کی تدوین کا کام بہت دیر سے کیا۔[1]

حدیث اپنی اس حالت یعنی بنا کسی ترتیب و قسم بندی کے محض صحیفوں کی شکل میں اسی طرح رہی یہاں تک کہ سن ۹۹-۱۰۰ھ میں عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا دور آ گیا۔ انہوں نے مدینہ میں اپنے قاضی ابو بکر بن حزم کو خط بھیجا جس میں اس سے کہا کہ: "رسو ل اللہ ﷺ کی جو بھی احادیث ہیں ان کو دیکھو اور لکھ لو، مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے کااندیشہ ہے۔۔ اور انہوں نے تمام شہروں میں یہی حکم جاری کر دیا"۔ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری کے باب کتاب العلم میں عبد اللہ بن دینار سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ: "عمر بن عبد العزیز نے ابو بکر بن حزم کی طرف خط لکھا: رسو ل اللہ ﷺ کی جو بھی احادیث ہیں ان کو دیکھو اور لکھ لو، مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے ختم ہو جانے کااندیشہ ہے، اور نبی ﷺ کی حدیث کے علاوہ کوئی شے قبول نہ کرنا اور علم کو پھیلاؤ اور (اس کے لئے) بیٹھا کرو تا کہ جو نہیں جانتا اس کو علم سکھا یا جا سکے۔ علم صرف تب ہی ضائع ہوتا ہے جب پوشیدہ رکھا جائے"۔

عمر بن عبد العزیز کے بعد محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری آئے جن کی ولادت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عہدِ خلافت کے آخر میں ۵۸ ہجری میں ہوئی۔یہ وہی سال ہے جس میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ ان کے شیوخ میں سے ایک جلیل القدر صحابی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بعض چھوٹے صحابہ او ر اکابر تابعین کے ساتھ رہے۔ اپنے وقت میں وہ حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں: " صحیح ترین سند زہری کی سالم بن عبد اللہ سے اور ان کی اپنےوالد سے روایت ہے"۔ زہری نے صحابہ سے جو کچھ بھی سنا اسے مدون کر لیا۔ حافظ ابو الحجاج المزی اپنی کتاب" تهذيب الكمال في أسماء الرجال" میں ذکر کرتے ہیں کہ زہری کے سارے مجموعہِ احادیث میں

1۔ جو شخص تدوینِ حدیث کی تاریخ سے متعلق اور زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے: "کتاب دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ"، تالیف: الکدتور محمد مصطفی الاعظمی اورکتاب فتح الباری کی تحقیق میں پروفیسر سید صقر کی تحریر کی ابتدائی سطور دیکھے۔

۲۲۰۰ احادیث تھیں تاہم وہ ابواب و فصول کی شکل میں نہیں تھیں، بعدازاں احادیث کی موضوعات کے لحاظ سے تصنیف و تبویب ہوئی۔ ان کے بعد ان کے شاگرد آئے جن میں سے ایک مالک بن انس تھے (۹۳ھ-۱۷۹ھ) جو کتاب "موطا الاما م مالک" کے مصنف ہیں۔ وہ امام الائمہ اور عالم المدینہ تھے۔ ان کے بارے میں امام شافعی ؒ کا قول ہے: "اللہ کی کتاب کے بعد مالک بن انس کی کتاب سے زیادہ نفع بخش کتاب کوئی نہیں "۔ یہ قول اس وقت کا ہے جب ابھی صحیح بخاری منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ سب سے پہلے جن شخصیات نے احادیث کی قسم بندی کی اور ان کو ابواب کے لحاظ سے ترتیب دیا ان میں مدینہ کے اندر مالک بن انس، مکہ میں جریج، بصرہ میں ربیع بن صبیح یا سعیدبن ابی عروبہ یا حماد بن سلمہ، کوفہ میں سفیان ثوری، شام میں اوازعی، یمن میں ہشیم بن بشیر اور معمر، رَے میں جریر اور خراسان میں ابن المبارک تھے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ العراقی کہتے ہیں: "یہ سب لوگ ایک ہی زمانے کے تھے اور معلوم نہیں کہ ان میں سے سبقت کس کو حاصل ہوئی، یہ ۱۴۳ ہجری کے لگ بھگ کی بات ہے"۔[1]

اہلسنت کے لوگوں نے تابعین کے زمانے میں تدوین کا کام شروع کیا جنہوں نے حدیث جمع کرنے، صحیح حدیث کی تحقیق و جستجو اور حدیث قبول کرنے کے لئے شرائط وضع کرنے پر بہت توجہ دی۔ یہ سب کچھ دوسری صدی ہجری کے اختتام اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں ہوا جب علماء نے مستقل تصنیفات میں احادیث کو الگ طور پر جمع کرنے کی ابتداء کی۔ اس دور میں مصنفین کے مناہج کی کئی اقسام تھیں۔ ا ن میں سے کسی نے صحیح احادیث کو جمع کر کے ان کو فقہی ابواب میں تقسیم کیا جیسے امام بخاری، کسی نے مسانید تالیف کیں اور ان کو راوی کے نام کے لحاظ سے تقسیم کیاجیسے مسند امام احمد بن حنبل ۔ اسی طرح کُتب السنن بھی سامنے آئیں جیسے سنن ابی داؤد۔ علماء جب صحیح و سقیم احادیث کے بیان سے فارغ ہو گئے تو تہذیب کا دور آیا۔چوتھی صدی ہجری کے بعد حدیث پر ہر پہلو سے توجہ دی گئی بایں طو رکہ اس دور میں کتب الاطراف، کتب الزوائد او رکتب الجوامع منظر عام پر آئیں جن میں حدیث کی آخری حد تک تحقیق کی کاوش کی گئی۔ اسی طرح متون کی شروحات، کتب غریب الحدیث، کتب المصطلح، ایک خاص نوع کی احادیث پر مشتمل کتب اوراحادیث متواترہ کی کتب سامنے آئیں۔

1۔ دیکھیں: موطا امام مالک، الجزء الاول، مقدمہ۔

تابعین جو صحابہ صادقین کے پوتے تھے سچائی اور امانت کے ساتھ تدوین کی راہ پر گامزن رہے۔ رفیع ابو العالیہ الریاحی البصری جو اکابر تابعین میں سے تھے کہتے ہیں: "ہم بصرہ میں اصحابِ رسول ﷺ کی سند سے ایک روایت سنتے تاہم ہمیں تب تک چین نہ آتا جب تک کہ ہم مدینہ جا کر ان کے منہ سے وہ نہ سن لیتے"۔[1]

صحابہ و تابعین اور تبع تابعین نے اخبار کو قبول کرنے میں تصریح کئے بغیر علمی قواعد کی اتباع کی۔ پھر ان کے بعد اہل علم نے آکر قبولِ اخبار میں معتبر و غیر معتبر لوگوں سے متعلق ان کے مناہج سے قواعد کا استنباط کیا جیسا کہ انہوں نے روایت اور اس کے طُرق، جرح و تعدیل اور ہر اس شے کی شرائط کا استنباط کیا جو ان کے ساتھ ملحق ہیں۔

یہ سب ہمارے لئے علمِ حدیث میں اسناد کی اہمیت اور اس بات کو واضح کرتا ہے کہ امت نے اس پر کس حد تک توجہ دی اور یہ کہ اس ذریعے سے اللہ نے قرآنِ کریم میں اپنے دین کی حفاظت سے متعلق ضائع ہونے اور تحریف سے محفوظ رکھا، اپنے اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے جو اس نے نازل کردہ قرآن کی حفاظت سے متعلق کیا تھا۔

قاضی عیاض کہتے ہیں: "پہلے یہ جان لو کہ حدیث کا مدار اسناد پر ہوتا ہے، اسی سے اس کی صحت واضح ہوتی ہے اور اس کا متصل ہونا ظاہر ہوتا ہے"۔[2]

ابن اثیر کہتے ہیں: "جان لو کہ حدیث میں اسناد ہی اصل ہوتی ہے، اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اسی سے حدیث کی صحت و سقم کا علم ہوتا ہے"۔[3]

سفیان ثوری کہتے ہیں: "اسناد مومن کا اسلحہ ہے، اگر مومن کے پاس اسلحہ ہی نہ ہو تو وہ کس شے سے لڑے گا"۔[4]

1۔ تاریخ دمشق، حرف الراء، اسم رفیع۔

2۔ الإلماع إلى معرفة أصول الرواية وتقييد السماع، ص: ۱۹۴

3۔ جامع الأصول في أحاديث الرسول، ابن الأثير، ج: ۱، ص: ۱۰۹

4۔ اس قول کو خطیب بغدادی نے اپنی کتاب: شرف أصحاب الحديث میں سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہے: ۴۲۔

شعبہ بن الحجاج جو امیر المومنین فی الحدیث کا لقب رکھتے ہیں کہتے ہیں: "حدیث کی صحت، اسناد کی صحت سے جانی جاتی ہے"۔[1]

عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں: "اسناد دین کا حصہ ہے، اگر اسناد نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا"۔

چنانچہ اہلسنت کے ہاں محدثین نے اسناد کو قبولِ حدیث کے لئے بنیاد قرار دیا۔ حدیث کی جب تک صاف ستھری اسناد نہ ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اہلسنت نے اس مبارک امت کے لئے حدیثِ نبوی کو اسانید کے ساتھ نقل کیا اور صحیح کو سقیم سے الگ کر دیا۔ اگر یہ علم نہ ہوتا تو صحیح حدیث ضعیف و موضوع حدیث کے ساتھ ملتبس ہوجاتی اور رسول اللہ ﷺ کا کلام دوسرے لوگوں کے کلام کے ساتھ گڈ مڈ ہو جاتا ۔ جزاهم الله عنا و عن الإسلام خيرا۔

حدیث میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم اہلِسنت کی افضل ترین کتابیں ہیں۔ ابن کثیر البدایہ و النہایہ میں صحیح بخاری کے بارے میں کہتے ہیں: "اسے قبول کرنے اور اس میں جو کچھ ہے اس کے صحیح ہونے پر علماءاور دیگر تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے "۔

امام نووی صحیح مسلم کی شرح کے مقدمہ میں کہتے ہیں: "علماء رحمہم اللہ کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں اور امت نے ان کو قبولیت کے ساتھ اپنایا ہے۔ ان دونوں میں امام بخاری کی کتاب زیادہ صحیح ہے اور اس میں زیادہ فوائد اور ظاہر ی و باطنی معارف ہیں"۔

امام سبکی طبقات الشافعیہ الکبرٰ ی میں لکھتے ہیں: "امام بخاری کی کتاب الجامع الصحیح اللہ کی کتاب کے بعد اسلام کی سب سے بلند رتبہ کتاب ہے"۔

اگر کوئی شیعہ علماء اہلسنت میں علمائے حدیث یا علمائے اصول یا فقہاء میں سے کسی فرد سے اہلسنت کی کتابوں میں موجود کسی حدیث کی اسناد کے بارے میں سوال کرے تو اسے ان کی آراء قریب قریب دکھائی دیں گی اور ان میں عام طور پر اختلاف نہیں ہو گا کیونکہ وہ دقیق و صحیح اور سچے علمی

1۔ دیکھیں: التمهيد لما في الموطأ من المعاني و الأسانيد، أبو عمر القرطبي، ج: ۱، ص: ۵۷

قواعد کی اتباع کرتے ہیں اور ان کے ذریعے سے وہ احادیث نبویہ میں سے صحیح و سقیم کے مابین فرق کرتے ہیں۔

شیعہ کے ہاں تدوینِ حدیث کا آغاز

میں ایسے حقائق پیش کروں گا جو واضح دلائل کے ساتھ ثابت کریں گے کہ تدوینِ حدیث میں شیعہ حضرات نے بہت سی تاخیر کی۔ یہ حقائق خود ان کے اپنے علماء کے اعتراف کے ساتھ واضح کرتے ہیں کہ شیعہ ایک گمراہ قوم ہیں کیونکہ انہوں نے علومِ حدیث کی اہم ترین بنیاد اور اس سے متفرع ہونے والی اشیاء یعنی اسانید، علم الرجال اور راویوں کے احوال کو ضائع کر دیا۔

شیعہ کے ہاں جس شخص نے سب سے پہلے حدیث کی اصطلاحات وضع کیں اور حدیث کے مراتب بیان کئے وہ الحسن بن المطہر الحلی ہیں۔ ابن المطہر کی وفات ۷۲۶ھ میں ہوئی اور یہ زمانہ اہلِ سنت کی بنسبت بہت بعد کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ ابن المطہر وہی ہے جس کا ابن تیمیہ نے اپنی مشہور کتاب (منہاج السنۃ النبویہ) میں رد کیا ہے۔

شیعہ جعفریہ نے خود ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے علم الحدیث کی اصطلاح جس نے وضع کی وہ ابن المطہر الحلی ہیں جیسا کہ ضیاء الدین کی کتاب ضیاء الدرایہ میں ہے۔

جب کہ شیعہ کے شیخ الحائری کہتے ہیں: "معلوم باتیں جن میں کوئی شک نہیں کرتا ان میں سے ایک یہ ہے کہ علمِ درایہ حدیث میں ہمارے علماء میں سے الشہید الثانی سے پہلے کسی نے کچھ تصنیف نہیں کیا"۔[1]

الشہید الثانی حسن بن زین الدین الجبعی العاملی ہیں۔ تاریخ وفات: (۹۱۱-۹۶۵ھ)۔

یہ بات علم میں رہے کہ اہلِسنت و الجماعت میں جس نے سب سے پہلے علومِ حدیث میں کتاب تصنیف کی وہ ابو محمد الحسن الرامہرمزی ہیں جو ۲۶۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۳۶۰ ھ میں ان ک وفات ہوئی۔

چنانچہ علمِ درایت میں اہلِسنت والجماعت اور اثنا عشری شیعہ کے مابین ۶۰۰ سال کا فرق ہے۔

1۔ مقتبس الاثر، ج:۳، ص: ۷۳

اے شیعہ عوام! یہ بات جان لو کہ تمہارے علماء کی طرف سے علومِ حدیث اور علمِ رجال کی کتابوں کی تصنیف اور اسانید کا ذکر اہلِ بیت کی صحیح حدیث تک رسائی کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اس کا سبب اہلسنت و الجماعت کی طرف سے انہیں عار دلانا تھا۔ اس کا اعتراف الحرالعاملی کے نام سے معروف شیعہ عالم یہ کہہ کر خود کرتے ہیں: "جس راوی کے بارے میں یہ بات معلوم نہ ہو (کہ اس نے روایتِ حدیث میں افتراء سے کام نہیں لیا) اس کے بارے میں یہ تو علم ہوتا ہے کہ وہ اصل ثقہ کی روایت تک پہنچنے کا ایک طریق ہے جس سے حدیث نقل کی گئی ہے۔ اس کے ذکر کرنے میں فائدہ صرف حصولِ تبرک ہے بایں طور کہ زبانی تخاطب کے سلسلے میں اتصال پیدا ہو جائے اور عوام الناس (یعنی اہلسنت) کی طرف سے شیعہ کو دلائی جانے والی اس عار کو دور کیا جا سکے کہ ان کی احادیث غیر معنن ہوتی ہیں (یعنی ان میں "عن فلان عن فلان" کی طرز پر سلسلہِ سند نہیں ہوتا) اور یہ ان کے قدماء سے (بنا کسی سلسلہ سند براہِ راست) منقول ہوتی ہیں"۔[1]

باقی رہے رجالِ حدیث کے حالات تو اس کے بارے میں آپ کے پیشِ خدمت باقر الایروانی کا اعتراف ہے۔ یہ مجلسِ نجف اور مجلسِ قم کے اساتذہ میں سے ہیں اور پوری صراحت سے کہتے ہیں کہ: "نجاشی کی اپنی کتاب کی تالیف کے پیچھے سبب مخالفین کے ایک گروہ کی طرف سے شیعہ کو دلائی جانے والی یہ عار تھی کہ ان کے نہ کوئی اسلاف ہیں اور نہ ہی مصنف"۔[2]

ان کے شیخ البحرانی جن کی وفات ۱۱۸۶ھ میں ہوئی کہتے ہیں: "ضروری ہے کہ یا تو ان اخبار کو (قبول کرتے ہوئے) لے لیا جائے جیسا کہ ہمارے متقدمین علماء ابرار نے کیا یا پھر اس دین کے علاوہ کوئی اور دین اور اس شریعت کے علاوہ کوئی دوسری شریعت حاصل کی جائے کیونکہ یہ کم ہے اور پوری نہیں ہے اس لئے کہ اس کے جملہ احکام پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ ان دونوں امور میں سے کسی ایک کی بھی پاسداری کرتے ہیں حالانکہ ان کے علاوہ کوئی تیسری درمیانی صورت بھی نہیں ہے۔ الحمد للہ یہ بات ہر اس دیکھنے والے کے لئے ظاہر ہے جو بے جا رویہ رکھنے والا اور منکر حق نہ ہو"۔[3]

1۔ وسائل الشیعہ: ۲۵۸/۳۰ (عربی کتاب میں صفحہ نمبر ۲۲۵۸ لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے)
2۔ دروس تمهيدية في القواعد الرجالية، ص: ۸۶، باقر الأيرواني۔
3۔ لؤلؤة البحرين، يوسف البحراني، ص: ۴۷

الحر العاملی کا کہنا ہے: "حدیث صحیح وہ ہے جسے ایسے شخص نے روایت کیا ہو جو عادل، امامی اور تمام طبقات میں ضابط ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ تحقیق کی صورت میں تمام احادیث ہی ضعیف قرار پائیں کیونکہ ہمارے علماء نے راویوں کے عادل ہونے کی تصریح شاذ و نادر ہی کی ہے، انہوں نے صرف توثیق کی تصریح کی ہے جو عدالت کو بالکل بھی مستلزم نہیں ہوتی"۔

وہ مزید کہتے ہیں: " اور ہو بھی کیسے جب کہ وہ اس (عدالت) کے برخلاف یوں تصریح کرتے ہیں کہ جس راوی کے فسق و کفر اور فسادِ مذہب کا وہ اعتقاد رکھتے ہیں اس کی بھی توثیق کرتے ہیں!۔ اس سے لازم آتا ہے کہ کسی بھی راوی کی عدالت کا علم نہ ہونے کی بنا پر ہماری ساری احادیث ضعیف ہوں "۔[1]

اسی طرح ان کا کہنا ہے: "اصحابِ اجماع اور دیگر جلیل القدر ثقہ لوگ بھی ضعیف و کذاب اور مجہول افراد سے روایت کرتے ہیں بایں طور کہ وہ ان کا حال جانتےہیں اور ان کی حدیث کی صحت کی گواہی دیتے ہیں!"۔

اسی طرح وہ کہتےہیں: "یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ کتابیں جن پر انہوں (علیہم السلام) نے عمل کا حکم دیا ان کے اکثر راوی ضعیف اور مجہول ہیں"۔[2]

شیعہ کے آیت اللہ خامنائی کہتے ہیں: "اس فن کے بہت سے ماہرین نے جو ذکر کیا ہے اس کی بنا پر کتاب الفہرست کے نسخہ جات میں اکثر قدیم کتبِ رجال جیسے کتاب الکشی، کتاب النجاشی، کتاب البرقی اور کتاب الغضائری کی طرح تحریف و تصحیف ہوئی ہے، ان کو بہت زیادہ ضررر لاحق ہوا ہے اور اس زمانے کے لوگوں تک ان میں سے ایک بھی صحیح نسخہ نہیں پہنچا"۔[3]

کتاب رجال الکشی اگرچہ کتبِ رجال کی اولین کتابوں میں سے ہےتاہم اس کے مصنف ضعیف راویوں سے بہت زیادہ روایت کرنے والے تھے۔ ان کی کتاب میں نجاشی کے بقول بہت زیادہ غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ و ہ ان کے بارے میں کہتے ہیں:" وہ ثقہ اور عین تھے، انہوں نے ضعیف راویوں سے بہت روایت کیا، العیاشی کی صحبت میں رہے، ان سے علم لیا اور تحصیل کی"۔[4]

1. الوسائل، ج: ۳۰، ص: ۲۶۰

2۔ سابقہ مصدر، ج: ۳۰، ص:۲۶۰

3۔ الأصول الأربعة في علوم الرجال، ص: ۳۴، الخامنئ۔

4۔ رجال النجاشی، ص: ۳۷۲

کتاب رجال الکشی کا کیا حال ہو گا جب کہ ہمارے اور اس کے مابین ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے۔ علی الخامنئ نے اعتراف کیا ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے اور اس زمانے تک اس کا ایک بھی صحیح نسخہ نہیں پہنچا۔

بلکہ الکشی اپنی کتاب میں جب راویوں کا ذکر کرتا ہے تو بہت سی روایات کو اسانید کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ اس کی روایات کی اسانید کس طرح صحیح اور مقبول ہوں گی جب کہ وہ ضعیف راویوں سے بہت زیادہ روایت کرتا ہے جیسا کہ اس کے بارے میں نجاشی کا کہنا ہے!؟۔

اس لئےان کے ہاں علم جرح و تعدیل تناقضات اور اختلافات سے بھرا پڑا ہے یہاں تک کہ ان کے شیخ فیض الکاشانی کا کہنا ہے: "جرح و تعدیل اور ان کی شرائط میں اختلافات و تناقضات اور شبہات پائے جاتے ہیں جو اس طرح سے مرتفع نہیں ہوتے کہ ان پر دل کو اطمینان ہوتا ہو جیسا کہ ہر باخبر شخص پر یہ مخفی نہیں۔[1]

یہ شیعہ کے قدیم علماء رجال میں سے ایک مشہور ترین عالم اور اس کی کتاب کا حال ہے جو علم رجال میں شیعہ کی قدیم ترین اور اہم ترین مرجع خیال کی جاتی ہے۔

شیعہ دین کے ضائع ہو جانے کی ایک دلیل یہ ہے کہ میں شیعہ اپنے عوام الناس میں سے ہر فرد کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی مشہور کتابوں میں سے کسی بھی کتاب سے کوئی روایت پڑھے اور پھر اپنے علماء میں سے تین یا چار کے سامنے اسے پیش کرے اور ان سے اس کی سند اور اس بارے میں دریافت کرے کہ وہ کس حد تک صحیح اور ضعیف ہے۔ وہ دیکھے گا کہ وہ بہکی بہکی باتیں کرکے آپس میں اختلاف کریں گے۔ یہ عالم اس سند کو غلط قرار دے گا جو اس کی عقل اور رائے کے مخالف ہو گی اور جو اس کی عقل کے خلاف ہو اس کو دوسرا اس کو درست قرار دے گا۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی بنیاد تو ہے نہیں۔

جیسا کہ فاطمہ زہراء کی پسلی توڑنے کے قصے کی روایت۔ شیعہ سرکردہ محمد حسین فضل اللہ نے گھر میں گھس جانے اور پسلی توڑ دینے والے قصے کا ہی سرے سے انکار کیا ہے کیونکہ ان کی رائے میں اس میں ابہام کی آمیزش ہے اور یہ علی بن ابی طالب کی شجاعت کو گھٹاتا ہے جب کہ دیگر شیعہ علماء اس روایت کی صحت کے قائل ہیں۔

1۔ الوافي، المقدمة الثانية: ۱/۱۱-۱۲

محمد بن حسین فضل اللہ وہ شخص ہے جس کے اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت کی شیعہ کے چالیس سے زیادہ مشہور اکابر علماء اور سرکردہ لوگوں نے گواہی دی ہے اور یہ بات ان کو اہل بناتی ہے کہ وہ مرجع ہوں۔ ان کے بارے میں فوت ہو جانے والے عراقی عالم محمد باقر الصدر کہتے ہیں: "ہر وہ شخص جس نے نجف چھوڑا اس نے نجف کو کھو دیا لیکن سید محمد حسین فضل اللہ نے جب نجف چھوڑا تو ان کو نجف نے کھو دیا"۔ ان کے بارے میں ایرانی عالم علی الخامنئ علماء لبنان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس عظیم نور کی حفاظت کرو جو تمہارے سامنے ہے یعنی فضل اللہ کی"۔

لیکن جب محمد فضل اللہ نے پسلی توڑنے والے قصے کا انکار کیا اور بعض مسائل اور اخبار میں ان سے اختلاف کیا جیسے علی اور ائمہ کے بارے میں غلو کرنا، اذان کے الفاظ میں زیادتی کا انکار کرنا اور خلفاء وصحابہ کی تکفیر اور ان کے سب و شتم کے معاملے پر ان کی مخالفت کرنا۔ چنانچہ محمد فضل اللہ کا کہنا تھا: میں ذاتی طور پر کسی بھی صحابی کو گالی دینا حرام قرار دیتا ہوں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی نے صحابہ کے بارے میں اپنے اس فرمان کے ذریعے کلام فرمایا کہ:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ تَرَىٰهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبۡتَغُونَ فَضۡلًا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنًاۖ سِيمَاهُمۡ فِي وُجُوهِهِم مِّنۡ أَثَرِ ٱلسُّجُودِ﴾ [الفتح: ۲۹]

«محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھوگے اُنہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤگے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں»۔

اس پر شیعہ ذرائع ابلاغ نے فضل اللہ کے خلاف طعن زنی، سب و شتم اور استہزاء کی اخلاق سے گری ہوئی اور بدترین مہم کا آغاز کر دیا یہاں تک کہ اسے کافر قرار دے ڈالا، اس پر لعنت کی اور جب اس کی وفات کی خبر سنی تو ایک دوسرے کو مبارک بادیں دی۔

نور الدین الجزائری المالکی جو داعیانِ اہلسنت میں سے ہیں شیعہ سے مناظرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: " کچھ سال پہلے ہمارے شیخ الیامی نے اثنا عشری شیعہ کے علماء اور شیوخ کو چیلنج کیا کہ وہ اپنی شرائط کے لحاظ سے نبی ﷺ کی ایک صحیح اور متصل السند حدیث لے آئیں تاہم اس لمحے تک اثنا عشری شیعہ

ایک صحیح حدیث ایجاد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یقیناً یہ چیلنج خوب سوچ سمجھ کر اور اثنا عشری شیعہ کی اسانید و روایات میں پوری تحقیق و بحث کے بعد دیا گیا تھا"۔

اثنا عشری شیعہ جانتے ہیں کہ ان کے پاس نبیﷺ کی ایک بھی صحیح اور متصل السند حدیث نہیں ہے۔ اس کی گواہی الحر العاملی دیتے ہیں جو اپنی کتاب وسائل الشیعہ، جزء: ۳۰، ص: ۲۶۰ پر لکھتے ہیں: "لوازم باطل ہیں اس لئے ملزوم بھی باطل ہے۔ بلکہ یہ اس بات کو لازم ہے کہ تحقیق کے بعد تمام احادیث ضعیف ٹھہریں کیونکہ ان کے ہاں صحیح حدیث وہ ہے: جس کو ایسا شخص روایت کرے جو عادل ہو، امامی ہو اور تمام طبقات میں ضابط ہو"۔ اسی صفحے پر وہ ایک موضوع کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: "نئی اصطلاح والے اصحاب نے راوی کے اندر عدالت کو شراط قرار دیا ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہماری تمام احادیث میں ضعف ہو کیونکہ ان میں سے کسی کی عدالت کا شاذ و نادر ہی علم ہوتا ہے"۔

کیا اثنا عشری شیعہ کے پاس نبیﷺ کی کوئی ایک بھی متصل السند حدیث ہے؟

ان سطور کے لکھنے تک تو اثنا عشری شیعہ خود اپنی شرائط کے لحاظ سے نبیﷺ کی ایک بھی صحیح اور متصل السند حدیث پیش نہیں کر سکے۔اس سے پہلے کہ ہم اثنا عشری شیعہ کی احادیث کو ضعیف قرار دیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ہماری طرف سے ان کو ضعیف قرار دینے کا سبب کیا ہے؟۔

سبب تو واضح طور پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اثنا عشری عقیدہ انسانی ساختہ مذہب ہے نہ کہ اللہ کی طرف سے دیا ہوا دین۔ ایسا کیوں کر نہ ہو جب کہ وہ نبیﷺ کی طرف منسوب اپنی احادیث کا اثبات بھی نہیں کر سکے۔

کیا جعفر کی احادیث نبیﷺ کی احادیث ہیں؟

اثنا عشری شیعہ کی احادیث کو صحیح قرار دینے میں جو سب سے بڑی مشکل ان کو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اسانید صادق یا باقر یا ہادی یا ان کے علاوہ دیگر ائمہ تک پہنچتی ہیں۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا رسول اللہﷺ کی احادیث وہی ہیں جو صادق رحمہ اللہ کی احادیث ہیں؟ جواب یقیناً نہیں میں ہے۔ یہ بات وضاحت طلب ہے کیونکہ نبیﷺ کی وفات ۱۱ ہجری میں ہوئی تھی اور جعفر صادق کی پیدائش ۸۰ ہجری میں ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ ان امور کو کس طرح روایت کر سکتے ہیں جو ان کی تاریخِ پیدائش سے ۶۹ برس پہلے واقع ہوئے؟۔

اس اشکال کو حل کرنے کے لئے اثناعشری شیعہ کئی داؤ پیچ کھیلتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں سے بعض حدیث "حديثي حديث أبي" سے استدلال کرتے ہیں ۔ الکلینی اپنی کتاب الکافی، ج:۱، ص: ۵۳، باب رواية الكتب و الحديث و فضل الكتابة و التمسك بالكتب میں علی بن محمد سے روایت کرتے ہیں، وہ سہل بن زیاد سے، وہ احمد بن محمد سے، وہ عمر بن عبد العزیز سے، وہ ہشام بن سالم سے، وہ حماد بن عثمان اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو کہتے ہیں: ہم نے ابو عبداللہ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: میری حدیث، میرے والد کی حدیث ہوتی ہے اور میرے والد کی حدیث میرے دادا کی حدیث ہوتی ہے اور میرے دادا کی حدیث حسین کی حدیث ہوتی ہے اور حسین کی حدیث حسن کی حدیث ہوتی ہے اور حسن کی حدیث امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث ہوتی ہے اور امیر المومنین کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اللہ عز و جل کا فرمان ہوتا ہے۔

یہ حدیث نبی ﷺ کے اور صادق کے مابین منقطع سند کو متصل بناتی ہے لیکن ذرا ٹھہریئے:

یہ حدیث کئی امور کی بنا پر درست نہیں ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ مجلسی نے مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسول، ج: ۱، ص: ۱۸۲ پر اسے ضعیف ٹھہرایا ہے: (چودھویں حدیث) ضعیف علی المشھور.

مجلسی کی طرف سے ضعیف قرار دیئے جانے کے ساتھ ساتھ اس سند کی روایت میں سہل بن زیادہ ہے۔ اس کے بارے میں ان کے علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ المفید من معجم رجال الحدیث: محمد الجواہری، ص: ۲۷۳، ترجمہ نمبر: ۵۶۳۰، سہل بن زیاد: ابو سعید الآدمی الرازی، کامل الزیارات اور تفسیر القمی میں روایت ہے کہ یہ قطعی طور پر ضعیف ہے یا اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔ اس نے ۲۳۰۴ روایات روایت کی ہیں۔

میں کہتا ہوں، اور ابھی تک گفتگو نور الدین الجزائری کی ہی چل رہی ہے:

یہ حدیث اثنا عشری شیعہ کے نزدیک جعفر صادق سے نبی ﷺ تک اتصالِ سند کی سب سے قوی دلیل سمجھی جاتی ہے جب کہ یہ روایت جیسا کہ ظاہر ہے سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔

ہو سکتا ہے کہ شیعہ تدلیس کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کریں کہ: "ہم اسے اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں پاتے آ رہے ہیں"۔ اس حدیث کو الصفار نے اپنی کتاب بصائر الدرجات، ص:

۳۱۹، باب: ۱۴ میں ائمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کے پاس اس علم کے اصول ہیں جن کو انہوں نے نبی ﷺ سے وراثت میں پایا ہے، وہ اپنی رائے کے ساتھ کچھ نہیں کہتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ احادیث جعفر الصادق کی صداقت اور ان کے ثقہ ہونے کا اثبات کرتی ہیں جب کہ ہم ان کا اثبات کر ہی نہیں رہے بلکہ ہم تو جعفر صادق سے لے کر نبی ﷺ تک سند کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

اثنا عشری شیعہ کی سب سے قوی سند کی تضعیف:

یقینا اثنا عشری شیعہ کی قوی ترین سند پر توجہ دینا بہت اہم ہے کیونکہ اگر سب سے قوی سند کو ضعیف و ساقط قرار دے دیا جائے تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر اس سے کم قوت کی حامل اسانید خود بخود گر جائیں گی۔ اثنا عشری شیعہ کے نزدیک سب سے قوی سند کون سی ہے؟

علی بن ابراہم جو اپنے والدابراہیم بن ہاشم سے، وہ ابن ابی عمیر، وہ ھشام بن سالم سے، وہ زرارہ سے اور وہ الصادق سے۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ سند صحیح ہے لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور سند کو ضعیف قرار دینے سے پہلے اس کی وضاحت ضروری ہے ۔ سند کا ضعف ابراہیم بن ہاشم میں پنہاں ہیں۔ وہ اس لئے کہ اس شخص کی متقدمین علماء رجال میں سے کسی نے توثیق نہیں کی، نہ الکشی نے، نہ الطوسی نے، نہ النجاشی نے اور نہ ہی الحلی نے۔ جب حدیث کی تقسیم کی گئی تو ان کے علماء کو مجبوراً اس شخص کی توثیق کرنی پڑی ۔ اس کے ساتھ ساتھ ابراہیم بن ہاشم کی توثیق اُس بنا پر ہے جو اس کے بیٹے نے تفسیر القمی کے مقدمے میں کہی ہے ۔ وہ جزء۱، صفحہ: ۴ پر کہتا ہے: "ہم اسی بات کو ذکر کرتے ہیں اور اسی کی خبر دیتے ہیں جو ہم تک پہنچی ہے اور جسے ہمارے مشائخ اور ثقات نے ان لوگوں سے روایت کیا ہے جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی اور جن کی ولایت واجب ٹھہرائی اور ہر عمل انہی کے واسطے سے قبول ہوتا ہے"۔

اس کلام کی نسبت ابراہیم بن ہاشم کی طرف کرنا بھی درست نہیں کیونکہ تفسیر قمی کی نسبت علی بن ابراہیم کی طرف صحیح نہیں ہے کم ازکم وہ نسخہ جو آج کل متداول ہے۔ ہم دیکھتے ہیں جس شخص نے تفسیر روایت کی، وہ ابو الفضل العباس بن محمد بن القاسم بن حمزہ بن موسی بن جعفر ہے۔

شاہرودی اپنی کتاب مستدرکات علم رجال الحدیث، جزء: ۴، صفحہ: ۳۵۷- ترجمہ (حالات زندگی) نمبر: (۷۴۶) العباس بن محمد بن القاسم بن حمزہ بن موسی بن جعفر کی ابو الفضل سے روایت کو ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ابراہیم بن ہاشم کی توثیق کے لئے کوئی دلیل نہیں بلکہ شیعہ کے متاخرین علماء نے اپنے جاں بلب عقیدے کو بچانے کے لئے اس کی توثیق کی۔

مجہول راویوں کی کثرت:

اثنا عشری شیعہ کو اپنی روایات کی تصحیح میں جن اشکالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں سے مجہول راویوں کی کثرت ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ان کے متاخرین علماء جو بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں(المامقانی،الخوئی، الاردبیلی اور الشاہرودی) نے عمومی توثیق کا سہارا لیا۔ مثال کے طور پر ہر اس راوی کی توثیق کر دی جو جعفر بن قولویہ القمی (وفات: ۳۶۸ھ) کی کتاب کامل الزیارات کی اسناد میں آیا تھا۔ بعد ازاں جب وہ تناقض کا شکار ہوا تو اپنی کتاب معجم رجال الحدیث میں اس نے اس قاعدے کو چھوڑ دیا اور صرف ابن قولویہ کے شیوخ کی توثیق کرنے لگا۔

ان کی مرویات اور کتابوں میں مجہول راویوں کی تعداد جاننے کے لئے مثال کے طور پر الخوئی کو لیتے ہیں۔ الخوئی نے اپنی کتاب معجم رجال الحدیث میں ۱۵۶۷۸ راویوں کے حالات زندگی درج کئے ہیں۔ ان میں سے ۸۰۶۹ پر اس نے مجہول ہونے کا حکم لگایا جن میں سے ۷۹۸۲ مرد اور ۸۷ عورتیں ہیں۔ یہ اعداد و شمار محمد الجواہری کی کتاب المفید من معجم رجال الحدیث پر بھی پورا اترتے ہیں جو الخوئی کے شاگرد ہیں اور جنہوں نے اپنے شیخ کی کتاب معجم رجال الحدیث کی تلخیص کی۔

اہلسنت اور شیعہ کی اہم اور مشہور کتبِ حدیث کی تدوین کی تاریخ

اس بات کی واضح دلیل (جاننے کے لئے) کہ اہلسنت تدوینِ حدیث میں شیعہ پر سبقت رکھتے ہیں شیعہ عوام کو چاہئے کہ وہ بذاتِ خود ان متقدمین اور اہم ترین افراد کی تاریخ پر نظر دوڑائیں جنہوں نے ان کی مشہور کتابوں میں اپنی روایات لکھیں اوراس کا موازنہ اہلسنت کے اہم اور قدیم مدوِنین اور ان کی مشہور کتابوں کے ساتھ کریں۔ وہ دونوں کے مابین بہت فرق پائیں گے۔

صرف یہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اہلسنت تدوین میں سبقت رکھتے ہیں۔

شیعہ کے اہم مولفین میں سے ایک محمد الصفار القمی (وفات: ۲۹۰ھ) ہیں۔ محمد الصفار ہی ہیں جنہو ں نے قدیم زمانے میں اپنی کتاب (بصائر الدرجات) میں شیعہ کے سب سے زیادہ آثار جمع کئے۔ ان

کے بعد ان کے شاگرد الکلینی اور ابن بابویہ القمی آئے۔ الکلینی (جو تیسری صدی ہجری کے نصف میں پیدا ہوئے اور ۳۲۷ھ میں ان کی وفات ہوئی) نے اپنی کتاب (الکافی) کے ذریعے چوتھی صدی ہجری میں اس میدان میں تالیف کی نئے سرے سے بنا ڈالی۔ پھر ابن بابویہ القمی آئے جو شیعہ کے ہاں الصدوق کے لقب سے جانے جاتے ہیں (اور جن کی پیدائش چوتھی صدی ہجری کی ابتداء میں اور وفات ۳۸۱ ہجری میں ہوئی)۔ انہوں نے اپنی کتاب (من لا یحضرہ الفقیہ) تصنیف کی۔ پھر طوسی جو ۳۸۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۴۶۰ہجری میں ان کی وفات ہوئی، نے آ کر اپنی دو کتابیں (التھذیب) اور (الاستبصار) لکھیں۔ اس طرح سے یہ چار کتابیں شیعہ کے ہاں معتمد اور اہم ٹھہریں جو سب کی سب اہلسنت کی طرف سے سنت نبویﷺ کی تدوین کے زمانے سے بہت بعد کی ہیں۔

یہ چار کتابیں شیعہ کے نزدیک ان معتمد علیہ آٹھ جوامع میں سے ہیں جن کو وہ متقدمہ کا نام دیتے ہیں۔ جب کہ باقی چار مجامع یہ ہیں: وسائل الشیعہ، الحر العاملی کی تصنیف جو ۱۱۰۴ھ میں فوت ہوئے۔ بحار الانوار، المجلسی کی تالیف جن کی وفات ۱۱۱۱ھ میں ہوئی۔ الوافی، الکاشانی کی تصنیف جو ۱۰۹۱ھ میں فوت ہوئے اور مستدرک الوسائل، الطبرسی کی تالیف جن کی وفات ۱۳۲۰ھ میں ہوئی۔

جہاں تک تعلق ہے بعد میں لکھی جانے والی چار مجامع کا، تو وہ دراصل متقدمین کی چار بنیادی کتابوں ہی کا ایک مکرر نسخہ خیال کی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی جو کہ تدوین کی تاریخ کا اثبات ہے۔

سنت کی تدوین و تصنیف میں اہلسنت کے اہم اور قدیم علماء یہ ہیں:

مالک بن انس جن کی پیدائش ۹۳ ہجری اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی، الموطاؒ کے مصنف۔

احمد بن محمد بن حنبل جو ۱۶۴ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ہجری میں ان کی وفات ہوئی ۔ ان کی تقریبا ۱۶ تصنیفات ہیں جن میں اہم ترین مسند ہے۔ اس میں انہوں نے تیس ہزار احادیث درج کی ہیں۔

محمد بن اسماعیل البخاری جو ۱۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ہجری میں فوت ہوئے۔

ابو داؤد سلیمان الازدی جو اپنی کتاب سنن ابو داؤد کی بنا پر مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش ۲۰۲ ہجری میں اور وفات ۲۷۵ ہجری میں ہوئی۔

مسلم بن الحجاج بن مسلم جن کی پیدائش ۲۰۶ ہجری اور وفات ۲۶۱ ہجری میں ہوئی۔

محمد الترمذی جو ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

محمد بن یزید بن ماجہ جو اپنی کتاب سنن ابن ماجہ کی وجہ سے مشہور ہیں۔ وہ ۲۰۹ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۷۳ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ وہ علمِ حدیث کے امام ہیں۔

شیعہ مذہب کے بانیان اپنی کتابوں میں اہلسنت کی کتابوں سے روایات نقل کرتے ہیں جو تدوین میں ان سے بیسیوں سال سبقت رکھتے ہیں:

جب ہم شیعہ کے قدماء مدوِنین کی اہم کتابوں میں ایسی روایات دیکھتے ہیں جو اہلسنت کی کتابوں میں منقول ہیں اور یہ ان کی کتابوں سے بہت عرصہ پہلے مدوّن کی گئی ہیں۔ تو یہ بات ہم پر بہت سی اہم اشیاء واضح کرتی ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

اول: شیعہ مذہب کے بانیان کی دیدہ دلیری، ان کا اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھنا اور اہلِسنت کی کتابو ں سے نقل کردہ الفاظِ حدیث کے ساتھ کھلواڑ کرنا اور اپنی ہوائے نفس کی خاطر ان میں تغیر کرنا اور ان کو اپنی کتابوں میں نقل کرنا۔

دوم: مبینہ مذہبِ تشیع کے بانیان نے کس طرح اس ولایت کو گھڑا جس پر اللہ تعالی نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی تھی اور ائمہ کی طرف وہ باتیں گھڑ گھڑ کر منسوب کیں جو انہوں نے نہیں کہیں تھیں تا کہ وہ کچھ مشروع کر سکیں جو ان کے دین سے موافقت رکھتا ہو ۔ چنانچہ کتبِ اہلسنت میں موجود صحیح احادیث کا انہوں نے فائدہ اٹھایا، ان کو اپنی کتابوں میں نقل کیا اور ان کے نبوی مضمون کو اپنے سانچہِ فریب میں ڈھالا۔ تا کہ حسنِ الفاظ اور قوت بیان کے ساتھ اپنے پیروکاروں کے اعتماد کو مضبوط کر سکیں ۔

سوم: نبی ﷺ کے حقوق تلف کرنا اور آپ ﷺ کے علم کو کسی اور کی طرف منسوب کرنا۔

چہارم: یہ بات بنا کسی شک کے اس چیز کی نشاندہی کرتی ہے کہ شیعہ کے پاس اسناد نہیں ہے اور اس طرح سے یہ لوگ اہلِ حدیث نہیں ہیں۔

یہاں میں شیعہ عوام کو کہوں گا کہ وہ دونوں فریقین کے قدیم مصادرِ حدیث کی طرف رجوع کریں اور خود دیکھیں کہ ان میں کتنی ایسی احادیث ہیں جن کو شیعہ نے اہلسنت کی کتابوں سے نقل کیا اور ان میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کردی۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے اس فرمان کے ذریعےاس طرح کے دھوکے بازوں اور داعیانِ ضلال کے بارے میں متنبہ فرمایا جو ان کا سا طرزِ عمل رکھتے ہوں:

﴿وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ [آل عمران: ۷۸]

«وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں»۔

اہلسنت کی کتابوں سے ان کی بعض چوریوں کی ایک مثال:

پہلے ہم ان کے قدیم ترین مصنف کی طرف آتے ہیں جو محمد بن الحسن بن فروخ الصفار ہیں۔ باخبر لوگوں سے کوئی فرد اگر اہلسنت کی کتبِ حدیث پر ایک نظر ڈال لے اور پھر الصفار کی بصائر الدرجات پر ان کی تطبیق کرے تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ الصفار نے اپنے عقائد کی خدمت اور اپنی چوری چھپانے کے لئے کچھ تقدیم و تاخیر کرتے ہوئے اوائل اہلسنت کی کتابوں سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ مثال کے طور پر بصائر الدرجات کے پہلے جزء میں ایک نادر باب ہے اور وہ باب یہ ہے کہ لوگوں کی تین اقسام ہیں: عالم، متعلم اور گھٹیا لوگ۔۔۔ الصفار نے علم کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں سے کچھ وہ ہیں جو اس نے ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں جب کہ وہ دراصل کتب اہلسنت میں نبی ﷺ کی احادیث ہیں۔

اگر ہم الصفار کی ساری تالیفات اور ان کے متعدد ابواب کی جانچ پڑتال کریں تو وہ احادیث کس قدر ہوں گی جو اس نے اہلسنت کی کتابوں سے نقل کر کے ان کے الفاظ تبدیل کر دیئے، تاکہ ان کو ائمہ کی طرف منسوب کر سکے اور یوں اسلام میں اس امامت کو ثابت کر سکے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

ان روایات میں سے ایک یہ ہے کہ: ابو البختری، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: "علماء انبیاء کے وارث ہیں، وہ اس طرح کہ انبیاء نے اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے بطورِ وراثت اپنی احادیث چھوڑی ہیں۔ جس نے ان احادیث میں سے کچھ حصہ پا لیا اس نے ایک وافر حصہ پا لیا۔ چنانچہ اپنے اس علم پر نظر رکھو کہ تم اسے کس سے لے رہے ہو۔ اے اہلِ بیت! ہمارے بعد آنے والی ہر نسل میں کچھ عادل لوگ ہوں گے جو اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرست لوگوں کی طرف سے منسوب کی جانے والی من گھڑت باتوں اور جاہل لوگوں کی تاویل کو اس سے دور کریں گے"۔

اس روایت کو ان کے شاگرد الکلینی نے الکافی، باب صفۃ العلم، ص: ۳۲ پر ذکر کیا ہے۔۔ البحتری، ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "علماء انبیاء کے وارث ہیں، یعنی انبیاء نے اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے بطورِ وراثت اپنی احادیث چھوڑی ہیں۔ جس نے ان احادیث میں سے کچھ حصہ پا لیا اس نے پوراپورا حصہ پا لیا۔ چنانچہ اپنے اس علم کو دیکھو کہ تم اسے کس سے لے رہے ہو۔ اے اہلِ بیت! ہمارے بعد آنے والی ہر نسل میں کچھ عادل لوگ ہوں گے جو اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرست لوگوں کی طرف سے منسوب کی جانے والی من گھڑت باتوں اور جاہل لوگوں کی تاویل کو دور کریں گے"۔

الصفار نے نبی ﷺ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ: "اللہ تعالی نے فرمایا کہ جو شخص طلبِ علم میں کسی راہ پر گامزن ہوا اس کے لئے میں جنت کی راہ آسان کر دوں گا"۔

ابوعبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "اچھی بات سکھانے والے کے لئےزمین کے چوپائے، سمندر کی مچھلیاں اور اللہ کی زمین و آسمان میں موجودہر چھوٹی بڑی شے دعائے مغفرت کرتی ہے "۔

حسن بن زید بن علی بن حسین اپنے والد سے اور وہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ : "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

شیعہ کی سابق الذکر روایات کے بہت سےالفاظ ابو داؤد اور ترمذی کے ہاں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے ہیں جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جو شخص تلاشِ علم میں کسی راہ پر گامزن ہوا اس کے لئے اللہ جنت کی طرف جانے کا راستہ آسان کر دے گا اور فرشتے طالبِ علم کے عمل پر خوش ہوتے ہوئے اپنے پر اس کے لئے بچھا دیتے ہیں۔۔ اور عالم کے لئے زمین و آسمان میں موجود ہر شے دعائے مغفرت کرتی ہے حتی کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی۔ اور عالم شخص کی عابد پر فضیلت ایسے ہی ہے جس طرح چاند کی تمام تاروں پر ۔اور علماء انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء نے وراثت میں کسی کے لئے دینار و درہم نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے تو بس علم کو وراثت میں چھوڑا ہے۔ جس نے وہ علم پا لیا اس نے پورا پورا حصہ پا لیا"۔[1]

1۔ سنن أبي داود، ۴۳۲/۳، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، حدیث ان الفاظ کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ سنن ترمذی میں بھی آئی ہے: ۱۵۳/۴، کتاب العلم، باب فضل الفقہ علی العبادۃ، سنن ابن ماجۃ، ۱۸۱/۱

الکلینی کی الکافی میں ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ: "روزِ قیامت اللہ تعالی تین افراد کی طرف نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک فرمائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے: وہ شخص جس نے اللہ کی طرف سے امامت کا دعوی کیا حالانکہ وہ اس کے لئے نہیں تھی، وہ شخص جس نے اللہ کی طرف سے متعین کسی امام کا انکار کیا اور وہ شخص جس نے عقیدہ رکھا کہ ان دونوں افراد کا اسلام میں کچھ حصہ ہے"۔(1)

جب کہ الکلینی کی روایت کردہ اس حدیث کا آغاز دراصل امام مسلم کی روایت میں ہے جو الکلینی سے پہلے آئے تھے: آپ ﷺ نے فرمایا: روزِ قیامت اللہ تعالی تین افراد سے نہ تو کلام کریں گے اور نہ ان کی طرف دیکھیں گے اور نہ ہی ان کو پاک فرمائیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا: اپنی ازار کو (ٹخنوں کے نیچے تک) لٹکانے والا، کسی کو کوئی چیز دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔(2)

اسی طرح الکلینی نے اپنے امام موسی بن جعفر کی ان کے بڑے بھائیوں کے مقابلے میں امامت کے زیادہ حق دار ہونے کے بارے میں اہلسنت (جو تدوین میں الکلینی پر سبقت رکھتے ہیں) کی کتابوں میں موجود قصے سے ملتا جلتا ایک قصہ ذکر کیا ہے کہ ایک شخص موسی بن جعفر کے پاس آیا اور اس نے ان سے امام کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: " اگر میں تمہیں بتا دوں تو تم مان لو گے؟"۔ اس نے کہا: کیوں نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں۔ انہوں نے فرمایا: "امام میں ہوں"۔ اس شخص نے کہا: "کوئی ایسی چیز جس سے میں استدلال کر سکوں؟"۔ انہوں نےفرمایا: " اس درخت کی طرف جاؤ، انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیکر کے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے کہو: تم سے موسی بن جعفر کہہ رہے ہیں کہ ان کی طرف آؤ"۔ وہ شخص کہتا ہے: "میں درخت کے پاس آیا (اور اسے موسی بن جعفر کا پیغام دیا)، اللہ کی قسم !میں نے دیکھا کہ وہ زمین پھاڑتے ہوئے آکر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر جب انہوں نے اس درخت کو اشارہ کیا تو وہ واپس چلا گیا"۔(3)

1۔ الکافی: ۳۷۳/۱

2۔ صحیح مسلم: ۱۰۶

3۔ الأصول من الكافي، ج: ۱، ص: ۳۵۲، باب ما يفصل به بين دعوى المحق و المبطل في أمر الإمامة.

اصل میں یہ روایت ترمذی کی ہے جس کو انہوں نے الکلینی کی پیدائش سے بھی پہلے ذکر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگا: "میں کس شے سے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں اس کھجور پر موجود اس خوشے کو بلاؤں اور وہ آکر گواہی دے میں اللہ کا رسول ہوں (تو تم مان لو گے؟)۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا تو وہ کھجور سے نیچے اترنا شروع ہو گیا اور نبی ﷺ کے پاس آ گرا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: "واپس چلے جاؤ" تو وہ واپس چلا گیا۔ اس پر اعرابی شخص نے اسلام قبول کر لیا"۔[(1)]

الکافی میں ہے: حماد بن بشیر سے روایت ہے کہ: "میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز و جل کا فرمان ہے: جس نے میرے کسی ولی کی توہین کی وہ میرے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ میرا کوئی بندہ کسی ایسی شے کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اگر وہ مجھے بلائے تو میں اس سے محبت کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو دیتا ہوں۔ جس کا م کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں میں ایسے ہی تردد نہیں کرتا جس طرح میں اپنے مومن بندے کی موت میں تردد کر تا ہوں۔ وہ موت ناپسند کرتا ہے اور میں اس کو تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں"۔[(2)]

اس حدیث کی اصل صحیح بخاری، باب ذکر اللہ و التقرب إلیہ میں ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی مول لی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔میرا کوئی بندہ کسی ایسی شے کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ بندہ نوافل

1۔ الترمذی: رقم: ۳۶۲۸

2۔ الأصول من الکافي، ج: ۲، ص: ۳۵۲، باب من آذی المسلمین و احتقرھم۔

کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے، اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے، اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ جس کام کو میں کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اس میں میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح میں اپنے مومن بندے کی جان قبض کرنے میں تردد ہوتا ہے۔وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کو تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں تاہم اس کے لئے یہ ضروری ہے"۔

اسی طرح تفسیر قمی میں ہے: " لوگ یوم محشر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے (اور شفاعت کے لئے درخواست کریں گے)۔ آپ ﷺ جا کر عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے ۔ اس پر اللہ تعالی فرمائیں گے: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور بولو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگو تمہیں دیا جائے گا"۔[1]

اسی طرح الکافی میں قرآن کے بارے میں ایک لمبی روایت ہے جو ایک آدمی کی شکل میں آئے گا اور عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جائے گا۔ اس پر قرآن سے کہا جائے گا: "اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو، تمہیں دیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی"۔[2]

اس روایت کی اصل صحیح بخاری میں ہے اور امام بخاری نے اسے القمی اور الکلینی کی پیدائش سے بھی پہلے ذکر کیا ہے۔ یہ حدیثِ شفاعت ہے جوایک لمبی حدیث ہے،اس میں ہے کہ: --آپ ﷺ نے قیامت کے دن کے احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا: "میں چل پڑوں گا اور آکر عرش کے نیچے اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا ۔ پھر اللہ مجھ پر (میرا سینہ) کھول دے گا اور اپنی ذات کی حمد و ثناء کے لئے مجھ پر ایک ایسی شے الہام کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولی ہوگی اور پھر فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو، تمہیں دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی

1۔ تفسیر القمی: ۲۵/۲

2۔ الکافی: ۵۹٦/۲

جائے گی۔ میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور کہوں گا: اے میرے رب! میری امت (پر کرم کیجئے)، میری امت (پر کرم کیجئے)"۔[1]

شیعہ کے شیخ الصدوق کی کتاب "ثواب الأعمال و عقاب الأعمال في ثواب الصلاة في مسجد النبي" میں ہے کہ: عبد اللہ بن جعفر، ہارون بن مسلم سے، وہ مسعدہ بن صدقہ سے اور وہ جعفر بن محمد سے اور وہ اپنے آباء علیہم السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری مسجد میں پڑھی گئی ایک نماز اللہ کے ہاں دیگر مساجد میں پڑھی گئی دس ہزار نمازوں کے برابر ہے سوائے مسجدِ حرام کے کہ اس میں پڑھی گئی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے"۔

جب کہ اس حدیث کو امام احمد بن محمد بن حنبل اپنی مسند کے اندر شیعہ کے الصدوق کی پیدائش سے بھی پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری اس مسجد میں پڑھی گئی ایک نماز اس کے علاوہ دیگر مساجد میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے۔ اور مسجدِ حرام میں پڑھی گئی ایک نماز اس (مسجدِ نبوی) میں پڑھی گئی ایک لاکھ نمازوں سے زیادہ افضل ہے"۔

اسی طرح القمی نے اپنی کتاب "ثواب الاعمال" میں محمد بن ہارون سے روایت کیا ہے اور وہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "جس نے بغیر بھولے عصر کی نماز ترک کر دی یہاں تک کہ وہ اس سے چھوٹ ہی گئی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس کے اہل و عیال اور مال کو گم کر دے گا"۔[2]

جب کہ یہ حدیث بخاری مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے: " جس شخص کی نمازِ عصر رہ گئی گویا کہ اس کا مال اور اہل و عیال گم ہو گئے"۔[3]

مسندِ امام احمد بن حنبل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے جان بوجھ کر عصر کی نماز چھوڑ دی یہاں تک کہ وہ اس سے نکل ہی گئی تو اس کے سارے اعمال رائیگاں کر دیئے گئے"۔[4]

1۔ صحیح بخاری: ۱۹۴

2۔ القمی فی ثواب الاعمال، ص: ۲۰۷

3۔ البخاری: ۵۵۲، مسلم: ۶۲۶

4۔ مسند امام احمد بن حنبل: ۲۶۹۴۶

اسی طرح المفید نے ابو عبد اللہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک طویل روایت ذکر کی ہے۔ اس سے ہم اس قدر لیتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: "علی کی ولایت کا انکار کرنے والا بت پرست کی طرح ہے"۔(1)

جب کہ اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں المفید کی پیدائش سے بھی پہلے ابو ہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "شراب نوشی کا عادی بت پرست کی طرح ہے"۔

الکافی میں حسین بن ابی عثمان سے روایت ہے جو خالد الجوان سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ: "تم میں سے جب کوئی نیا کپڑا پہنے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ اس پر پھیرتے ہوئے کہے:

"لحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتي و أتجمل به في الناس و أتزين به بينهم". " تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے ایسا کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں، اس کے ذریعے میں لوگوں کے مابین آراستہ ہوتا ہوں اور زینت اختیار کرتا ہوں "۔(2)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جس نے نیا کپڑا پہنا اور کہا:"الحمد لله الذي كساني ما أواري به عورتي، و أتجمل به في حياتي ثم عمد إلى الثوب الذي أخلق فتصدق به كان في كنف الله، و في حفظ الله و في ستر الله حيا و ميتا". " تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں اور اپنی زندگی میں اس کے ذریعے زیب و زینت اختیار کرتا ہوں" ۔ اور یہ کہہ کر اس نے اس کپڑے کا رخ کیا جسے اس نے پہن کر پُرانا کر دیا تھا اور اسے صدقہ کر دیا تو وہ زندہ و مردہ اللہ کے زیرِ سایہ، اللہ کی حفاظت اور اللہ کے پردے میں رہے گا"۔(3)

1۔ الاختصاص للمفید، ص: ۳۳۰

2۔ الفروع من الکافی، ج: ۵، باب القول عند لبس الجدید۔

3۔ سنن الترمذي: ۴۵، أبواب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۶۰

خطرناک اعترافات جو شیعہ مذہب کی اہم ترین اور بنیادی کتابوں کی حقیقت کا پول کھولتے ہیں:

کتاب الکافی شیعہ مصادر میں سے سب سے بڑا مصدر ہے اور جیسا کہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ بارہویں معصوم امام کی طرف سے توثیق شدہ ہے جن سے کسی خطا اور غلطی کا صدور نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب الکلینی نے کتاب الکافی تالیف کی تو دعوی کیا کہ اس نے اسے بارہویں امام کے سامنے سامراء میں ان کی سرنگ کے اندر پیش کیا تھا۔ اسے دیکھنے کے بعد المھدی نے کہا تھا کہ : یہ ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے۔[1]

لیکن آئیں ہم مل کر کتاب الکافی میں موجود شیعہ کے بعض ثقہ علماء کے اعترافات کا مطالعہ کریں اور پھر میرے محترم! آپ ان کی سب سے بڑی کتاب کے بارے میں خود ہی فیصلہ کرنا۔

شیعہ کے شیخ اور ثقہ حسین بن السید حیدر الکرکی العاملی جن کی وفات ۱۰۷۶ہجری میں ہوئی کہتے ہیں: "کتاب الکافی (پچاس جلدیں) اپنے اندر موجود ہر حدیث کی اسانید کی ساتھ ائمہ کے ساتھ متصل ہے"۔[2]

جب کہ ابوجعفر الطوسی جن کی وفات ۴۶۰ ہجری میں ہوئی وہ کہتے ہیں: "کتاب الکافی تیس (۳۰) جلدوں پر مشتمل ہے"۔[3]

گزشتہ اقوال سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک کے درمیانی عرصے میں کتاب الکافی پر بیس جلدوں کا اضافہ کیا گیا یعنی اس پوری مدت کے دوران کتاب الکافی میں جو اضافہ ہوا اس کی شرح ۴۰ ٪ تک پہنچتی ہے۔

اسی طرح ان کے مابین اختلاف ہے کہ کتاب الروضہ جو الکافی کی کتابوں میں سے ایک کتاب ہے اور اس میں ابواب کا ایک مجموعہ ہے اور ہر باب میں احادیث کی ایک بڑی تعداد ہے، آیا وہ الکلینی کی تالیف ہے یا پھر بعد میں اس کی کتاب الکافی میں اس کا اضافہ کیا گیا؟۔[4]

1۔ دیکھیں: مقدمہ الکافی، ص: ۲۵

2۔ روضات الجنات، ج: ۶، ص: ۱۰۶-۱۰۷

3۔ الفہرست، ص: ۱۶۱

4۔ دیکھیں: روضات الجنات: ۱۰۹/۶

جب سرنگ میں کتاب الکافی کو امام القائم (امام مہدی) کے سامنے پیش کیا گیاتو انہوں نے یہ نہیں کہا تھاکہ وہ ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے؟ پھر امامِ غائب کے سامنے پیش کرنے کے بعد یہ اضافہ جات کہاں سے آ گئے!!؟۔

ان حقائق کی تصدیق جس بات سے ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بحث و تحقیق کرنے و الا شخص دیکھتا ہے کہ کتاب الکافی کی اکثر روایات کے راوی یا تو مجہول ہیں یا متشدد و مطعون یا انحراف اور کذب بیانی میں مشہور ہیں جیسا کہ مذہبِ شیعہ کے علماء رجال کا کہنا ہے۔

یہ بات علم میں رہے کہ منجھے ہوئے اور ماہر شیعہ عالم البہبودی نے وہ کام کیا جو علماء شیعہ میں سے کسی اور نے نہیں کیا تھا اور وہ تھا "کتاب الکافی" کی تحقیق اور ان روایات سے اس کی صفائی جو ان کو ضعیف اور جھوٹی لگیں۔ وہ جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ تھا کہ کتاب کا صرف ایک چوتھائی حصہ صحیح ہے (یعنی کل ۱۶۱۹۴ میں سے ۴۴۲۸ روایات)۔

انہوں نے بصراحت ذکر کیا کہ ان کے مذہب میں (خود ساختہ روایات کو) گھسیڑنے اور کذب بیانی نے اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے۔

جب تک البہبودی نے کتاب الکافی کی تحقیق نہیں کی تھی ان کے بارے میں شیعہ کے آیت اللہ العظمی محمد حسین الحسینی الطہرانی کا کہنا تھا کہ: (وہ ایک منجھے ہوئے اور ماہر عالم ہیں) لیکن ان کی طرف سے کتاب الکافی کی تحقیق کے بعد شیعہ علماء اور ان کے پروردہ طلباء نے ان پر اپنا جامِ غضب انڈیل دیا، اس لئے کہ انہوں نے کتبِ حدیث کی تحقیق کی تھی جن میں سرفہرست ان کی کتاب صحیح الکافی تھی۔

اس طرح کی علمی کاوشوں کو قوم کے مذہبی پیشواؤں کی طرف ہمیشہ قطعی انکار کا ہی سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ ہردفعہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ کسی بھی علمی نظر ثانی کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ اپنے احادیث کی تصحیح ان کے ان بنیادی عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی جن میں وہ اہلسنت کی مخالفت کرتے ہیں جیسے تحریفِ قرآن کاعقیدہ اور خلفاء راشدین، نبی ﷺ کے صحابہ اور آپ ﷺ کی بعض ازواج کی تکفیر کا عقیدہ۔

دوسری طرف ان میں اتنی استطاعت بھی نہیں کہ اپنی اہم کتابوں کی تحقیق کریں اور جڑ سے ان کی صفائی کریں کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسے درست علمی قواعد و ضوابط نہیں ہیں جو تصحیح میں ان کی

مدد کریں۔ جو کچھ انہوں نے کیا وہ محض جادو گری تھی۔ چنانچہ یہ لوگ خبطی پن کا شکار ہو گئے اور ان کی پوشیدہ باتیں عیاں ہو گئیں۔

اگر وہ درست انداز میں تصحیح کرتے تو ان کی اکثر روایات ساقط ہو جاتیں۔ چنانچہ ان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ بنا تحقیق و تفتیش کے اپنی روایات کو اپنا لیں جس طرح ان کے قدماء نے کیا تھا اور ان میں جو کچھ اکاذیب و اساطیر آئے ہیں ان سب کو قبول کر لیں۔

شیعہ روایات کے اہم راویوں کے احوال

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ شیعہ کے سب سے زیادہ روایت کرنےو الے اور شیعہ مذہب کی کتبِ رجال میں سب سے مشہور راویو ں کو لیتے ہیں تا کہ ان کی روایات کے جو اہم راوی ہیں ان کے بارے میں ان کی آراء میں تناقض کا اثبات کر سکیں۔

جابر بن یزید الجعفی:

شیعہ کے بہت بڑے عالم الحر العاملی ذکر کرتے ہیں کہ جابر نے امام باقر علیہ السلام سے ستر ہزار احادیث روایت کیں اور انہوں نے کل ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کیں۔ الحر العاملی کہتے ہیں : جابر بن یزید الجعفی کی ابن الغضایری وغیرہ نے توثیق کی ہے اور الکشی اور ان کےعلاوہ دیگر لوگوں نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں جو ان کی تعریف و توثیق پر دلالت کرتی ہیں۔ زرارۃ کے احوال میں ان کی مذمت بھی روایت کی گئی ہے جو ان کی طرف سے جواب بھی ہوسکتا ہے۔ہمارے بعض علماء نےان کو ضعیف قرار دیا ہے جب کہ راجح ان کی توثیق ہی ہے۔ الشیخ کہتے ہیں: اس کی اصل موجود ہےاور مروی ہے کہ انہوں نے امام باقر علیہ السلام سے ستر ہزار احادیث روایت کی ہیں اور کل ایک لاکھ چالیس ہزار احادیث روایت کی ہیں۔ ظاہر تویہی ہے کہ کسی نے ائمہ علیہم السلام سے بالمشافہہ جابر سے زیادہ احادیث روایت نہیں کی۔چنانچہ یہ ان کے ہاں بہت بلند مقام رکھتے ہیں کیونکہ ائمہ علیھم السلام کا کہنا ہے: "ہمارے ہاں رجال (راویوں) کے مراتب کو ان روایات کی مقدار سے جانو جو وہ ہم سے روایت کرتے ہیں"۔[1]

علی بن محمد سے روایت ہے کہ مجھے محمد بن احمد نے انہوں نے یعقوب بن یزید سے اور وہ عمروبن عثمان سے اور وہ ابوجمیلہ سے اور وہ جابر سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے پچاس ہزار ایسی احادیث روایت کی ہیں جومیرے سوا کسی نے نہیں سنی۔

1۔ وسائل الشیعۃ، ج: ۲۰، ص: ۱۵۱

اب ہم شیعہ کے اہم ترین راویوں میں سے جابر الجعفی کے بارے میں ان کے تناقض کی وضاحت کریں گے:

اسماعیل بن مہران سے روایت ہے، وہ ابو جمیلہ المفضل بن صالح سے اور وہ جابر بن یزید الجعفی سے روایت کرتے ہیں کہ: "ابوجعفر علیہ السلام نے مجھ سے ستر ہزار احادیث بیان کیں جو میں نے کبھی کسی کے سامنے بیان نہیں کیں اور نہ کسی کے سامنے بیان کروں گا"۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے کہا: "میں آپ پر قربان جاؤں، آپ نے مجھ سے اپنا راز بیان کیا ہے یہ میں کسی سے بیان نہیں کروں گا، اوراس کی بدولت مجھ پر بہت بڑا بوجھ ڈال دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ میرے سینے میں جوش مارے اور اس کی وجہ سے مجھ پر کچھ جنون سا طاری ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا: جابر! جب ایسا ہو تو جنگل کی طرف نکل جانا، ایک گڑھا کھود کر اس میں اپنا سر ڈال دینا اور پھر کہنا: مجھ سے محمد بن علی نے یہ یہ بیان کیا۔

علی بن عبد اللہ نے ہم سے بیان کیا کہ: ایک دن جابر باہر نکلے۔ ان کے سر پر ایک ٹوکری تھی اور وہ ایک بانس پر سوار تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ کوفہ کی گلیوں کے پاس سے گزرے تو لوگ کہنے لگے کہ: جابر پاگل ہو گیا، جابر پاگل ہو گیا۔اس کے بعد کچھ دن گزرے کہ ہشام کا خط آ گیا کہ اسے میرے پاس لایا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ امیر نے جابر کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے اس کے سامنے گواہی دی کہ ان کا دماغ پھر گیا ہے۔امیر نے یہ بات ہشام کو لکھ بھجوائی چنانچہ اس نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ بعدازاں وہ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے۔[1]

ان کی طرف سے جابر الجعفی کو جنون سے متہم کرنے کے بعد الکشی ایک ایسی روایت ذکر کرتا ہے کہ جابر الجعفی نے ابو عبداللہ پر جھوٹ باندھا تھا۔الکشی نے زرارہ بن اعین سے روایت کیا ہے جس کا کہنا ہے: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے جابر کی احادیث کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: "میں نے اسے اپنے والد کے پاس صرف ایک دفعہ دیکھا تھا اور وہ میرے پاس کبھی نہیں آیا"۔[2] پھر جابر نے امام سے ستر ہزار احادیث کس طرح روایت کر لیں جب کہ اس کی امام سے صرف ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی۔

1۔ رجال الکشي، جابر الجعفی کے حالات زندگی کے تحت، نمبر: ۷۸

2۔ سابقہ مصدر۔

اہلِ سنت کے ہاں جابر الجعفی کے جو حالات زندگی ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ: ہم سے ابو غسان محمد بن عمرو الرازی نے بیان کیا کہ میں نے جریر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:" میں جابر بن یزید سے ملا۔ میں نے اس سے کوئی حدیث نہ لکھی۔ وہ رجعت پر ایمان رکھتا تھا"۔[1]

یحییٰ بن معین کی تاریخ ابن معین میں ہے کہ: ہم سے ابو یحییٰ الحمانی عبد الحمید بن بشمین نے ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ: "میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا"۔[2]

مفضل بن عمر الجعفی:

امام صادق نے فرمایا: " میں نے تم پر مفضل کو متعین کیا ہے۔ اس سے سنو اور اس کی بیان کردہ بات قبو ل کرو۔ وہ اللہ ا ور میرے بارے میں صرف حق بات ہی کہتا ہے"۔[3]

النوری الطبرسی کا کہنا ہے: "مفضل بن عمر الجعفی جلیل القدر راویوں اور ثقہ ائمہ ہدایت میں سے ہے (علیہم السلام)"۔[4]

جب کہ الکشی حماد بن عثمان سے روایت کرتا ہے کہ: "میں نے سنا کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام، مفضل بن عمر کو کہہ رہے تھے: اے کافر! اے مشرک! تیرااور میرے بیٹے کا کیا تعلق، ان کی مراد اسماعیل بن جعفر تھی"۔ الکشی نے متنبہ کیا ہے کہ مفضل بن عمر جعفر صادق پر جھوٹ بول بول کر لوگوں سےمال بٹورا کر تا تھا۔ النجاشی نے اپنی کتاب رجال النجاشی میں اس کے بارے میں بصراحت کہا ہے کہ وہ فاسد المذہب اور مضطرب الروایہ تھا اور اس کی بات کو وزن نہیں دیا جائے گا۔[5]

ابو بصیر اللیث المرادی:

ان کے بارے میں شیعہ کا کہنا ہے کہ جعفر صادق نے فرمایا: " عاجزانہ روش رکھنے والوں کو

1۔ صحیح مسلم، ج: ۱،ص: ۱۵

2۔ تاریخ ابن معین الدوری، یحی بن معین، ج: ۱، ص: ۲۱۶

3۔ رجال الکشی، مفضل بن عمر کے حالاتِ زندگی، نمبر: ۱۵۴

4۔ خاتمۃ مستدرک الوسائل: ۹۵/۴، حسین الطبرسي

5۔ سابقہ مصدر، حالات زندگی المفضل بن عمر، نمبر: ۱۵۴

جنت کی خوشخبری دے دو: برید بن معاویہ العجلی، ابو بصیر، محمد بن مسلم اور زرارہ کو، یہ چار نجباء اور اللہ کے حلال و حرام میں اس کے امین ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار منقطع ہو جاتے اور مٹ جاتے"۔(1)

جیسا کہ ابن المطہر الحلی نے اس کو معتمد ان ثقات میں سے گردانا ہے۔(2)

ایک طرف جعفر صادق کی طرف سے اس کی یہ مدح و ستائش اور یہ مبالغہ آرائی اور دوسری طرف الکشی نے اس کے بارے میں حماد الناب سے روایت کیا ہے کہ: "ابو بصیر، ابو عبد اللہ کے دروازے پر اجازت کی طلب میں بیٹھ گیا لیکن اسے اجازت نہ دی گئی۔ اس پر ابو بصیر نے کہا: اگر ہمارے پاس پلیٹ ہوتی تو وہ ہمیں اجازت دے دیتے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے میں ایک کتا آیا، اس نے اپنی ٹانگ اٹھا کر ابو بصیر کے منہ پر پیشاب کر دیا۔ وہ کہنے لگا: اف، اف، یہ کیا ہے؟ اس کے ساتھ بیٹھے شخص نے کہا: یہ کتا ہے جس نے تمہارے منہ پر پیشاب کر دیا ہے"۔(3)

الکشی نے روایت کی ہے کہ وہ حالتِ جنابت میں ہی ائمہ کے گھروں میں چلا جایا کرتا تھا اور ابو بصیر جعفر الصادق پر مال جمع کرنے اور دنیا سے محبت رکھنے کا الزام لگایا کرتا تھا۔(4)

وہ موسی الکاظم کی امامت کا قائل نہیں تھا اور ان پر علم نہ رکھنے اور احکام سے عدمِ معرفت کا الزام لگایا کرتا تھا۔(5)

اور آخر میں ابن الغضایری نے اس کے بارے میں جو کہا وہ سنیں: "ابو عبد اللہ علیہ السلام اس سے بہت تنگی اور اکتاہٹ محسوس کرتے اور ان کے ساتھی ان کے بارے میں مختلف آراء رکھتے ہیں"۔(6)

الطبرسی نے خاتمۃ المستدرک میں ابو بصیر کے بارے میں کہا: "متاخرین میں سے ایک گروہ کے لوگ جب ابو بصیر کی روایت کردہ خبر پر عمل کرنا چاہتے ہوں تو کہتے ہیں: "الصحیح میں ابو بصیر

1۔ رجال الکشی، حالات زندگی ابو بصیر، نمبر: ۶۸

2۔ رجال الحلی، ص: ۱۳۷

3۔ رجال الکشی، حالات زندگی بعنوان: "ذکر أبي بصير"، نمبر: ۶۸۔

4۔ سابقہ مصدر۔

5۔ رجال الکشی، حالات زندگی بعنوان: ذکر ابی بصیر، نمبر: ۶۸

6۔ جامع الرواۃ، أردبیلی الحائري: ۳۴/۲

سے روایت ہے" اور جب اس پر عمل نہ کرنا چاہتے ہوں تو کہتے ہیں: وہ واقفی ہے، یا مشرک ہے یا ضعیف ہے"۔[1]

ابو بصیر کا شمار شیعہ کے بڑے راویوں اور ان کی احادیث کے اہم ناقلین میں ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں مختلف آراء اور متضاد اقوال ہیں یہاں تک کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کس پر اعتماد کیا جائے۔ پھر ان راویوں کا کیا حال ہو گا جو روایت میں ابو بصیر سے کم درجہ رکھتے ہیں۔

زرارہ بن اعین:

شیعہ کتابوں میں سب سے زیادہ روایات انہی کی ہیں۔ الخوئی کا بیان ہے کہ زرارہ کی مرویات ۲۴۹۰ تک پہنچی ہوئی ہیں۔[2] تاہم کتاب رجال الکشی میں امام صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے زرارہ کے بارے میں فرمایا: "زرارہ یہود و نصاری سے بدتر ہے"۔

ابو عبد اللہ کا زرارہ کے بارے میں فرمان ہے: "اس نے مجھ پر جھوٹ بولا، اللہ کی قسم اس نے مجھ پر جھوٹ بولا اللہ کی قسم، زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو، زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو، زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو"۔

ابو عبد اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو بصیر کے بارے میں فرمایا: "کسی نے اسلام میں اتنی بدعات ایجاد نہیں کیں جتنی زرارہ نے کی ہیں۔ زرارہ پر اللہ کی لعنت ہو"۔

کتاب رجال الکشی اور مامقانی کی کتاب تنقیح المقال میں زرارہ کے بارے میں ہے کہ اس نے بیان کیا: میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے تشہد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: (تشہد یہ ہے:)أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و أشهد أن محمدا عبده و رسوله. میں نے پوچھا: تحیات و صلوات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: التحیات و الصلوات . میں جب باہر نکل رہا تھا تو میں نے کہا: اگر میری ان سے ملاقات ہوئی تو میں صبح ان سے پوچھوں گا۔ چنانچہ میں نے اگلے دن ان سے تشہد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسی طرح کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا: تحیات و صلوات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: التحیات و الصلوات- جب میں وہاں سے نکلا تو میں نے ان کی داڑھی میں گوز مارا اور کہا: یہ شخص کبھی کامیاب نہ ہوگا۔

1۔ رجال الکشي، حالات زندگی بعنوان ذکر أبي بصیر، نمبر:٦٨

2۔ جامع الرواۃ، أردبیلی الحائري: ۳۴/۲

کیا شیعہ کی کتابوں میں ائمہ اہل بیت میں سے ایک امام کی عزت و توقیر بس اتنی سی ہے کہ ان کے ایک راوی نے ایک ائمہ میں سے ایک امام کی داڑھی میں گوز مار دیا۔[1]

برید بن معاویہ العجلی:

امام صادق نے فرمایا: " عاجزانہ روش رکھنے والوں کو جنت کی خوشخبری دے دو: برید بن معاویہ العجلی، ابوبصیر بن لیث البختری المرادی، محمد بن مسلم اور زرارہ کو، یہ چار نجباء ہیں اور اللہ کے حلال و حرام میں اس کے امین ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نبوت کے آثار منقطع ہو جاتے اور مٹ جاتے"۔

الکشی نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ: "برید اور زرارہ پر اللہ لعنت کرے"۔[2]

محمد بن مسلم:

یہ شیعہ کے ثقہ ترین راویوں اور ان چار نجباء اور امناء میں سے ہیں جن کا ذکر گزشتہ روایت میں گزر چکا ہے۔ تاہم بزبانِ امام وہ ملعون بھی ہے۔ مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ: میں نے ابو عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا:" اللہ محمد بن مسلم پر لعنت کرے۔ وہ کہتا تھا: اللہ تعالی کو تب تک شے کا علم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہو نہ جائے"۔

ابو الصباح سے روایت ہے کہ: میں نے ابوعبد اللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا: " اے ابو الصباح! اپنے دین میں توقف کرنے والے لوگ ہلاک ہو گئے، ان میں سے ایک محمد بن مسلم ہے"۔[3]

یہ ازراہِ نمونہ و سادہ مثال نہ کہ بطورِ حصر شیعہ کے اہم ترین راویوں کے بارے میں شیعہ مذہب کے کچھ تناقضات ہیں۔

1۔ رجال الکشی، حالات زندگی زرارہ بن اعین، نمبر: ۶۲

2۔ سابقہ مصدر، حالاتِ زندگی برید العجلی، نمبر: ۱۱۵

3۔ سابقہ مصدر، حالات زندگی محمد بن مسلم: نمبر: ۶۷

شیعہ علماء کی دھوکہ بازیاں اور ان کی دسیسہ کاریاں

شیعہ علماء خوب واقف ہیں کہ ان کے ہاں پڑھے لکھے نوجوانوں کا ایک طبقہ ہے اور وہ جانتے ہیں کہ شیعہ شک و تناقض کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں خاص طور پر جب کہ تقیہ شیعہ مذہب کی ایک مستحب عبادت ہے حتی کہ آپس میں بھی اور اس بات نےان کے دلوں اور ان کے مابین شک ڈال رکھا ہے۔

یہاں تک کہ شیعہ علماء اور ان کے داعیان مشہور ہیں کہ وہ اپنی گفتگو اور بحث و مباحثہ یا جب وہ اپنے عقائد اور عبادات کے بارے میں بات کرتے ہیں تو دھوکہ دہی سے کام لیتے ہیں چاہے وہ یہ گفتگو اور بحث و مباحثہ اپنی مجلسوں اور امام بارگاہوں کے اندر اپنے مابین ہوں یا دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کو وہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ جن مسائل کا شیعہ علماء اثبات کرنا چاہ رہےہوتے ہیں ان کے بارے میں ہم ان کو سنتے اور دیکھتے ہیں کہ وہ اہل سنت کی تفاسیر یا بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی اہلِ سنت کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں یا یوں کہتے ہیں کہ یہ احادیث طرفین یعنی اہلِسنت اور شیعہ دونوں کے ہاں موجود ہیں یا پھر کہتے ہیں کہ روایات فریقین کی طرف سے مشہور ہیں یا ان کا ذکراہلسنت کی فلاں مشہور کتاب میں آیا ہے جیسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تالیفات یا اہلسنت کے ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی کتاب میں ۔ یہ لوگ عموماً یہ جملے کہتے ہوئے جھوٹ اور فریب سےکام لے رہے ہوتے ہیں یعنی اہلِسنت کی کتابوں میں وہ باتیں سرے سے آئی ہی نہیں ہوتیں جن کا وہ دعوی کرتے ہیں۔ یہ دھوکہ دہی کی بہت ہی خطرناک شکل ہے۔ میں یہاں شیعہ عوام پر زور دیتا ہوں کہ جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کی صحت کی یقین دہانی کریں تاکہ ان کی دھوکہ دہی ثابت ہو سکے۔

اہلسنت اور ان کےعقائد کا تزکیہ جو بات کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی کسی سنی امام یا خطیب یا مقرر کو نہیں سنا کہ وہ اپنے معلومات کی صحت کی تاکید کسی شیعہ کتاب کی طرف منسوب کر کے کرتا ہو ۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور بصری و سمعی ذرائع ابلاغ اس کو ثابت کرتے ہیں۔

شیعہ علماء یہ سب کچھ اپنے اس یقین کی بنا پر کرتے ہیں کہ شیعہ افراد کی اکثریت اہلسنت مصادر کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ان دستار بندوں کے لئے شیعہ عوام کو مطمئن کرنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اہلِ سنت کی کتابوں سے استدلال کریں۔

اسی طرح شیعہ علماء جب کسی مسئلے کا اثبات کر رہے ہوتے ہیں تو اپنی سادہ لوح عوام کو جس طرح دھوکہ دیتے ہیں اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ کذب بیانی کرتے ہوئے کہتے ہیں: " اہلِ سنت کے متعدد علماء فلاں مسئلہ میں ہماری موافقت کرتے ہیں"۔ یہ لوگ ایسے علمائے ضلال کو اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اہل سنت میں سے نہیں ہیں مثلا محمد بن عربی جو صوفیاء کے ہاں شیخ اکبر کے لقب سے جانا جاتا ہے یا عبد الوہاب الشعرانی جو غالی صوفی ہے اور کتاب الطبقات الکبری کا مصنف ہے جو خرافات اور شرکیات سے بھری پڑی ہے یا کچھ ایسے ہی دوسرے لوگوں کو اہل سنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جن کی بدعات و شرکیات کو اہل سنت علماء نے قدیم و جدید ہر دور میں واضح کیا اور امت کو ان سے متنبہ کیا ہے۔

شیعہ علماء کی دھوکہ دہی کی ایک اور صورت یہ ہے کہ وہ یوں کہتے ہیں: "اہلسنت کی فلاں کتاب کےاس جزء اور اس صفحہ پر فلاں روایت ہے"۔ جب کہ وہ روایت واقعۃً اہلسنت کی کتابوں میں موجود ہوتی ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح وہ بیان کر رہے ہوتے ہیں یا پھر اہلسنت نے کسی روایت کو مخالفین کی کتابوں سے لے کر اپنی کتاب میں نقل کیا ہوتا ہے تاکہ اہلِ بدعت کی حقیقت کو بیان کیا جائے اور ان کی کج روی اور انحراف کو ثابت کیا جائے۔

شیعہ علماء جس طرح ذہنی پابندیوں میں جکڑی اپنی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اس کی بہت زیادہ صورتیں ہیں۔ شیعہ علماء یہ سب کچھ دو بنیادی اشیاء کے سہارے پر کرتے ہیں:

۱۔ ان کو پورا یقین ہے کہ شیعہ عوام اہلسنت کے مصادر اور ان کے علماء کی طرف ہر گز بھی رجوع نہیں کریں گے۔

۲۔ اپنے پیروکاروں پر اندھا اعتماد ہونے کی وجہ سے وہ اتنی جراءت نہیں کرتے کہ ان پر تنقید کرنے لگ جائیں یا پھر ان سے اس مصدر کا نام پوچھ لیں جس کی طرف وہ اپنا یہ جھوٹ منسوب کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ نوجوان اپنے مشائخ کی فریب دہی ثابت ہو جانے کے بعد مذہبِ اہلسنت کی طرف آ رہے ہیں۔

مصیبت یہ ہے کہ شیعہ عوام جھوٹ کی تصدیق کر دیتے ہیں اور خود سے تحقیق کرنے کی کلفت نہیں اٹھاتے کہ اہلِسنت کی کتابوں سے اس بات کی تاکید ہی کر لیں یا اپنے دستار بندوں کے منہ سے ان پر جس طعن و تشنیع کو سنتے ہیں اور وہ جس طرح انہیں بدنام کرتے ہیں اس کے بارے اہلسنت کے علماء کی رائے ہی سن لیں۔

شیعہ علماء کی اہلسنت و الجماعت کو بدنام کرنے کے لئے ان پر بہتان تراشی اور ان کی دھوکہ دہی کی ایک مثال یہ ہے کہ شیعہ کے علامہ مجلسی نے اپنی کتاب زاد المعاد میں عاشوراء کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ: "۔۔احسن یہ ہے کہ نو اور دس (محرم کو) روزہ نہ رکھا جائے۔ اس دن بنو امیہ حسین علیہ السلام کی مصیبت پر اظہارِ خوشی اور ان کے قتل سے تبرک حاصل کرنے کے لئے روزہ رکھتے تھے"۔

اس لئے ہم کچھ شیعہ علماء سے سنتے ہیں کہ ان کے خیال میں نواصب –مراد اہلسنت– قتلِ حسین کی خوشی میں یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔

میں یہی بات کہوں گا کہ مجلسی نے محض اپنے دل و دماغ میں آنے والے خیالات و خدشات کو لکھ دیا ہےاور جس بات کا وہ دعوے دار ہے اس کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں ۔

سلف و خلف میں سے کسی اہلسنت عالم نے یہ بات نہیں کی کہ یومِ عاشورا کا روزہ قتلِ حسین پر خوشی منانے کے لئے رکھا جاتا ہے۔ اس سے بھی اہم تر بات یہ کہ اہلسنت کی تمام کتابوں میں کوئی بھی روایت یا حدیث یا فتوی یا کوئی ایسی شے نہیں جو اس بکواس اور اہلسنت پر باندھے جانے والے اس جھوٹ کو ثابت کرتی ہو۔

یہ بات کر کے مجلسی نے اپنی کتابوں کی ان روایات کی بھی مخالفت کی ہے جو عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے : "۔۔ابو الحسن علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا"۔[1]

اسی طرح شیعہ جعفر علیہ السلام سے اور وہ اپنے والد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "عاشوراء کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے"۔[1]

1۔ تهذيب الأحكام: ۲۹/۴، الاستبصار: ۱۳۴/۲، الفيض الكاشاني في الوافي: ۱۳/۷، الحر في وسائل الشيعة: ۳۳۷/۷، یہ جامع أحاديث الشيعة میں بھی ہے: ۴۷۵/9، اور اسی طرح الحدائق الناضرة میں بھی: ۳۷۰/۱۳-۳۷۱

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "یومِ عاشوراء کا روزہ رکھو، ازراہِ احتیاط نو اور دس تاریخ کا۔ یہ ایک سال قبل کا کفارہ ہوتا ہے۔ اور اگر تم میں سے کوئی لاعلمی میں کچھ کھالے تو اسے چاہئے کہ اپنا روزہ پورا کرے"۔[2]

پوری دنیا میں اہلِ سنت یومِ عاشوراء کا روزہ اس خوشی میں رکھتے ہیں کہ اس دن اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کی مدد فرمائی اور فرعون کو اس کے ساتھیوں سمیت غرق کیا۔ اہلسنت کی صحیح ترین کتابوں میں ایسی احادیث آئی ہیں جو اس دن کے روزے کے مستحب ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔

شیعہ علماء کی طرف سے اپنے عوام کو دھوکہ دہی کی ایک مثال یہ ہے کہ شیعہ میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگ گئے کہ اہلسنت خاص طور پر علی رضی اللہ عنہ اور عمومی طور پر اہلِ بیت سے بغض رکھتے ہیں۔ وہ محض کہانیاں اور حکایات سن کر ہی اس دعوے پر بھروسہ کر لیتے ہیں جب کہ ایسے واضح اور قوی دلائل ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ تمام اہلسنت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ ہم یہ بات دلائل سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ واقعات اور حکایات سے جیسا کہ شیعہ قصہ گو واعظین کا حال ہے۔

ہماری واضح اور صریح دلیل یہ ہے کہ اہل سنت کی حدیث کی تمام کتب و مصادر اور ان کے فتاوی میں علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کی کسی قسم کی تنقیص، ان پر طعن و تشنیع اور تبرا نہیں ہے۔ نہ ہی شیعہ علماء اہلسنت کے مصادر سے اپنے لئے بطور دلیل کوئی ایسی شے لا کر دکھا سکتے ہیں جو ان کا دعوی ثابت کرتی ہو۔

بلکہ اہلسنت و الجماعت تو یہ خیال کرتے ہیں کہ بچوں میں سے سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور یہ کہ اللہ نے بہت شروع میں ہی ان کو اسلام سے سرفراز کر دیا تھا۔ بیتِ نبوت میں وہ

1۔ تهذيب الأحكام، ۳۰۰/۴، الاستبصار، ۱۳۴/۲، جامع أحاديث الشيعة، ۴۷۵/۹، یہ روایت حدائق الناضرة میں بھی ہے: ۳۷۱/۱۳، جمال الدین نے صیام عاشوراء میں اسے ذکر کیا ہے، ص: ۱۱۲، الوافی، الکاشانی، ۱۳/۷، الحر فی وسائل الشیعہ، ۳۳۷/۷۔

2۔ اس روایت کو شیعہ محدث حسین النوری الطبرسی نے مستدرک الوسائل میں ذکر کیا ہے، ۵۹۴/۱، اور البروجردی نے جامع احادیث الشیعہ میں اسے ذکر کیا ہے: ۴۷۵/۹

پلے بڑھے اور بعدازاں ان کو نبی ﷺ کے داماد بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ کہ وہ خلفاء میں سے چوتھے خلیفہ ہیں۔انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اورجنگ تبوک کے علاوہ بدر، حدیبیہ اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے کیونکہ جنگ تبوک میں نبی ﷺ نے ان کو مدینہ پر بطور اپنے جانشین چھوڑا تھا۔ انہوں نے بدر، احد، خندق اور خیبر میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ تمام اہلسنت نے علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وہ ان کے خلیفہ رابع ہیں۔ ان کے لئے جنت کی گواہی دی گئی ہے۔ اللہ تعالی نے ان کو شہادت سے نوازا اور وہ صحابہ میں خلفاء ثلاثہ کے بعد سب سے زیادہ فضیلت و علم رکھنے والے ہیں ۔ وہ نبی ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے چوتھے خلیفہ ہیں۔

بلکہ علی رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ اہلسنت کی اکثر کتبِ حدیث اور صحاح میں علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول آیا ہے کہ: "قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور ہر جاندار کو پیدا فرمایا! نبی امی ﷺ نے مجھ سے وعدہ کیاکہ مجھ سے صرف مومن ہی محبت کرے گا اور مجھ سے صرف منافق ہی بغض رکھے گا"۔(1)

اگر اہلسنت کی کتابوں میں صرف یہی متفق علیہ حدیث ہوتی تو اہل سنت پر باندھے جانے والی ان جھوٹی باتوں سے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے بغض یا دشمنی رکھتے ہیں، ان کو پاک صاف کرنے کے لئے یہی حدیث کافی تھی ۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح اور مشہور ثابت شدہ اخبار ماثور ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ کے مقام اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سےروایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا: "کل میں یہ پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے اور اللہ تعالی اور اس کا رسول ﷺ بھی اس سے محبت رکھتے ہیں، اس کے ہاتھوں اللہ تعالی فتح عطا فرمائے گا۔ چنانچہ لوگ رات بھر قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا۔ صبح ہوئی تو تمام لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ہر ایک کی یہی خواہش اور امید تھی کہ پرچم اسے دیا جائے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ یا رسول اللہ! ان کو تو دونوں

1۔ مسلم، حدیث نمبر: ۷۸، مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۲/۵۷

آنکھوں میں تکلیف کی شکایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں بلاؤ۔ ان کو لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور دعا کی تو وہ اس طرح چنگے بھلے ہو گئے کہ گویا ان کو درد تھا ہی نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ ہماری طرح نہ ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سیدھے چلے جاؤ یہاں تک کہ میدان میں جا اترو۔ پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو بتانا کہ اللہ کا کیا حق ان پر واجب ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تیری بدولت کسی ایک آدمی کو ہدایت دے یہ تمہارے لئے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ ملیں"۔[1]

اہل سنت کی کتابوں کی رو سے تو علی رضی اللہ عنہ امامِ اخلاص ہیں۔ ان کے اخلاص کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ جنگ خندق میں ایک سخت جنگجو شخص عمرو العامری سے لڑ رہے تھے۔ وہ مشرکین کے شاہ سواروں میں بہادر ترین شخص تھا۔ ان دونوں کے مابین لڑائی بہت طول پکڑ گئی اور آخر علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دشمن پر قابو پا لیا اور اسے زخمی کر کے گرا دیا۔ جب علی رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس مشرک نے علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ تلوار ہوا میں تھی اور اس پر پڑنے ہی والی تھی تاہم علی رضی اللہ عنہ اس کو چھوڑ کر واپس آ گئے اور اسے قتل نہ کیا۔ جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا: میں اس سے اللہ کے لئے قتال کر رہا تھا۔ جب اس نے میرے چہرے پر تھوکا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس سے اپنے لئے انتقام لینا چاہتا ہوں، اس پر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ جو شخص علی یا اہل بیت پر طعن کرتا ہے اہلسنت اس سے اظہارِ براءت کرتے ہیں، اس سے نفرت کرتے ہیں اور اس کے دین میں اسے متہم کرتے ہیں (کہ وہ مسلمان نہیں ہے)۔

شیعہ علماء کی طرف سے شیعہ عوام کو دھوکہ دینے کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اہلسنت کے چار مذاہب ہیں ۔ اس سے اصول میں ان کے باہمی اختلاف اور تفرقہ بازی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ائمہ اربعہ سے ان کی مراد یہ ہیں:

امام ابوحنیفہ النعمان (۸۰ھ/۱۵۰ھ)، ان کا مذہب حنفی ہے۔

امام مالک بن انس (۹۳ھ/۱۷۹ھ)، ان کا مذہب مالکی ہے۔

1۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۲۱۰، صحیح مسلم: ۲۴۰۶

امام محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۹ھ/۲۰۴ھ)، ان کا مذہب شافعی ہے۔

امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ/۲۴۱ھ)، ان کا مذہب حنبلی ہے۔

میں شیعہ کے انصاف پسند لوگوں سے کہتا ہوں:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تمام اصول اور اکثر فروعیات میں پوری طرح متفق ہیں۔ اگر شیعہ میں سے کوئی عالم ثابت کر دے کہ ائمہِ اربعہ کا اصول میں کوئی اختلاف ہے تو پھر وہ جو کچھ اہلسنت کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں وہ کہنے کا انہیں پورا حق ہو گا۔

فروعی مسائل میں ائمہ اربعہ کے اختلاف کی معقول وجوہات ہیں اور یہ پیدا ہونا لازمی بھی ہے۔ علماء متعدد اسباب کی بنا پر آپس اختلاف کرتے ہیں۔ بسا اوقات بعض کے نزدیک حدیث صحیح ہوتی ہے جب کہ دوسروں کے نزدیک وہ صحیح نہیں ہوتی۔ بعض اوقات حدیث تو صحیح ہوتی ہے لیکن اس کے معارض دیگر الفاظ کے ساتھ کوئی اور حدیث ہوتی ہے چنانچہ وہ عالم اس معارض حدیث کی طرف ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے عالم کی یہ رائے نہیں ہوتی۔ بسا اوقات بعض تک تو مسئلہ کے بارے میں نص ہی نہیں پہنچی ہوتی۔ اس کے علاوہ بھی دیگر وجوہات ہیں اور جو شخص کسی خاص مذہب کی اتباع کرتا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اجتہادی مسائل میں اپنے امام کے علاوہ کسی اور کی پیروی کر لے بشرطیکہ اس سے اس کا مقصد محض رخصتیں تلاش کرنا نہ ہو۔

اب میں ایک عظیم حدیثِ نبویﷺ ذکر کروں گا جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور جو قبولِ حق کی راہ ہموار کرے گی۔ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیﷺ جب جنگ احزاب سے واپس ہوئے تو آپﷺ نے فرمایا: " تم میں سے ہر شخص بنو قریظہ میں جا کر نماز پڑھے"۔ ان میں سے بعض کے لئے نمازِ عصر کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگ کہنے لے کہ: ہم جب تک بنو قریظہ نہیں پہنچ جاتے نماز عصر نہیں پڑھیں گے۔ کچھ کہنے لگے: بلکہ ہم نماز پڑھیں گے، ہم سے یہ نہیں کہا گیا تھا (کہ نماز نہ پڑھنا بلکہ مقصد یہ تھا کہ جلد بنوقریظہ پہنچو)۔ نبیﷺ کے سامنے جب یہ (اختلاف) ذکر کیا گیا تو آپﷺ نے ان میں سے کسی کو سرزنش نہ فرمائی۔[1]

1۔ أخرجه البخاري: ۹۴۶، في صلاة الخوف، یہ الفاظ امام بخاری کے ہیں۔ صحیح مسلم: ۱۷۷۰، فی الجهاد و السیر۔

اس حدیث شریف اوراس طرح کی دیگر احادیث کا حوالہ دینے کی ہمیں ضرورت ہی نہیں رہتی اگر ہم اس دینِ حنیف کی کشادگی و وسعت کوسامنے رکھیں ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم رسول اللہ ﷺ کے سامنےایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان میں سے کبھی کسی کی سرزنش نہیں فرمائی تھی۔ کیونکہ ان سب کا مقصدحق ہی ہوتا تھا اور اسی کے لئے وہ کوشاں رہتے۔ جس نے درست اجتہاد کیا اس کے لئے دو گنا اجر ہے اور اگر کسی کے اجتہاد میں غلطی ہو گئی تواس کے لئےایک گنا اجر ہے۔ کیونکہ ان سب کی نیت تو پاکیزہ اور درست تھی یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی۔ ہمارے سلفِ صالحین اسی واضح منہج پر گامزن رہے ۔ امت کے سلف و خلف کا اس بات پراجماع ہے کہ مجتہدسے اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائےتو اسے برا نہیں کہا جائے گا۔

ائمہِ اربعہ کا اختلاف فروع میں تھا جن میں ایک سے زیادہ باتوں کا احتمال ہوتا ہے۔ ایسا رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے دور میں بھی ہوتا رہا۔ ان کے مابین نہ تو کوئی خلفشار پیدا ہوا اور نہ ہی انہوں نے اس بنا پر ایک دوسرےپر طعنہ زنی کی۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کی امت میں سب سے بہترین زمانے کے لوگ تھے۔ ائمہِ اربعہ اور ان کے طالب علم بھی اسی طرح تھے۔ اب ان مذاہب کے بارے میں جو بھی تعصب کرے گااس کا گناہ تعصب رکھنے والوں پر ہو گا۔اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان لوگوں سے پوری طرح بری ہیں جواسلام کی الفت و کشادگی کو مسخ کر رہے ہیں۔

ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: "کسی کے لئے ہمارا قول اختیار کرنا تب تک حلال نہیں جب تک کہ اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم نے اسے کہاں سے لیا"۔ اسی طرح ان کا کہنا ہے: "جو شخص میری دلیل کو نہ جانتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ میرے کلام کی بنیاد پر فتوی دے۔ ہم انسان ہی ہیں، آج ہم ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں"۔ اسی طرح وہ فرمایا کرتے تھے: "جب میں کوئی ایسی بات کہوں جو اللہ کی کتاب یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے برخلاف ہو تو میرے قول کو چھوڑ دو"۔

امام مالکؒ کو لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں: "میں تو ایک انسان ہوں، میں غلطی بھی کرتا ہوں اور میری بات درست بھی ہوتی ہے۔ میری رائے میں غور کیا کرو۔ ہر وہ بات جو کتاب و سنت کے موافق ہو اسے لے لیا کرو اور ہر وہ بات جو کتاب و سنت کے موافق نہ ہو اسے چھوڑ دیا کرو"۔ امام مالک فرمایا کرتے تھے: "نبی ﷺ کے بعد ہر شخص کی کوئی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "ہر شخص رسول اللہﷺ کی سنتوں میں سے کوئی سنت کبھی بھول بھی جاتا ہے۔ چنانچہ میں جو بھی بات کروں یا کوئی اصول قائم کروں جس کے خلاف رسول اللہﷺ کی کوئی منقول ہو تو صحیح رسول اللہﷺ کا فرمان ہو گا اور وہی میرا قول ہو گا"۔ اسی طرح امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "جب کوئی حدیث ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہوگا"۔ اور وہ فرمایا کرتے : "میرے قول میں غور سے دیکھا کرو۔ اگر تمہیں رسول اللہﷺ کی حدیث کے موافق لگے تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس کے خلاف نظر آئے تو اسے دیوار پر دے مارا کرو"۔

احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: " ہر وہ مسئلہ جس میں میرے قول کے خلاف اہلِ نقل کے ہاں رسول اللہﷺ سے کوئی خبر ثابت ہو اس سے میں اپنی زندگی اور بعد از موت رجوع کرنے والا ہوں"۔ اسی طرح وہ فرمایا کرتے تھے: "نہ میری تقلید کرو اور نہ مالک، شافعی، اوزاعی اور ثوری کی تقلید کرو بلکہ وہاں سے لو جہاں سے انہوں نے لیا"۔

شیعہ علماء کی طرف سے دھوکہ دہی کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ اہلسنت کی کتابوں میں موجود کسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور پھراس میں جھوٹ کی آمیزش اور اس کے معانی میں تحریف کرتے ہوئےاس کی من چاہی تاویل کرتے ہیں ۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ: نبیﷺ خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپﷺ نے فرمایا: "فتنہ یہاں سے رونما ہو گا، فتنہ یہاں سے رونما ہو گا، فتنہ یہاں سے رونما ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہو گا"۔[1]

اور یہ حدیث کہ: کفر کا سر مشرق کی طرف ہے۔[2] بعض شیعہ علماء نے یہ کہہ دیا کہ فتنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اٹھے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ: شیعہ کا یہ کہنا کہ اس سے مراد عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھرہے، کذب، جھوٹ اوربہتان ہے۔ کیونکہ شیعہ دوسری احادیث کو چھوڑ دیتےہیں جو اس حدیث کاحقیقی معنی واضح کرتی ہیں۔ چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: "میں نے دیکھا رسول اللہﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کر

1۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۱۰۴

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۲، صحیح البخاری: ۳۳۰۱

کے فرمایا: فتنہ یہاں سے نمودار ہو گا، بے شک فتنہ یہاں سے نمودار ہو گا جہاں سے شیطان کا سینگ یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورج کا سینگ طلوع ہو تا ہے "۔

صحیح بخاری میں سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ: "اے عراق والو! کتنے تعجب کی بات ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں تم بہت سوال کرتے ہو اور بڑے بڑے گناہوں کا تم بہت زیادہ ارتکاب کرتے ہو۔ میں نے ابو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: فتنہ یہاں سے آئے گا۔ یہ فرما کر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ طلوع ہوں گے"۔[1]

اس بیمار ذہنیت پر تعجب ہے جس کی بنا پر نبی ﷺ پر تناقض اوراس بات کا الزام آتا ہے کہ آپ ﷺ شیطان کے ساتھ رہا کرتے تھے اور وحی اس گھر میں آیا کرتی تھی جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے بارے میں اس حدیث کو جس طرح شیعہ حضرات نے سمجھا ہےاس سے تو سارے دینِ اسلام پر زد پڑتی ہے اور اس میں نبی ﷺ پر کھلا طعن ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر نبی ﷺ کا گھر ہے۔ آپ ﷺ اس میں رہا کرتے تھے اور اس میں قیام فرمایا کرتے تھے اور لوگ یہاں اسلام سیکھنے کے لئے ہر طرف سے آیا کرتے تھے۔

جس شخص کو مسجدِ نبوی کی زیارت کا موقع ملتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہی وہ جگہ ہے جہاں نبی ﷺ دفن کئے گئے اور سوائے روضہ شریف کے اسے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے کوئی شے جدا نہیں کرتی۔

چنانچہ کیا کسی ہوشمند شخص کے لئے یہ بات قبول کرنا ممکن ہے کہ شیطان کا سینگ ان پاکیزہ اور محترم مقامات سے طلوع ہو گا۔

اس طرح ہم شیعہ کو پورے دین میں طعن زنی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں جب کہ اپنے آپ میں وہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

حدیث کا مقصود یہ ہے کہ فتنوں کے اٹھنے کا مقام مشرق کی طرف ہو گا اور اس طرح ہوا بھی۔

1۔ صحیح البخاری: ۷۰۹۴

اہلسنت کی کتابوں میں مندرج ہے کہ نبی ﷺ نے پسند فرمایا کہ آپ ﷺ کی تیمار داری عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کی جائے اور آپ ﷺ کی وفات ان کے سینے پر ہوئی۔

امی عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ ابتداءً میمونہ کے گھر بیمار ہوئے۔ آپ ﷺ پوچھتے: میں کل کہاں ہوں گا(یعنی کس زوجہ کے گھر ہوں گا)؟ بعدازاں آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے اجازت لی کہ آپ ﷺ کی تیمار داری عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہو۔ آپ ﷺ کو اس کی اجازت دے دی گئی۔ آپ ﷺ میرے گھر میں تھے اور اس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی جس دن میرے گھر آیا کرتے تھے"۔[1]

چنانچہ اس حدیث میں کوئی ایسی بات نہیں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذمت کرتی ہو تاہم یہ اس وقت ہے جب شیعہ کے دل پاک صاف ہوں اور وہ سچے دل سے غور و فکر کریں۔

شیعہ علماء کی اپنے عوام کو دھوکہ دہی کی ایک مثال یہ ہے کہ ان کے بقول ابو بکر نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ظلم کیا جب انہوں نے ابو بکر سے فدک میں اپنی وراثت کا مطالبہ کیا۔ اس بات پر فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خفا ہو گئیں ۔ انہوں نے ان سے قطع تعلقی کر لی اور وفات تک ان سے کلام نہ کیا۔

اس بارے میں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں محمد بن رافع سے روایت ہوئی ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیں حجین نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں لیث نے عقیل سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا کہ ان کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ: "فاطمہ بنتِ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا ۔ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس مال میں اپنی میراث مانگ رہی تھیں جو اللہ نے آپ ﷺ کو مدینہ اور فدک میں بطور فئے عطا فرمایا اور جو خیبر کے خمس میں سے باقی تھا۔ اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتاہے اور آل محمد اسی مال سے کھائیں گے۔ اللہ کی قسم! میں صدقہ کی اس حالت میں کچھ بھی تبدیلی نہیں کروں گا جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا اور میں اس میں ویسے ہی تصرف کروں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا"۔[2]

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۱۸

2۔ مسلم، کتاب الجهاد و السیر، باب قول النبي ﷺ لا نورث ما ترکناه فهو صدقه۔

میں اللہ سے مدد چاہتے ہوئے کہتا ہوں: شیعہ علماء نےاس حدیث کا ابتدائی حصہ لے لیا اور باقی حدیث پر کچھ توجہ نہ دی جو آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: "ہم میراث چھوڑ کر نہیں جایا کرتے۔ ہم انبیاء جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہے"۔اس شبہہ کے رد میں آپ ﷺ کا یہ فرمان بہت واضح ہے۔ اس میں دلالت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت کی تنفیذ کے معاملے پر کس قدر حریص تھے۔

شیعہ علماء کا اس حدیث کا یہ غلط مفہوم لینا اور ان کا یہ کہنا کہ ابو بکر ظالم تھے، اس کی رو سے علی رضی اللہ عنہ دوہری دفعہ ظلم کرنے والے ہوں گے۔ پہلی دفعہ اس وقت جب انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت کا دفاع نہ کیا اور ان کے شوہر ہونے اور اللہ کے بعد ان کا سہارا ہونے کے لحاظ سے ان کی اور ان کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے اسے ابو بکر سے واپس نہ لیا۔ دوسری دفعہ تب جب انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو ان کی میراث نہ دی۔

کیا شیعہ کے پاس کوئی ایسی روایت ہےچاہے وہ ضعیف ہی ہو جس میں ذکر ہو کہ علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تھا؟

اہلسنت کسی کو ملامت نہیں کرتے کیونکہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہاکی میراث نہیں تھا۔ جب کہ شیعہ ابو بکر کو ملامت کرتے ہیں ۔ پھر وہ اسی طرح علی رضی اللہ عنہ کو ملامت کیوں نہیں کرتے؟

یہاں شیعہ علماء سے میں سوال کرتا ہوں کہ تم نے میراث میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خاص کیوں کیا اور نبی ﷺ کی ازواج اور ان کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو تم نے کیوں فراموش کردیا؟ کیا ان کا کوئی حصہ نہیں بنتا تھا؟ ان لوگوں نے آکر ابو بکر س سے اپنی میراث کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟ کیاتمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ ابو بکر نے اپنی بیٹی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو میراث میں سے کچھ حصہ دیا ؟اسی طرح انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا کی بیٹی ام المومنین حفصہ کو بھی میراث سے محروم رکھا اور ابو بکر اورعمر نے خودبھی میراث کے اموال سےکچھ نفع نہ اٹھایا، وہ ان سے بالکل بے پروا تھے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ معاملہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں۔

بلکہ مرتضی (جس کا لقب علم الہدی ہے)اپنی کتاب "الشافی في الإمامة" میں امام علی سے روایت کرتا ہے جس کے الفاظ ہیں: جب خلافت علی بن ابی طالب تک پہنچی تو ان سے فدک کو واپس

لوٹانے کے بارے میں بات کی گئی۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں کسی ایسی شے کو واپس لوٹاؤں جسے ابو بکر نے روکا اور عمر نے اس کی موافقت کی"۔

شاید اللہ کی اس حکم میں حکمت یہ تھی –واللہ اعلم- کہ رسول اللہ ﷺ مال کو اپنے اہل و عیال کو بطور میراث نہ دیں تا کہ وہ شخص جو نبی ﷺ کی نبوت میں طعن زنی کرتا ہے اس کو یہ شبہہ نہ ہو کہ آپ ﷺ کو دنیا کی طلب تھی اور آپ ﷺ نے غزوات اس لئے لڑے تھے تا کہ اپنے وارثوں کے لئے مال و دولت چھوڑ کر جائیں۔ جس طرح کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو لکھنے پڑھنے سے بچائے رکھا تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ قرآن آپ ﷺ کا اپنا وضع کردہ ہے اور اسی طرح نبوت کے بچاؤ کے لئے آپ ﷺ کو شعر کہنے سے بھی دور رکھا۔

جب کہ شیعہ کتابیں یہ تصویر پیش کرتی ہیں کہ نبی ﷺ دنیا کی طمع رکھتے تھے۔ الکلینی نے اپنی کتاب الکافی میں ابو الحسن (موسی الکاظم) سے ان کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: --۔ وہ مہدی کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ ناحق چھینے گئے اموال واپس کر رہے ہیں۔اس پر ابو الحسن نے کہا: اے امیر المومنین! ہمارا ناحق چھینا گیا مال واپس کیوں نہیں کیا جاتا؟ انہوں نے ان سے پوچھا: اے ابو الحسن! وہ مال کون سا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے نبی ﷺ کو فتح میں فدک عطا فرمایا۔ --، اس پر مہدی نے ان سے کہا: اے ابو الحسن! مجھے اس کے حدود اربعہ بتاؤ۔ انہوں نے فرمایا: اس کی ایک حد جبلِ احد ہے، ایک حد عریشِ مصر ہے، ایک حد سیف البحر ہے اور ایک حد دومۃ الجندل ہے۔

جب کہ دوسری طرف سے ہم شیعہ کی ان کے مذہب کے لحاظ سے بھی مذمت کرتے ہیں جس کی رو سے شیعہ کے ہاں عورت کو میراث نہیں دی جاتی اور اس رو سے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے والد کے مادی ترکے میں کسی طرح کا حق ہی نہیں بنتا۔ الکافی میں ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "علماء انبیاء کے وارث ہیں اور وہ اس طرح کہ انبیاءبطورِ میراث درہم و دینار چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ وہ اپنی احادیث میں سے کچھ احادیث وراثت میں چھوڑ کر گئے ہیں"۔

اس حدیث کو خمینی اور اس سے پہلے مجلسی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کو کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ طوسی نے اپنی کتاب التہذیب میں اور مجلسی نے اپنی کتاب بحارالانوار میں میسر سے روایت کیا ہے جس کا کہنا ہے کہ: "میں نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے عورتوں کے بارے میں دریافت کیا کہ ان کا

میراث میں کیاحصہ ہے ؟انہوں نے فرمایا: ان کے لئے اینٹوں، عمارت، لکڑی اور بانسوں کی قیمت ہوگی۔ جہاں تک تعلق ہے زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا تو ان میں ان کے لئے کوئی میراث نہیں"۔

محمد بن مسلم، ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "عورتوں کو زمین اور غیر منقولہ جائیداد سے کوئی وراثت نہیں ملے گی"۔ عبد الملک بن اعین ان دونوں ائمہ علیہما السلام میں سے کسی ایک سے روایت کرتے ہے کہ : "عورتوں کے لئے گھروں اور غیر منقولہ جائیداد میں سے (بطورِ وراثت) کوئی حصہ نہیں"۔

باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں اور انہوں نے تاوقتِ وفات ان سے بات نہ کی۔ اس جھوٹ کا رد شیعہ کی اپنی کتابوں اور ان کے باوثوق اور اہم ترین مصدر سے کیا جائے گا جو کہ کتاب نہج البلاغہ شرح ابن ابو حدید ہے جس میں وہ کہتے ہیں: "جب زہراء ناراض ہوگئیں تو اس کے بعد ابو بکر چل کر ان کے پاس آئے،عمر کو سفارشی بنایا اور ان سے درخواست کی تو وہ ان سے راضی ہو گئیں"۔[1]

نہج البلاغہ کو شیعہ اپنی صحیح ترین کتاب خیال کرتے ہیں۔اس کے بارے میں شیعہ کے سب سے بڑے عالم الہادی آل کاشف الغطاء نے اپنی کتاب "مستدرک نہج البلاغہ" میں لکھا ہے کہ: "کتاب نہج البلاغہ مقام کے لحاظ سے عظیم ترین اسلامی کتابوں میں سے ہے۔۔۔"، یہاں تک کہ اس نے لکھا: "جو شخص اس سے روشنی حاصل کرنا چاہے اس کے لئے یہ نور ہے اور جو اس کو تھام لے اس کے لئے یہ نجات ہے اور جواس پر بھروسہ کرے اس کے لئے برہان ہے اور جو اس پر تدبر کرے اس کے لئے یہ عقل ہے"۔ اسی طرح ان کا کہنا ہے: "کتاب نہج البلاغہ میں ہے کہ: اس میں جو بھی خطبات، کتابیں، نصائح، حکمت بھری باتیں اور آداب آئے ہیں وہ صحیح اخبار کے مجموعات اور معتبر کتابوں میں نبی ﷺ اور اہلِ بیت سے روایت کی جانے والی باتوں کی طرح ہیں"۔[2]

جب ہم ان واضح حقائق کو شیعہ کے سامنے لاتے ہیں تو ان میں سے کچھ جان چھڑانے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ: "فدک ہبہ تھا جسے نبی ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا"۔

1۔ شرح نہج البلاغۃ، ابن ابو حدید، ۱/۵۷، شرح البلاغۃ، ابن ھیثم: ۵/۵۰۷

2۔ مستدرک نہج البلاغۃ، کاشف الغطاء، ص: ۱۹۱

انصاف پسند لوگ خود دیکھ لیں کہ کس طرح یہ لوگ نبی ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دوسرے بچوں کو چھوڑتے ہوئے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نوازا تھا۔ تصور کریں کہ یہ لوگ کس طرح ظلم اور باطل کو نبی ﷺ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ کیا نبی ﷺ کے بارے میں یہ کچھ کہنا جائز ہے؟ بچوں کے مابین عدل روا رکھنے کا نظریہ جس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ ایسے معصوم نبی جو ظلم پر گواہ تک نہیں بنتے ان کے بارے میں یہ گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ وہ خود ظلم کریں گے ۔ (عیاذا باللہ)

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡ﴾ [النساء: ۱۱]

«تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے»۔

اور اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُ بِٱلۡعَدۡلِ وَٱلۡإِحۡسَٰنِ﴾ [النحل: ۹۰]

« اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے»۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں بنت رواحہ نےانکے والدسے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے مال سے ان کو کچھ اشیاء بطور ہبہ دیں۔ ایک سال تک تو وہ ٹال مٹول کرتے رہے۔ پھر انہیں اس کا خیال آیا، ان کی ماں نے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو میرے بیٹے کے ہبہ پر گواہ نہ بنا لیں۔ میرے والدنے میرا ہاتھ پکڑا۔ ان دنوں میں نوعمر لڑکا تھا۔ میرے والد رسولاللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! اس کی ماں بنتِ رواحہ چاہتی ہے کہ میں آپ کو اس کے بیٹے کے ہبہ پر گواہ بناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نےفرمایا: اےبشیر! کیا اس کے علاوہ بھی تیری اولاد ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسی طرح سب کو ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر مجھے گواہ مت بناؤ کیونکہ میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔[1]

بخاری شریف میں روایت ہے: "عطیہ دینے میں اپنی اولاد کے مابین عدل کرو"۔اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ: "کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اس طرح کا عطیہ کیا ہے؟" انہوں نے

1۔ مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۲۳

جواب دیا کہ : نہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے مابین عدل کرو" ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ واپس آ کر انہوں نے اپنا دیا ہوا عطیہ واپس لے لیا۔[1]

وہ احادیث جو اہلِ سنت کی کتابوں میں ہیں اور شیعہ علماء ازراہ جھوٹ و تحریف ان میں من چاہی تاویل کرتے ہیں تا کہ عمر الفاروق کو بدنام کر سکیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عمر نے کہا کہ : إن النبي يهجر۔ یعنی نبی ﷺ ہذیان میں مبتلا ہیں۔[2]

ابن عباس ؓ کا بیان ہے: "جب نبی ﷺ کے مرض میں شدت ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے پاس سامانِ کتابت لاؤ تا کہ تمہارے لیے ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔اس پر عمر ؓ نے کہا کہ اس وقت آپ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمیں (ہدایت کے لیے) کافی ہے۔ اس پر لوگوں کی رائے مختلف ہو گئی اور شور و غل بڑھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو، میرے پاس جھگڑنا مناسب نہیں۔ اس پر ابن عباس ؓ یہ کہتے ہوئے نکل آئے کہ بیشک مصیبت بڑی سخت مصیبت ہے (وہ چیز) جو رسول اللہ ﷺ اور تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔[3] کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ روایت امام مسلم نے ابن عباس ؓ سے یوں روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا: جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کیا تھا۔ پھر ان کے آنسو بہہ نکلے یہاں تک کہ میں نے ان کے رخسار پر ان کو بہتے دیکھا گویا کہ وہ موتیوں کا ہار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس شانے (کی ہڈی) اور دوات لاؤ یا فرمایا کہ تختی اور دوات لاؤ تا کہ میں تمہارے لئے ایک ایسی تحریر لکھ جس کے بعد تم کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر لوگ کہنے لگے کہ : رسول اللہ ﷺ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

جھوٹے شیعوں نے باقی سب صحابہ کو چھوڑ کر عمر ؓ کی طرف یہ قول منسوب کر دیا کہ نبی ﷺ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، فقط اس لئے کہ وہ عمر فاروق ؓ سے شدید عداوت رکھتے ہیں جب کے ہر انصاف پسند شخص پر واضح ہے کہ اہلسنت کی کتبِ حدیث کی رو سے یہ قول عمر ؓ کی طرف

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۵۸۷
2۔ صحیح بخاری، کاب العلم، باب کتابۃ العلم، حدیث نمبر: ۱۱۴، صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، حدیث نمبر: ۱۶۳۷
3۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۴

منسوب نہیں ہے۔ روایت میں ہے کہ "لوگوں نے کہا":-روایت نے متعین نہیں کیا کہ وہ کون لوگ تھے- جب کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بس اتنی بات کہی تھی کہ نبی ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمارے لئے کافی ہے۔ یہاں عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات ان کے ایمان کے کامل پن اور اللہ کے اس فرمان کی پورے انداز میں سمجھ پر دلالت کرر ہی ہے کہ:

﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [المائدۃ: ۳]

«آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا»۔

عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا راحت و سکون چاہ رہے تھے اور نرم دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ازراہ شفقت چاہ رہے تھے کہ آپ ﷺ اپنی طاقت و صحت بحال کر لیں۔ایسا ہر گز نہیں تھا جیسا کہ بغض و عداوت رکھنے والے لوگ دعوی کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو وصیت لکھوانے سے روک دیا۔ بات دلالت کرتی ہے کہ ان کا یہ دعوی انہی پر رد ہوتا ہے وہ اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ٦٧﴾ [المائدۃ: ۶۷]

« اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔ اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ یقین رکھو کہ وہ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہر گز نہ دکھائے گا»۔

اللہ نے اس آیت میں اپنے نبی کو ان تمام باتوں کی تبلیغ کا حکم فرمایا جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی تھیں اور فرمایا کہ اپنی قوم کی طرف سے دی جانے والی تکلیف پر نہ گھبرائیں کیونکہ اللہ آپ کو بچانے والا ہے۔ یہ آیت اس بات پر ایک صریح نص ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو اس شے کی تبلیغ سے نہیں روک سکتا جس کو پہنچانے کا آپ ارادہ رکھتے ہوں۔

یہ لوگ دعوی کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر غصے میں آ گئے، آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

یہ بات نبی ﷺ کے مقام کے شایانِ شان نہیں جو لوگوں میں سب سے بہادر ہیں اور جن کا ایمان سب سے زیادہ کامل اور اللہ پر توکل سب سے زیادہ ہے۔یہ بات پوری قوت کے ساتھ شیعہ علماء کی

طرف سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کی جانے والی یاوہ گوئی اور ان پر باندھے جانے والے جھوٹ کا اثبات کرتی ہے۔

شیعہ علماء عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سخت بغض رکھتے ہیں اور مکروفریب کر کے ان کو بدنام کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں ۔ اپنے اس مکر و فریب کی بدولت لا شعوری طور پر وہ بہت بڑی باتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو دوسروں سے پہلے خود ان کے لئے شرم کا باعث ہوتی ہیں ۔ ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔

چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی ﷺ خود کو آنے والے غصے کی بنا پر تبلیغ ترک کر دیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ باطل کی تایید نہیں فرماتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "تم سب میرے پاس سے اٹھ جاؤ، کسی نبی کے پاس جھگڑنا جائز نہیں"۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں کہا کہ: (میرے پاس سے اٹھ جاؤ)۔یہ بات تصدیق کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات میں کوئی ایسی شے محسوس نہ فرمائی جو آپ ﷺ کے ادب کے منافی ہو۔آپ ﷺ نے ان کے باہم جھگڑے اور تنازع کی بنا پر ان کو بس اتنا حکم دیا کہ وہ سب آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ جائیں بشمول ان لوگوں کے جن کو تحریر لکھنے کا حکم دیا تھا ۔ دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ : (میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس میں تم ہو)۔

نبی ﷺ نے وصیت کے لکھنے سے متعلق جھگڑا کرنے والے دونوں فریق کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو نکالنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ: (ہمارے لئے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے)۔ یہ بات تائید کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی طرف سے اٹھ جانے کا حکم کوئی دھتکارنا نہیں تھا جیسا کہ شیعہ کا خیال ہے جو کہتے ہیں: (رسول اپنے صحابہ کو دھتکار رہے ہیں)۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی کہہ سکتا تھا کہ: ان لوگوں کا کیا قصور تھا جو تحریر لکھنا چاہتے تھے؟ ان کو رسول اللہ ﷺ کیوں دھتکار رہے ہیں؟

عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو جو بات کہی اس پر علی رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیوں نہ کیا حالانکہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھے!!؟۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو کوئی لکھنے کی چیز نہ دی تو علی بن ابو طالب نے نبی ﷺ کو لکھنے کے لئے کوئی چیز کیوں نہ دی ؟

اب یہ نہ کہنا کہ اس وقت علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ آپ کے ہاں تو امام پر کوئی شے بھی مخفی نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شے کا عزم کر لیتے تو عمر یا کوئی اور ایک حرف بھی نہیں بول سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قضیے کے بعد بھی تقریبا تین دن تک حیات رہے جب کہ ان کے پاس نہ عمر تھے اور نہ کوئی اور، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ بیت مثلا علی اور عباس رضی اللہ عنہم تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت یا کسی اور مسئلے کے بارے میں لکھ دینے میں کوئی مصلحت سمجھتے تو ایسا ضرور کرتے تاہم خلافت کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بس وہ کچھ کرنے پر اکتفاء کیا جو ایک قسم کی واضح نص ہے اوروہ یہ کہ اپنے ایامِ مرض کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر سے بیعت کے وقت خطبہ دیا تو علی الاعلان فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں جب کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ مجھے اور میری جگہ کو دیکھ رہے تھے۔ شہسوارِ اسلام علی رضی اللہ عنہ کی تقیہ کی طرف نسبت کرنا ان کے مقام سے عدم واقفیت کی وجہ سے ہے۔ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ وہ (بیانِ حق میں) کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے"۔[1]

شیعہ کے کتابوں کے متعدد مصادر میں شیعہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارےمیں جو بیان کیاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سٹھیا گئے تھے اس سے متعلق وہ کیا کہیں گے؟۔ ابو قلابہ عبد اللہ بن زید الجرمی، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ: "پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ بلال یہ کہتے ہوئے اندر آئے کہ: نماز کاوقت ہو گیا، اللہ آپ پر رحمت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تخفیف کی اور پھر فرمایا: علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو میرے پاس بلاؤ۔ وہ دونوں آ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ علی علیہ السلام کے کندھے پر رکھا اوردوسرا اسامہ کے کندھنے پر رکھا اور فرمایا: مجھے فاطمہ کے پاس لے چلو۔

وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر فاطمہ کے پاس آ گئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔ حسن و حسین رونا اور چلانا شروع ہو گئے اور کہنے لگے: ہماری جان آپ پر فدا ہو اور ہمارے

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۳-۵/۵

چہرے آپ کے چہرہ مبارک کے لئے بچاؤ بن جائیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اے علی! یہ کون ہیں؟انھوں نے جواب دیا: یہ آپ کے بیٹے حسن و حسین ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور ان کا بوسہ لیا"۔[1]

شیعہ علماء کی فریب دہی اور جھوٹ بولنے میں ان کی تفنن طبع کی ایک مثال یہ ہے کہ ہم ان کو یہ جھوٹ گھڑتے ہوئے اور کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ یہ روایت اہلِ سنت کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ حقیقت میں یہ روایت اہلِ سنت کی کتابوں میں سرے سے موجود ہی نہیں۔

اسی طرح وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا: "بے وقوف بڈھے کو قتل کر دو، وہ کافر ہو گیا ہے"۔

بے وقوف بڈھے سے ان کی مراد عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس جھوٹ کو شیعہ اور معتزلی ابن ابی الحدید نے نہج البلاغہ کی شرح میں ذکر کیا ہے جو صحت کے اعتبار سے بالکل بے بنیاد ہے۔ یہ سبائی افتراء پردازیوں میں سے ایک افتراء ہے تاکہ اس کی بنا پر مسلمانوں کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑکائیں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم پر طعن و تشنیع کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔ شیعہ علماء ان کو بنا کسی سند اہلسنت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جب کہ سب جانتے ہیں کہ اگر سند نہ ہو تو ہر کوئی جو کہنا چاہتا کہہ دیتا۔

جب کہ اس روایت کے بارے میں اہلسنت محدثین اور ماہرین روایت کا کہنا ہے کہ یہ سیف بن عمر کے طریق سے آئی ہے جس کے بارے میں یحی بن معین اور ابن ابی حاتم کا کہنا ہے کہ وہ ضعیف الحدیث ہے۔ نسائی کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ثبت راویوں (قابل اعتماد راویوں) کی نسبت سے موضوع احادیث روایت کیا کرتا تھا اوراحادیث خودگھڑا کرتا تھا۔ دارِ قطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے اور اس کی حدیث واقدی کی حدیث کی طرح ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں: وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ ابن عدی کا کہنا ہے کہ: اس کی روایت کردہ اکثر احادیث منکر ہوتی ہیں۔اس حدیث کی سند میں نصر بن مزاحم ہے جس کے

1۔ بحار الأنوار، مجلسي، ۵۱۰/۲۲، روضة الواعظين، محمد بن الفتال النيشابوري، ص: ۱۷۴، معهد باقر العلوم میں ایک حدیث کمیٹی نے کتاب "كلمات الإمام الحسين" میں سے اس روایت کو منتخب کیا ہے، ص: ۹۸، دارالمعروف، طهران

بارے میں العقیلی اپنی کتاب الضعفاء میں کہتے ہیں کہ: "وہ تشیع کی طرف میلان رکھتا تھا اور اس کی حدیث میں اضطراب اور بہت اخطاء ہوتی ہیں"۔

امام ذہبی کا بیان ہے: "یہ سخت رافضی تھا، انہوں نے اسے چھوڑ دیا تھا" اور ابوخثیمہ کہتے ہیں کہ: وہ کذاب تھا۔

شیعہ جانتے ہیں کہ اہلسنت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی عزت و قدر کرتے ہیں اور یہ جھوٹی روایت اہلسنت و الجماعت کے تصورات و مبادی کے خلاف ہیں اور یہ کہ عائشہ رضی اللہ جانتی تھیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں میں بلند مقام رکھتے تھے۔

انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سے فضائل روایت کئے ہیں جن میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرمانا تھا کہ: "کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد عثمان رضی اللہ عنہ تھے"۔[1]

ان کی دھوکہ دہی کی ایک اور صورت یہ ہے کہ وہ کسی جھوٹی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اسے اہلسنت کی کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ (مثلا یہ روایت کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دینا"۔ یہ حدیث اپنی تمام طرقِ اسناد کے اعتبار سے غیر صحیح ہے کیونکہ اس میں عباد بن یعقوب الرواجنی ہے جو رافضی تھا اور رافضیت کا بہت بڑا داعی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ مشہور لوگوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے منکر احادیث روایت کیا کرتا تھا چنانچہ اسے ترک کردیا گیا۔

اسی طرح اس میں الحکم بن ظہیر الفزاری ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو گالیاں دیتا اور موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔

اگر شیعہ عوام اہلسنت کے درج ذیل مصادر کی طرف رجوع کریں تو ان کو اپنے علماء کی فریب دہی کا پختہ طور پر علم ہو جائے گا۔ اہلسنت علماء نے بیان کیا ہے کہ گزشتہ حدیث موضوع اور جھوٹی ہے۔ شیعہ عوام درج ذیل مراجع کا مطالعہ کریں:

1۔ مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۰۱

تعلیقات على المجروحين، تاليف ايوب السحتیانی ۱۶۵، تهذيب التهذيب، تالیف ایوب السحتیانی ۷۴/۸، تهذيب التهذيب، تالیف العقیلی ۴۲۸/۲، تهذيب التهذيب، تالیف ابن حبان ۱۱۰/۵، المجروحين، تالیف ابن حبان ۱۶۳/۲، ۳۰۴/۱، ۱۷۳/۱، الكامل فی الضعفاء، تالیف ابن عدی ۵۴۳/۶، ۳۸۲/۲، تذكرة الحفاظ، تالیف ابن القیسرانی ۳۴، ذخيرة الحفاظ، تالیف ابن القیسرانی ۳۲۰/۱، الموضوعات، تالیف ابن جوزی ۲۶۵/۲، ۲۶۶/۲، منهاج السنة، تالیف ابن تیمیہ ۳۷۸/۴، میزان الاعتدال، تالیف الذہبی ۵۷۲/۱، ۳۷۰/۲، ۶۱۳/۲، البداية والنهاية، تالیف ابن کثیر ۱۳۵/۸، ۱۳۶، تنزيه الشريعة، تالیف ابن عراق الکنانی ۸/۲، الفوائد المجموعة، تالیف الشوکانی ۴۰۷، دفاع عن الحديث، تالیفِ البانی ۱۱۲، السلسلة الضعيفة، تالیفِ البانی ۴۹۳۰۔

سوال جو شیعہ علماء پر عائد ہوتا ہے اور جس نے ان کو پریشان کئے رکھا اور ان کے تناقض کو بیان کیا:

حسن بن علی رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار کیوں ہوئے؟ کیونکہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا دستبردار ہونا ان کی طرف سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اقرار ہے اور حسن رضی اللہ عنہ کی نظر میں معاویہ مومن ہیں، مرتد یا کافر نہیں ہیں۔

اس بیعت کا حال الکشی نے روایت کیا ہے: -۔ ابو عبد اللہ جعفر کا بیان ہے کہ: معاویہ نے حسن بن علی کو خط لکھا کہ آپ، حسین اور علی کے ساتھی (ان کے پاس) آئیں ۔ ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی روانہ ہو گئے ۔ وہ شام پہنچے تو معاویہ نے ان کو داخلے کی اجازت دے دی اور ان کے لئے خطباء کو تیار کیا۔ پھر معاویہ نے کہا: اے حسن! اٹھ کر بیعت کرو۔ اس پر انہوں نے بیعت کر لی۔ پھر حسین کو کہا : اٹھو اور بیعت کرو۔ پھر قیس سے کہا : اٹھو اور بیعت کرو۔ قیس نے حسین کی طرف دیکھا یہ جاننے کے لئے کہ وہ ان کو کیا حکم دیتے ہیں۔ حسین نے کہا: اے قیس! وہ یعنی حسن علیہ السلام میرے امام ہیں ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: حسن قیس کی طرف اٹھ کر گئے اور فرمایا: بیعت کر لو اے قیس! بیعت کر لو۔[1]

1۔ رجال الکشی، ص: ۱۰۲

اسی طرح شیعہ کی کتابوں میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن میں حسن رضی اللہ عنہ معاویہ کو کافر قرار نہیں دیتے بلکہ ان سے انہوں نے بیعت کی۔[1]

شیعہ علماء کی طرف سے اپنے عوام کو دیئے جانے والے دھوکے کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات اہلسنت کی کتابوں میں موجود کسی ایسی حدیث کا ذکر کرتے ہیں جس کو علماءِ اہلسنت نے ضعیف قرار دیا ہوتا ہے اور اس کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں تا کہ اہلسنت کے عقائد اور ان کی کتب پر طعن کر سکیں۔ جیسا کہ یہ حدیث کہ: "میرے صحابہ تاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتداء کر لو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔ کچھ دوسرے الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " میرے صحابہ آسمان میں تاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کو بھی پکڑ لو گے ہدایت پا جاو گے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے"۔ اس بنا پر شیعہ کہتے ہیں کہ اہلسنت صحابہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں۔

ہم اول تو ان دونوں احادیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اہلسنت علماء نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اگر اہلسنت کے ہاں تصحیح و تضعیف ان کے مذہب کی موافقت کے لحاظ سے ہوتی تو وہ ضرور اس حدیث کو صحیح قرار دیتے کیونکہ اس میں صحابہ کی تعریف ہے اور ان کے اقتداء کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

ائمہِ جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

امام احمد کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو (السلسة الضعيفة) میں ذکر کر کے کہا ہے کہ یہ موضوع ہے۔

حافظ احمد بن عمرو بن عبدالخالق بزار کہتے ہیں کہ: یہ کلام نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔[2]

ابنِ حزم کہتے ہیں: یہ حدیث باطل اور جھوٹ ہے۔[3]

1۔ دیکھیں: کشف الغمہ، ص: ۵۴، الارشاد، المفید، ص: ۱۹۰

2۔ البدر المنیر، ۵۸۷/۹

3۔ الإحكام في أصول الأحكام، ۶۱/۵

شبہ کہ اہلسنت و الجماعت صحابہ کے بارے میں غلو کرتے ہیں کا رد

اہلسنت و الجماعت کا صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں مذہب ان افراط وتفریط کے شکار لوگوں کے درمیان ہے جو افراط میں تعظیم کرتے ہوئے ان کو اس مقام تک بلند کر دیتے ہیں جوسوائے اللہ یااس کے رسولوں کے کسی کے لئے سزا وار نہیں ہوتا اور جو تفریط میں صحابہ کی شان گھٹاتے ہیں اور ان کو گالیاں دیتے ہیں یعنی ان کا مذہب غلوکرنے والوں اور بے رخی برتنے والوں کے بین بین ہے۔

اہلسنت عدل و انصاف کے ساتھ صحابہ کرام کو ان کے ان مقامات پر رکھتے ہیں جن کے وہ حق دار ہوتے ہیں ۔ ان کی زبانیں ان کے شایانِ شان اچھے ذکر سے تر رہتی ہیں اور ان کے دل ان کی محبت سے آباد رہتے ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

﴿رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَا تَجْعَلْ فِى قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحشر: ١٠]

«جو کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب، تو بڑا مہربان اور رحیم ہے»۔

رسول اللہﷺ کا فرمان ہے: "میرے صحابہ کو گالیاں مت دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی (اللہ کی راہ میں)خرچ کر دے تو وہ ان کے خرچ کردہ ایک مُد یا نصف مُد کے برابر بھی نہ ہوگا"۔[1] عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: "جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ، سب فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو"۔[2]

1۔ البخاری، حدیث نمبر: ٢٥٤٠، صحیح ترمذی، حدیث نمبر: ٣٨٦١

2. السلسة الصحيحة، الألباني، حدیث نمبر: ٢٣٤٠

سنتِ مطہرہ نے نشاندہی کی کہ صحابہ کرام کو گالیاں دینا یا ان کو بدنام کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں اپنے نبی کی صحبت، اپنے دین کی اشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے انتخاب فرمایا۔ چنانچہ وہ نبی ﷺ کے وزراء اور انصار تھے جو آپ ﷺ کا دفاع کرتے ہے۔ انہوں نے اللہ کی زمین پر دین کے قیام کے لئے بہت دوڑ دھوپ اور جدوجہد کی اور بہت مشکلات کا سامنا کیا۔ انہوں نے صبر و صدق سے کام لیا یہاں تک کہ ان کا جہاد اور دعوت دنیا کے مختلف گوشوں اور بعد میں آنے والی نسلوں تک پوری شکل میں بے کم و کاست پہنچ گئی۔

ابن ابی زید القیروانی المالکی نے اپنے مشہور رسالے کے مقدمے میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: " یہ کہ سب سے بہتر زمانہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور صحابہ میں سب سے افضل ہدایت یافتہ خلفاء راشدین ہیں: ابوبکر پھر عمر پھر عثمان اور پھر علی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہر صحابی کا اچھے انداز میں ذکر کیا جائے اور ان کے مابین جو تنازعات ہوئے ان میں گفتگو سے پرہیز کیا جائے اور وہ اس بات کے سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کے لئے بہترین مخارج تلاش کئے جائیں اور ان کے بارے میں اچھا ترین گمان رکھا جائے۔ جب کہ ان برگزیدہ و چنیدہ لوگوں میں طعن زنی دراصل دین میں طعن زنی ہے کیونکہ دین ان کے بعد آنے والے لوگوں تک انہی کے واسطے سے پہنچا ہے"۔

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب الکفایہ میں لکھا ہے: "ہر وہ حدیث جس کی اسناد روایت کرنے والے اور نبی ﷺ کے مابین متصل ہو اس حدیث پر تب تک عمل لازم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے راویوں کی عدالت ثابت نہ ہو جائے اور ان کے حالات میں نظر دوڑانا واجب ہے سوائے صحابی کے۔ جس نے اس اسناد کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا ہو کیوں کہ صحابہ کی عدالت خود اللہ تعالی کی بیان کردہ تعدیل، اس کی طرف سے ان کی طہارت کی خبر دینے اور اللہ کی طرف سے قرآن کی نص میں ان کے چناؤ سے ثابت و معلوم ہے"۔

پھر انہوں نے ان کی فضیلت میں بعض آیات اور احادیث بیان کرنے کے بعد لکھا کہ: " ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان میں سے کوئی بھی شے نہ آئی ہوتی تو وہ جس حال میں تھے یعنی ہجرت و جہاد اور نصرت، جان و مال کا خرچ، اپنے آباء و اولاد کا قتل، دین میں باہم دگر خیرخواہی اور ایمان و یقین کی قوت، وہی واجب ٹھہراتا ہے کہ قطعی انداز میں

ان کی عدالت کی گواہی دی جائے، ان کی نزاہت اور اس بات کا اعتقاد رکھا جائے کہ وہ اُن تعدیل و تزکیہ کرنے والوں سے افضل ہیں جو ہمیشہ تک کے لئے ان کے بعد آئیں گے"۔

خطیب بغدادی نے اپنی اسناد کے ساتھ ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ: "اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے۔ ہم تک اس قرآن اور ان سنتوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے ہی پہنچایا ہے۔ ایسا کرنے والے لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں پر جرح کریں اور یوں کتاب و سنت کو باطل کر دیں حالانکہ یہ لوگ بطریقِ اولی جرح کے مستحق اور زندیق ہیں"۔

صحابہ پر طعن و تشنیع ان کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچاتی بلکہ ان کو فائدہ ہی دیتی ہے کیونکہ ایک صحیح حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکوۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے اِس کو گالی دی ہوگی، اِس پر تہمت لگائی ہوگی، اِس کا مال کھایا ہوگا، اِس کا خون بہایا ہوگا اور اِس کو مارا پیٹا ہوگا۔ چنانچہ اس شخص کو اس کی نیکیوں میں سے نیکیاں دے دی جائیں گی اور اس کو اس کی نیکیوں میں سے نیکیاں دی جائیں گے۔ پھر اگر اس پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کے چکائے جانےسے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا"۔[1]

اس لئے اے شیعہ عوام! اس بات کا ذرا دھیان رہے۔

جلیل القدر صحابی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے بندوں کے دلوں میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ محمد ﷺ کا دل بندوں میں سب سے اچھا دل ہے چنانچہ اللہ نے آپ ﷺ کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا۔ پھر اللہ نے لوگوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ کے دل بندوں میں سب سے اچھے ہیں چنانچہ اللہ تعالی نے ان کو آپ ﷺ کی صحبت کے لئے چن لیا"۔[2]

1۔ صحیح مسلم: ۲۵۸۱

2۔ مسند احمد: ۵/۲۱۱

شیعہ علماء کی طرف سے اپنی عوام کو دیئے جانے والے فریب کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ جب اہلسنت کی کتابوں میں مذکور کسی ایسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو ان کی کتابوں میں صحیح ہوتی ہے تو شیعہ علماء اس کی اپنے حسبِ مقصد و منشا تاویل کرتے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم اور سنن ابوداؤد میں آنے والا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ: (بارہ امیر ہوں گے اور سب قریش میں سے ہوں گے)۔[1]

(اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے)۔[2]

(یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء آ جائیں گے۔ ان سب پر امت اکٹھی ہو گی۔[3] شیعہ کہتے ہیں کہ بارہ خلیفہ یا امیروں سے مراد ان کے بارہ ائمہ ہیں۔

ہم بیانِ حق کے لئے کہتے ہیں: ان احادیث میں غور و تامل کرنے والا شخص دیکھ سکتا ہے کہ ان میں صفت خلافت اور صفتِ امارت کا بیان ہے نہ کہ امامت کا۔ پھر شیعہ نے صفتِ امامت کو کیسے ثابت کر دیا جب کہ احادیث میں امامت کا لفظ تک نہیں ہے۔ اسی طرح ان میں سے امارت کی ذمہ داری صرف علی اور حسن نے سنبھالی اور باقی ائمہ کو خلافت ملی ہی نہیں۔ اس بنا پر حدیث کو سرے سے بطور حجت پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہبِ شیعہ کے بانیان نے بذات خود اس تعداد کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں آنے والی تعداد کے برابر رکھا کیونکہ بارہ ائمہ کا قول ان کے ہاں بہت دیر سے آیا۔ ان کی احادیث نبی ﷺ کی وفات کے بہت عرصہ بعد بلکہ شیعہ کے اکثر ائمہ کی بھی وفات کے بعد وضع کی گئیں۔

حدیث میں ان بارہ کو قریش کی طرف منسوب کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ سب قریش میں سے ہوں گے)۔ اگر وہ آلِ بیت نبی ﷺ سے ہوتے تو آپ ﷺ فرماتے: (وہ سب بنی ہاشم میں سے ہوں گے)۔ ہاشمیت قریشیت سے زیادہ خاص ہے۔عام طور پر نسبت قریب ترین نسب کی طرف کی جاتی ہے۔ اگر وہ سب کے سب بنوہاشم میں سے ہوتے تو نبی ﷺ ان کو قریش کی طرف منسوب نہ

1۔ البخاری، حدیث نمبر: ۷۲۲۲

2۔ مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۲۱

3۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۲۷۹

کرتے یا یوں فرماتے کہ: وہ سب میرے اہلِ بیت میں سے ہوں گے جیسا کہ آپ ﷺ نے مہدی منتظر کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا تھا۔

جلیل القدر عالم ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یہ بارہ وہی ہیں جن کی امامت کا عقیدہ روافض رکھتے ہیں تو وہ انتہائی جہالت میں مبتلا ہے۔ ان میں سے صاحبِ تلوار صرف علی بن ابی طالب ہی تھے۔ جب کہ علی کے سوا دیگر تمام ائمہ میں سے کوئی بھی صاحب تلوار نہ تھا۔ خاص طور پر المنتظر۔بلکہ وہ تو ان لوگوں کے نزدیک جو ان کی امامت کے قائل ہیں یا تو خوف زدہ اور عاجز ہیں یا پھر چارسو سال سے زیادہ عرصے سے مفرور اور چھپے ہوئے ہیں۔وہ نہ تو کسی گمراہ کو ہدایت دینے کا سبب بنے، نہ انہوں نے نیکی کا حکم دیا، نہ برائی سے منع کیا، نہ کسی مظلوم کی مدد کی، نہ کسی کو کسی مسئلے میں فتوی دیا، نہ کسی قضیے میں فیصلہ دیا اور نہ ہی ان کی موجودگی کا کچھ علم ہے۔ اگر وہ موجود بھی ہوتے تو ان کا کیا فائدہ ہوتا؟ چہ جائیکہ اسلام کو ان کی وجہ سے کچھ تقویت ملتی!!"۔

پھر نبی ﷺ نے خبر دی کہ اسلام قوی اور غالب رہے گا اور اس امت کا معاملہ راستگی پر رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء آ جائیں۔ اگر تو ان سے مراد یہ بارہ ائمہ ہی تھے جن میں سے آخری امام منتظر تھے جو ان کے نزدیک اب بھی موجود ہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جائیں، اگر ایسا ہوتا تو اسلام اموی اور عباسی دونوں ادوارِ حکومت میں قوی ہی رہتا۔ مشرق و مغرب کے کفار کے مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرنے تک اسلام غالب رہتا۔(اگر ان سے مراد بارہ امام ہوتے) تو اسلام آج تک قوی وغالب ہی ہوتا جب کہ یہ بات اس بات کے خلاف ہے جس پر حدیث دلالت کر رہی ہے۔

اسی طرح شیعہ امامیہ کے نزدیک اسلام اس مذہب کا نام ہے جس پر وہ قائم ہیں جب کہ یہ لوگ اسلامی فرقوں میں کمزور اور حقیر ترین فرقہ ہیں۔ ہوائے نفس کی پیروی میں روافض سے زیادہ ذلیل ترین لوگ، ان سے بڑھ کر آپ ﷺ کے فرامین کو چھپانے والے اور ان سے زیادہ تقیہ کا استعمال کرنے والے کوئی اور نہیں ۔ بزعمِ خود وہ بارہ اماموں کے شیعہ ہیں جب کہ حقیقت میں انتہائی ذلت میں پڑے ہیں۔ بارہ سے مراد یہاں وہ ہیں جو قریش میں سے تھےاور امت پر ان کو ولایت عامہ دی گئی۔ اسلام ان کے زمانے میں طاقت ور اور غالب رہا اور یہ بات معروف ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: اس طرح سے ابو بکر، عمر، عثمان اور علی خلفاء ہوئے۔ پھر حکومت ان لوگوں نے سنبھالی جن پر لوگوں کا اتفاق ہوتا رہا اور انہیں عزت و طاقت حاصل رہی یعنی معاویہ، ان کے بیٹے یزید، پھر عبد الملک اور اس کے چاروں بیٹے۔ ان میں عمر بن عبد العزیز بھی تھے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ مدت جس میں حکومت ان آٹھ افراد کو حاصل رہی اس میں ان پر خلفاء کا ہی اطلاق کیا جاتا رہا۔ یہ لوگ خلفاء اربعہ کے بعد بنی امیہ کے بادشاہ ہیں اور ان کے دور میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور اسے قوت حاصل ہوئی۔

خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ کے دور کی طرح کا کوئی اور دور نہیں آیا جس میں اسلام کو اس طرح سے قوت حاصل ہوئی ہو، اہلِ اسلام کو اپنے دشمنوں پر فتح ملی ہو، کثرت سے فتوحات ہوئی ہوں اور اسلامی سرزمین کا دائرہ اتنا وسیع ہوا ہو۔ یہ سب کچھ شیعہ کے نامزد کردہ بارہ ائمہ کے دور میں نہیں ہوا۔ انہوں نے تو بے بسی کی زندگی گزاری جس میں ان کا تعاقب ہی ہوتا رہتا اور ان کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں بارہ صالح خلفاء کے آنے کی بشارت دی گئی ہے جو حق قائم کریں گے اور لوگوں میں انصاف کریں گے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ پے در پے آئیں اور ان میں ایک کے بعد دوسرے کا دورِ حکومت آئے۔ بلکہ ان میں سے چار تو ترتیب کے ساتھ آئے جو کہ خلفاء اربعہ ہیں یعنی ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم۔اور بلاشک امت کے نزدیک ان میں سے ایک عمر بن عبد العزیز بھی ہیں اور بنی عباس کے بعض خلفاء بھی ہیں۔

قیامت تب تک نہیں آئے گی جب تک کہ ان کی حکومت نہ آجائے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک امام مہدی بھی ہیں جن کے آنے کی دوسری احادیث میں وارد ہونے والی احادیث میں بشارت دی گئی ہے)۔ [2]

اہلسنت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن بن علی اور معاویہ کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ چھے خلفاء ان بارہ اماموں میں سے ہیں اور سب کا تعلق قریش سے ہے۔ پھر آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: " اور خلفاء آئیں گے اور بہت آئیں گے"۔

1۔ منہاج السنہ: ۱۷۳/۸

2۔ تفسیر القرآن العظیم: ۶۵/۳

صحابہ نے دریافت کیا کہ: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟آپ ﷺ نے فرمایا: جس خلیفہ سے تم نے پہلے بیعت کرلی ہو اس سے وفاداری کرو۔ تم انہیں ان کا حق دو۔ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔[1] چنانچہ اہلسنت نے نبی ﷺ کے اس فرمان کو اپنا لیا۔

اب میں یہاں ایک ایسی حدیث ذکر کروں گا جو اہلسنت کے نزدیک گزشتہ حدیث کا تکملہ سمجھی جاتی ہے ۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "میری امت میں خلافت تیس سال ہو گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی"۔[2]

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: (نبوی خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر اللہ جسے چاہے گا اپنی بادشاہت عطا کرے گا)۔[3]

ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: تیس سال حسن بن علی کی خلافت کے ساتھ مکمل ہو گئے تھے۔ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ کے حق میں ربیع الاول ۴۱ ہجری میں خلافت سے دستبردار ہوئے تھے۔ اور اس سال رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تیس سال پورے ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ ہجری میں ہوئی تھی۔

یہ آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر ان کی تعریف فرمائی یعنی ان کا دنیائے فانی کو ترک کرتے ہوئے ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت میں رغبت دکھانا اور اس امت کو خونریزی سے بچانا۔ چنانچہ آپ خلافت سے دستبردار ہو گئے اور حکومت معاویہ کے ہاتھ میں دے دی تا کہ ایک امیر پر اتفاق ہو جائے۔

جیسا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دادا کی اس پیش گوئی کو سچ کر دکھایا جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے۔[4]

---

1. صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۴۲
2۔ صحیح ترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۲۶
3۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۶۴۶
4۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۲۷۰۴

جب کہ شیعہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ پر طعن زنی کی بلکہ ان کو "خاذل المومنین" (مومنوں سے دستبردار ہو جانے والا) کا نام دیا۔ حالانکہ انہوں نے اس نبوی پیش گوئی کو سچ کر دکھایا اور مسلمانوں کی خونریزی کو روکا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

شیعہ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے "اے مومنوں سے دستبردا ہو جانے والے!" کہہ کر خطاب کیا اور ان کو "مومنوں کے چہرے سیاہ کرنے والے" کا نام دیا۔

اگر حسن بن علی رضی اللہ عنہ ان کی بیعت کو درست خیال نہ کرتے یا پھر سمجھتے کہ معاویہ نے آلِ محمد کا حق غصب کیا ہے جیسا کہ شیعہ گمان رکھتے ہیں تو کیا وہ اپنے حق سے دستبردار ہوتے؟

شیعہ کے مصادر میں حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "اللہ کی قسم! میں معاویہ کو اپنے لئے ان لوگوں سے بہتر سمجھتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ ہمارے شیعہ ہیں جب کہ انہوں نے مجھے قتل کرنا چاہا اور میرا مال چھین لیا۔ اللہ کی قسم ! میرا معاویہ سے وہ چیز لینا جس سے میں اپنی جان بچاؤں اور اپنے اہل و عیال میں امان پاؤں زیادہ بہتر ہے اس سے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر دیں اور میرے اہلِ خانہ تباہ ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر میں معاویہ سے لڑتا تو یہ لوگ صلح کی خاطر گردن سے دبوچ کر مجھے اس کے حوالے کر دیتے۔ اللہ کی قسم! میرا عزت کے ساتھ اس سے صلح کر لینا اس سے بہتر ہے کہ وہ حالتِ گرفتاری میں مجھے قتل کرے"۔[1]

شیعہ علماء کی طرف سے اپنے عوام کو دھوکہ دہی کی ایک اہم صورت یہ ہے کہ وہ دو جلیل القدر صحابیوں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین پیدا ہونے والے اختلاف کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ کی مدد چاہتے ہوئے میں اس کے بارے میں کہتا ہوں کہ:

علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کا آغاز یہاں سے ہوا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے سے پہلے یا بعد میں معاویہ اور ان کے ساتھیوں پر علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کس حد تک واجب ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کا لالچ نہیں تھا۔ بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گرد موجود اہلِ شام سمجھتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ پہلے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیں اور اس کے بعد وہ بیعت کریں گے۔

1۔ الاحتجاج للطبرسی، ج: ۲، ص: ۲۹۰

ابن کثیر البدایہ و النہایہ میں ابراہیم بن حسین بن علی الہمدانی سے روایت ذکر کرتے ہیں کہ ابن دیزیل الامام الحافظ (وفات: ۲۸۱ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ ابو الدرداء اور ابو امامہ رض اللہ عنہما معاویہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے: اے معاویہ! تم اس شخص سے کس وجہ سے لڑ رہے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ تم سے اور تمہارے باپ سے پہلے اسلام لانے والا ہے، رسول اللہ ﷺ س ے رشت ہ داری می ں تم س ے زیادہ قریب اور امرِ خلافت کا تم س ے زیادہ حق دار ہے؟۔

اس پر معاویہ نے جواب دیا: میں اس سے عثمان کے خون پر لڑ رہا ہوں اور اس بات پر لڑ رہا ہوں کہ اس نے قاتلینِ عثمان کو پناہ دے رکھی ہے۔ تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ ہمیں قاتلین عثمان سے قصاص لے کر دے، پھر میں اہلِ شام میں سے اس کی سب سے پہلے بیعت کروں گا۔[1]

ابن حجر الہیثمی کہتے ہیں: "اہلسنت و الجماعت کا اعتقاد ہے کہ معاویہ اور علی کے مابین جو کچھ جنگ ہوئی وہ اس بنا پر نہیں ہوئی تھی کہ معاویہ کا علی سے خلافت کے معاملے پر جھگڑا تھا کیونکہ اس پر تو اجماع ہے کہ علی خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ چنانچہ فتنہ اس بنا پر نہیں بھڑکا تھا بلکہ اس کے بھڑکنے کا سبب یہ تھا کہ معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین ان کے حوالے کر دیں کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد تھے لیکن علی رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا"۔[2]

علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو جنگ صفین کے دنوں میں اہلِ شام کو گالیاں دیتے ہوئے سنا تو ان پر غضب ناک ہوتے ہوئے فرمایا: "مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم دشنام طراز بنو۔ بلکہ اگر تم ان کے اعمال اور حالات بیان کر رہے ہوتے تو یہ بات قرینِ صواب اور عذر کے زیادہ قریب ہوتی ۔ تم ان کو گالیاں دینے کی بجائے یوں کہتے کہ: اے اللہ! ہمارے اور ان کے خون بہنے سے روک اور ہمارے اور ان کے مابین صلح فرما"۔[3]

1۔ ابنِ کثیر فی البدایہ و النہایہ، ۷/۳۶۰، تاریخ دمشق، ۶/۳۸۷، سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۱۸۴-۱۹۲، لسان المیزان، ابن حجر: ۱/۴۸

2۔ الصواعق المحرقۃ، ص: ۳۲۵

3۔ نہج البلاغۃ، شرح محمد عبدہ، ص: ۳۹۸

نہج البلاغہ میں ہے کہ: علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مختلف شہروں کی طرف خطوط بھیجے گئے۔ ان میں وہ اپنے اور اہلِ صفین کے مابین آنے والے حالات کا یہ کہتے ہوئے ذکر کرتے ہیں کہ: "ہمارے معاملے کا آغاز یہاں سے ہوا کہ ہمارا آمنا سامنا ہوا جب کہ وہ لوگ اہلِ شام میں سے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے اور اسلام میں ہماری دعوت بھی ایک ہے۔ نہ تو ہم ان سے ایمان باللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق میں کسی اور شے کا اضافہ چاہتے ہیں اور نہ وہ ہم سے کچھ اضافہ چاہتے ہیں۔ سب کچھ ایک ہی ہے سوائے اس اختلاف کے جو ہمارے مابین عثمان س کے قتل پر ہوا جس سے ہم بری ہیں"۔(1)

بلکہ ہمیں شیعہ کی کتابوں میں ایسی روایات ملتی ہیں جو نشاندہی کرتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت کی عزت و احترام کرتے تھے اور ان سے عداوت نہیں رکھتے تھے۔ شیعہ کے الصدوق القمی اپنی کتاب الامالی میں ایک طویل روایت ذکر کرتے ہیں جس میں ہم صرف وہ حصہ لے لیتے ہیں جو ہماری دلیل ہے: جب معاویہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپن بیٹے یزید کو بلوایا اور اسےاپنے سامنے بٹھا کر کہا: "اے بیٹے! رسول اللہ ﷺ کے ہاں حسین کے مقام کو میں جانتا ہوں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے گوشت و خون سے ہے۔ اور مجھے پختہ طور پر علم ہے کہ اہلِ عراق اس کو اپنی طرف بلوا کر اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور اس کو ہلاکت میں مبتلا کریں گے۔ اگر تم اس پر فتح یاب ہو جاؤ تو اس کے حق اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں اس کے مقام کو ذہن میں رکھنا اور اس کے کئے پر اس کا مواخذہ نہ کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھ ہمارا میل جول اور رشتہ داری بھی ہے۔ خبردار کہ تم اس کے ساتھ کچھ بُرا کرو یا تمہاری طرف سے اس کو کچھ ناگوار بات پیش آئے"۔

اہلسنت و الجماعت کا صحابہ کے مابین پیدا ہونے والے اس فتنے سے متعلق عقیدہ اللہ کے اس فرمان میں پوری طرح واضح ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٱقۡتَتَلُواْ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَاۖ فَإِنۢ بَغَتۡ إِحۡدَىٰهُمَا عَلَى ٱلۡأُخۡرَىٰ فَقَٰتِلُواْ ٱلَّتِي تَبۡغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمۡرِ ٱللَّهِۚ فَإِن فَآءَتۡ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَهُمَا بِٱلۡعَدۡلِ وَأَقۡسِطُوٓاْۖ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُقۡسِطِينَ ۝٩﴾ [الحجرات: ۹]

«اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک

1۔ سابقہ مصدر، ص: ۵۴۳

کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے»۔

چنانچہ ہم ان سب کے لئے "رضی اللہ عنہم" کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے باجود ان کے قتال اور ایک دوسرے پر زیادتی کے ان کو ایمان کے ساتھ متصف فرمایا اور ان کو باہم دگر بھائی بھائی قرار دیا۔ پھر جب کوئی کسی دوسرے پر خود کو برحق خیال کرتے ہوئے زیادتی کرے تو اس کا کیا حکم ہوگا!؟۔ اس لئے اہلِ سنت دونوں فریق کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلّٗا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٞ رَّحِيمٌ ۝١٠﴾ [الحشر: ۱۰]

«جو اِن اگلوں کے بعد آئے ہیں، جو کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب، تو بڑا مہربان اور رحیم ہے»۔

اہلِ سنت کے ہاں موجود احادیث بیان کرتی ہیں کہ دونوں گروہوں کا دعوی ایک ہی تھا اور دونوں گروہ مومن تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک دو ایسے گروہوں کی باہم لڑائی نہ ہو جائے جن کا دعوی ایک ہی ہو گا"۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بوقتِ انتشار کچھ لوگ مسلمانوں سے نکل جائیں گے اور ان کو دونوں گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق پر ہو گا"۔[1]

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ دونوں گروہ حق کا مطالبہ کر رہے ہوں گے اور اس پر جھگڑ رہیں ہو ں گے ۔ یعنی ان کا مقصود حق ہی ہو گا اور وہ سب حق ہی کو تلاش کرنے والے ہوں گے۔ اسی طرح حدیث یہ بھی واضح کرتی ہے کہ حق علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گا کیونکہ اسلام سے نکلنے والے گروہ کے ساتھ قتال انہوں نے ہی کیا تھا۔ یہ گروہ خوارج کا تھا جن کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی نہروان کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا خوارج کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا کیونکہ یہ لوگ چوری چھپے

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۶۴

اندر گھسے ہوئے تھے۔ امام نووی کہتے ہیں: "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں گروہ مومن ہی رہتے ہیں اور قتال کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتے اور نہ ہی فاسق ہوتے ہیں"۔

یہ خوارج چوری چھپے اندر گھسے ہوئے تھے اور جونہی فتنے کی آگ ماند پڑنے لگتی یہ اس کو بھڑکا دیتے تھے۔ وہ فتنہ جس کے واقعات سے غالی شیعہ مذہب کے بانیان نے خلفاء اور صحابہ پر طعن کے لئے ناجائز فائدہ اٹھایا اور دلوں میں تلخیاں پیدا کرنے کے لئے نبی ﷺ کے صحابہ کے بارے میں جھوٹی روایات اور قصے لکھ لئے۔

یہ سب اہلسنت کا موقف تھا کیونکہ وہ امتِ وسط ہیں۔ چنانچہ وہ سب کے لئے اللہ کی رضا کی دعا کرتے ہیں اور ان کی گردنوں میں علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرکے ان کو چوتھے خلیفہ مانتے ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ مومنین کے ماموں اور کاتبِ وحی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزری ان کی زندگی بہت معطر اور خوبصورت ہے۔ ہمارے لئے اللہ تعالی کا یہ فرمان ہی کافی ہے کہ:

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾﴾ [البقرة: ۱۳۴]

«وہ کچھ لوگ تھے، جو گزر گئے جو کچھ انہوں نے کمایا، وہ اُن کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے، وہ تمہارے لیے ہے۔ تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے»۔

آخر میں میں شیعہ عوام کو علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول یاد دلاؤں گا جو ان کے اہم ترین مصدر نہج البلاغہ میں ہے: "میں نے محمد کے صحابہ کو دیکھا ہے۔ تم میں مجھے کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو ان کی طرح کا ہو۔ جب صبح ہوتی تو ان کے بال الجھے ہوئے اور غبار آلود ہوتے جب کہ رات انہوں نے حالتِ سجود و قیام میں گزاری ہوتی تھی بایں طور کہ کبھی پیشانی خاک پر رکھتے اور کبھی رخسار۔ اپنی آخرت کی یاد میں ان کا یہ حال ہوتا کہ گویا انگاروں پر کھڑے ہوں۔ لمبے لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی آنکھوں کے مابین بکریوں کے گھٹنوں کی طرح گٹے پڑے ہوتے ۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں بہہ پڑتیں یہاں تک کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے اور سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں وہ یوں ہلتے جیسے سخت آندھی والے دن درخت ہلتے ہیں"۔[1]

1۔ نہج البلاغہ، ص: ۲۲۵

جیسا کہ میں انصاف پسند شیعوں کو نصیحت کرتا ہو کہ ان کے علماء اہلسنت کی کتابوں کی طرف جو کچھ منسوب کرتے ہیں اس کے بارے میں ان پر شرعی اور عقلی طور پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اہلسنت کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اہلسنت کے کلام کو تفصیل کے ساتھ بغور دیکھیں اور انصاف کے ساتھ، اللہ کا خوف رکھتے ہوئے اور حق جوئی کے ارادے سے اہلسنت علماء کے جوابات کا مطالعہ کریں اور صرف ان باتوں پر اکتفاء نہ کریں جو ان کے دستاربند انہیں بتاتے ہیں۔

اس طرح سے ان پر بہت اہم حقاق منکشف ہوں گے جن کے ذریعے ہر انصاف پسند شخص پر حق واضح ہو جائے گا۔ میں اگر اس بات کی نصیحت کر رہا ہوں تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ہمیں اپنی کتابوں اور ان کے مربوط ہونےپر پورا بھروسہ ہے اور یہ کہ اہلسنت اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر قائم ہیں۔

اہلسنت اور شیعہ کے مابین اختلاف کیا ان کے مابین اتفاق ہو سکتا ہے؟

گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اہلسنت اور شیعہ کے مابین چار ارکان پر اشتراک ہے جو کہ نماز، رمضان کے روزے، زکوۃ اور حج ہیں اور ایک رکن میں اختلاف ہے ۔

اہلسنت شہادتین کے رکن کا اثبات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ رکن الارکان اور تمام عبادات کی قبولیت کے لئے اصل ہے۔ جب کہ شیعہ حضرات سمجھتے ہیں کہ ولایت رکن الارکان ہے اور تمام عبادات کی قبولیت کے لئے اصل ہے۔

یہیں سے ان کے مابین ان ارکانِ اربعہ پر بھی اختلاف پیدا ہو گیا جن کے رکنِ اسلام ہونے پر ان کا اتفاق تھا۔ چنانچہ ارکانِ اربعہ میں بھی ان کا ایک دوسرے سے تعلق صرف نام کا ہےاور ان کے مابین موجود اختلاف بھی معمولی نہیں ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ عملی، قولی اور حتی کہ قلبی عبادات (نیت) میں تقریباً کلی اختلاف ہے۔

نعمت اللہ الجزائری جو اکابر علمائے شیعہ میں سے ہے وہ اپنی اہم کتاب (الأنوار النعمانية) کے باب "باب يجب الأخذ بخلاف ما تقوله العامة" میں کہتا ہے: "ہمارا اہلسنت کے ساتھ نہ معبود پر اتفاق ہے اور نہ علی اور نہ کسی امام پر۔ وہ اس لئے کہ ان کا کہنا ہے کہ ان کا رب وہ ہے جس کے نبی کے بعد اس کا خلیفہ ابو بکر ہے۔ اور ہم نہ تو اس رب کے قائل ہیں اور نہ اس نبی کے ۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ: وہ رب جس کے نبی کا خلیفہ ابو بکر ہے وہ ہمارا رب نہیں ہے اور نہ وہ نبی ہمارا نبی ہے"۔[1]

1۔ الانوار النعمانیہ: ۲/۲۷۸

شیعہ اہلسنت کی مخالفت کے وجوب کو عبادت سمجھتے ہیں

تمام شیعہ کے ہاں مسلمہ امور میں سے ایک امر ہر شے میں اہلسنت کی مخالفت کا واجب ہونا ہے یہاں تک کہ اخبار و تاریخ میں بھی ضروری ہے کہ یہ اہلسنت کی اخبار و تاریخ کے خلاف ہوں۔

شیعہ لوگوں نے ایسی متعدد روایات ائمہ کی طرف منسوب کی ہیں جن میں ہر شے میں اہلسنت کی مخالفت کے واجب ہونے کا ذکر ہے اور انہوں نے حدیث و فقہ کی کتابوں میں کچھ ابواب باندھے ہیں جن میں سے ایک باب کا عنوان یہ ہے: اہلسنت کی مخالفت کرنے کا وجوب۔

ان کے آیت اللہ الخمینی نے مخالفت کے ضروری ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ: ابو اسحاق الارجانی سے روایت ہے کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ تمہیں اہلسنت کی مخالفت کا حکم کیوں دیا گیا؟ میں نے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا: علی، اللہ کے لئے جو بھی دین اختیار کرتے امت اس کے ابطال کے ارادے سے اس پر آپ کی مخالفت کرتی۔ لوگ امیر المومنین سے کسی ایسی شے کے بارے میں سوال کرتے جس کے بارے میں انہیں علم نہ ہوتا تھا۔ جب آپ انہیں فتوی دے دیتے تو وہ اپنی طرف سے اسے الٹا دیتے تاکہ لوگوں کو الجھن میں ڈال سکیں"۔[1]

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ فقہاء اور علماء کسی بھی مسئلے میں اہلسنت کی بھرپور مخالفت کرتے ہیں اگرچہ اہلسنت برحق ہی کیوں نہ ہوں۔

چونکہ کتبِ اصول سے مسائل اخذ کرنے کا طریقہ اہلسنت اور شیعہ کے مابین بالکل مختلف ہیں۔ ان کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہونے کی وجہ سے موافقت پیدا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا۔ جس شخص یہ بات نہیں جانتا، وہ یا تو ناواقف ہے یا پھر مداہنت سے کام لینے والا ہے جس کے کچھ اپنے اغراض و مقاصد ہیں۔

اہلسنت کے ہاں دین اخذ کرنے کے مصادر سلف صالحین یعنی صحابہ کے فہم کے مطابق کتاب و سنت ہیں جن کو نقلی دلائل کہا جاتا ہے۔

1۔ رسالة التعادل و الترجيح، الخميني، ص: ۸۲

جب کہ شیعہ کا مسلک کچھ اور ہے۔ انہوں نے قرآن اور نبی ﷺ کے اقوال کو تو تقریباً پورے طورپر اقوالِ ائمہ کے ساتھ منسوخ کر دیا ہے اور صحابہ کے ساتھ اپنا تعلق بھی تقریباً توڑلیا ہے۔ انہوں نے تفسیر اور فقہ میں اپنے ائمہ کی زبانی لاکھوں روایات نقل کی ہیں جن پر اپنے شاذ عقائد اور فاسد دین کی بنیاد رکھی ہے۔

شیعہ حدیثِ رسول ﷺ لیتے ہوئے حدیث صرف اسے سمجھتے ہیں جو ائمہ کے طریق سے آئی ہو۔ یوں انہوں نے نبیِ اسلام ﷺ کی سنت سے کھلواڑ کیا اور اس کو اپنےائمہ کی طرف منسوب روایات سے بدل ڈالا۔ تاکہ اہلِ اسلام پر اندر سے حملہ آور ہو سکیں اور وہ بھی اہلِ بیت کی جھوٹی اور باطل محبت کے پردے میں اور یوں اہلِ اسلام کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے آئیں۔

بلکہ اس معاملے میں تو وہ بہت زیادہ غلو کرتے ہیں اور مزید آگے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ ان کے ائمہ کا ہر فعل، قول اور تقریر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کے برابر ہے اور سنت کی تعریف انہوں نے یہ کر ڈالی کہ: "معصوم سے صادر ہونے والا ہر قول و فعل اور تقریر سنت ہے"۔

یہ لوگ اتنی جراءت تو نہ کر سکے کہ اہلسنت کی احادیثِ نبویہ کا واضح لفظوں میں انکار کر دیں ۔ اس لئے انہوں نے احادیث کے راویوں میں طعن زنی کی راہ اپنائی تا کہ ان کے لئے اہلسنت کی احادیث کو رد کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ شیعہ سوائے علی رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ کے تمام اصحابِ نبی ﷺ کے کفر کے قائل ہیں اور یوں انہوں نے اہلسنت کی نصوص کے بیشتر حصے کو رد اور اس پر عمل کو باطل کر دیا۔

ان اقوال و اعمال میں اہلسنت اور شیعہ کے ما بین فرق جو ان کے نزدیک عبادت ہیں

اگر ہم اہلسنت و شیعہ کے ان اقوال و اعمال پر نظر ڈالیں جو ان کے ہاں بطور عبادت کئے جاتے ہیں تو ہمارے سامنے بہت بڑا فرق واضح ہو گا:

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے مجمل احکام اور اس کی تعلیمات صرف اور صرف اس اللہ سبحانہ و تعالی کی عبودیت کی طرف لے کر جاتی ہیں جس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ سب کچھ آیاتِ بینات میں آیا ہے جن میں کچھ شبہہ نہیں ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اہلسنت کے مصادر اور ان کی کتابوں میں بیان کردہ عقائد اوراصول بنا کسی تناقض و تنافر کے اللہ کی کتاب سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ عبادت میں اخلاص قولی اور فعلی عبادات کی قبولیت کے لئے ایک بنیادی رکن ہے اور تمام عبادات میں اخلاص کا ہونا قلبِ سلیم اور اعتدال کا ہونا اس نفس کے لئے ایک فطری سی بات ہے جو اللہ کے حق کو ماننے والا ہو جس نے اسے پیدا فرمایا اور اس پر اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کا فیضان کیا جن کا شمار صرف وہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکیزہ نفس محبت اور نعمتوں کے اعتراف کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی تعظیم بھی کرتا ہے جو ہر قسم کی قوت و عزت کا مالک ہے اور ہر شے اس کے قبضہ قدرت میں ہے ۔

نفسِ مطمئنہ اللہ کے لئے وجوبِ اخلاص پر کسی دلیل کا طالب نہیں ہوتا۔ ہو بھی کیسے جب کہ آپ ایسی واضح قرآنی نصوص دیکھتے ہیں جو اخلاص کو واجب ٹھہراتی ہیں اور شرک و ریاکاری سےڈراتی ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَىَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾﴾ [الکھف: ۱۱۰]

«اے محمد! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے»۔

اور اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ۝٥﴾ [البينة: ۵]

«اور اُن کو اِس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اُس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکٰوۃ دیں یہی نہایت صحیح و درست دین ہے»۔

اور اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ فَٱعۡبُدِ ٱللَّهَ مُخۡلِصٗا لَّهُ ٱلدِّينَ۝٢﴾ [الزمر: ۲]

«(اے محمد) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے، لہٰذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو دین کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے»۔

اہلسنت کے ہاں ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: (میں تمام شریکوں سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس کسی نے کوئی عمل کیا اور اس میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں)۔(1)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ جس کی ہجرت دنیا کی کسی شے کو پانے کی خاطر تھی یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے تھی تو اس کی ہجرت اسی شے کی طرف سمجھی جائے گی۔"(2)

اہلسنت کے کبار مفسرین نے اپنی مشہور تفاسیر میں اللہ تعالی کے لئے اخلاصِ عبادت کے وجوب سے متعلق کئی ایسی احادیث نبوی ذکر کی ہیں جو قرآن اور فطرتِ سلیم سے اس طرح میل کھاتی ہیں جس طرح روح کا جسد کے ساتھ میل ہوتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "قیامت کے روز سب سے پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا، وہ شہید ہوگا۔ اسے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی (عطاکردہ) نعمت کی پہچان کرائے گا تو وہ اسے پہچان لے گا۔ وہ پوچھے گا تو نے اس نعمت کے

1۔ مسلم، حدیث نمبر: ۲۹۸۵

2۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱

ساتھ کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیری راہ میں لڑائی کی حتیٰ کہ مجھے شہید کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ بولا۔ تو اس لئے لڑاتا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو ایسا کہہ دیا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اس آدمی کو منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ آدمی جس نے علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا، اسے پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان کرلے گا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے ان نعمتوں کے ساتھ کیا کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم سیکھا اور سکھلایا، اور تیری خاطر قرآن کی قراءت کی۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، تو نے اس لئے علم حاصل کیا تاکہ تجھے عالم کہا جائے، اور تو نے اس لئے قرآن پڑھا تاکہ تجھے قاری کہا جائے، سو یہ تجھے کہا گیا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ آدمی جس پر اللہ نے وسعت کی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا، اسے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتوں کی پہچان کرائے گا، وہ پہچان لے گا۔ اللہ فرمائے گا: تو نے ان میں کیا کیا؟ کہے گا: میں نے ہر اس راستے میں تیری خاطر مال خرچ کیا جس میں تجھے مال خرچ کرنا پسند ہے۔ اللہ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، تو نے (یہ سب) اس لئے کیا تاکہ تجھے سخی کہا جائے، سو یہ کہا جا چکا، پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا"۔[1]

جب کہ شیعہ کی کتابوں اور تفاسیر میں بیان کردہ تمام احکام ائمہ کی عبودیت کی طرف لے جاتے ہیں اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی کہتے ہوں۔

جو شخص بھی شیعہ مصادر خاص طور پر کتبِ تفاسیر کی طرف رجوع کرتا ہے اس پر میری بات کا درست ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ ہم ان کی کچھ ایسی روایات پیچھے ذکر کر چکے ہیں جو قرآن میں آنے والی آیاتِ توحید کی تفسیر ولایت کے ساتھ کرتی ہیں۔ شیعہ کے ہاں ان تاویلات اور شرک و عبادت کی غلط تفاسیر نے (جو قرآن کریم کے صریح مخالف ہیں) اسلام کی تسلسل کے ساتھ آنے والی اہم بنیادوں کو ڈھا دیا جو اخلاص اور اللہ کی توحید پر قائم تھیں اور ان کو انہوں نے ائمہ کو دے دیا ہے جیسا کہ ولایت، براءت۔ اور اس اللہ کی خاطر محبت یا نفرت جس کے لئے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے جنگ کی، مومن والد نے اپنے کافر بیٹے یا پھر مومن بیٹے نے اپنے کافر والد سے اظہارِ براءت کیا۔

1۔ صحیح مسلم: ۱۹۰۵

بلکہ ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ شیعہ مذہب کے کارپرداز علی اور ان کی اولاد کو ہر شے کے بارے میں اپنے مذہب کا معیار ٹھہراتے ہیں گویا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو شخص ابوبکر و عمر اور عثمان کو ان پر فضیلت دیتا ہے وہ کافر ہے۔ ولایت و براءت اور محبت و نفرت کو بھی اسی پر قیاس کر لیں ۔ ان کے مذہب کے سب اصول اسی طرح ہیں۔

خلفاءو صحابہ، ان کے بعد آنے والے فاتحین راہنماؤں حتی کے آج کے حکمرانوں کے بارے میں شیعہ کا نقطہ نظر یہی ہے کہ وہ ان کے عقیدے کی رو سے قابض و ظالم حکمران اور دوزخی ہیں۔

اس میں راز کی بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک جائز حکمران صرف اور صرف بارہ ائمہ ہیں چاہے ان کو براہ راست حکمرانی میسر ہو یا نہ ہو۔ امام مہدی کے ظہور سے پہلے کوئی بھی ایسا شخص جو علمِ جہاد بلند کرے وہ طاغوت ہو گا۔ چنانچہ اسلام کی جو اشاعت ہوئی اور خلفاء و صحابہ اور ان کے تابعین کے ہاتھوں یہود و نصاری نے جو شکست کھائی اس کو وہ نہیں دیکھتے۔ بلکہ شیعہ نے تو اپنا غصہ و عداوت بس اہلسنت پر انڈیل رکھا ہے۔

چنانچہ ہمیں نہیں ملتا کہ کبھی شیعہ نے یہود و نصاری کے خلاف جنگ لڑی ہو بلکہ ان کی تاریخ کی کتابیں بنا کسی شک کے ثابت کرتی ہیں کہ ہر زمانے اور ہر جگہ شیعہ نے اہلسنت کے ساتھ قتال کیا اور یہود و نصاری اور دیگر کفار و فجار کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ رہا۔

اس کی وجہ ان کا یہ خیال ہے کہ اہلسنت، اہلِ بیت کے دشمن ہیں۔ چنانچہ قرآن کی وہ آیات جن میں اللہ نے اپنے غضب کا اظہار فرمایا، کفار پر لعنت کی اور ان کو عذاب کی وعید سنائی ان میں سے اکثر کو وہ اہلسنت کے بارے میں قرار دے دیتے ہیں اور اس سلسلے میں آغاز خلفاء و صحابہ سے کرتے ہیں اور اختتام اہلسنت کی ایک کے بعد آنے والی دوسری نسل پر کرتے ہیں۔حالانکہ اہلسنت شہادتین پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف وہ ان عقائد کو منسوب نہیں کرتے جن کو یہود و نصاری منسوب کرتے ہیں جو اللہ کو غضب ناک کرنے والے ہیں اور ان کے ذکر سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ وہ ائمہ کے لئے محبت و نفرت کرتے ہیں نہ کہ اللہ سبحانہ و تعالی کے لئے۔

اس لئے اہلسنت اور شیعہ کے درمیان اصولِ دین میں پایا جانے والا اختلاف بہت بڑا ہے اور ان میں توافق پیدا کرنا ممکن نہیں ہے۔

شیعہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے (العیاذ باللہ)

شیعہ یہ کہہ کر جہمیہ فرقے کی موافقت کرتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔ ان کے شیخ المجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:" قرآن مخلوق ہے"۔ اس نے اس باب میں اس فاسد اور گمراہ کن عقیدے کے بارے میں گیارہ روایات ذکر کی ہیں جو کہ صریح کفر ہے اور اس پر تمام اہلِ اسلام اور اہلِ دین کا اجماع ہے۔[1]

جب کہ اہلسنت کا عقیدہ جس پر اعتقاد رکھنا ہم سب مسلمانوں پر واجب ہے وہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس کا آغاز اللہ سے ہی ہوا اور اسی کی طرف وہ لوٹتا ہے۔ ہمارے رب نے یہ کلام حقیقت میں فرمایا اور اس کو اللہ نے قرآن (کلام اللہ) کا نام دیا۔ فرمایا:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَـٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُۥ﴾ [التوبة: ٦]

«اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اُسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے اس کی پر امن جگہ تک پہنچا دو»۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ [النساء: ١٦٤]

«اور اللہ نے موسیٰ سے خاص طور پر کلام فرمایا»۔

یہ آیت اس شخص کا قوی ترین رد ہے جس کا کہنا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس آیت سے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا اور ایک دوسری آیت میں وضاحت فرمائی کہ اس نے موسی علیہ السلام سے سنائی دی جانے والی آواز میں گفتگو فرمائی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَنَـٰدَيْنَـٰهُ مِن جَانِبِ ٱلطُّورِ ٱلْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَـٰهُ نَجِيًّا ۝٥٢﴾ [مريم: ٥٢]

«اور ہم نے اسے کوہ طور کے دائیں طرف سے پکارا اور اسے راز کی بات کہنے کے لیے قریب بلایا»۔

1۔ بحار الانوار، باب أن القرآن مخلوق، کتاب القرآن، ج: ٩٢، ص: ١١٧-١٢١

ندا دور سے آنے والی بلند آواز کے ساتھ دی جاتی ہے اور مناجات خفیہ انداز میں قریب سے ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ﴾ [المائدۃ: ۱۱۶]

«جب اللہ نے کہا کہ: اے عیسی ابن مریم»۔

اس آیت میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بولتا ہے اور اس کا قول سنائی دیتا ہے چنانچہ وہ آواز کے ساتھ ہو گا اور اس کا فرمان الفاظ اور جملوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کو دیا جانے والا یہ فرمان کہ:

﴿إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِٱلْوَادِ ٱلْمُقَدَّسِ طُوًى ۝١٢﴾ [طٰہ: ۱۲]

«میں تمہارا رب ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار دو بےشک تم پاک وادی طویٰ میں ہو»۔

یہ اللہ کے کلام کے کچھ الفاظ ہیں۔

قرآن کریم میں ایسی بہت سی آیات ہیں جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ کلام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا﴾ [النساء: ۸۷]

«اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے»۔

اور اسی طرح اس کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ قِيلًا﴾ [النساء: ۱۲۲]

«اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا»۔

ان دونوں آیات میں اس بات کا اثبات ہے کہ اللہ کلام فرماتا ہے اور اس کا کلام سچ اور حق ہے۔

روزِ قیامت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار

شیعہ روزِ قیامت اللہ کی رویت کی نفی کرتے ہیں۔ اس کا ذکر ان کے شیخ ابن بابویہ القمی نے کتاب التوحید میں اور المجلسی نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کا دیدار نہیں ہو گا۔ یہ مذہب اپنا کر شیعہ نے جہمیہ، معتزلہ اور دیگر گمراہ فرقوں کی موافقت کی۔

جب کہ اہلسنت اس مسئلہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ روزِ قیامت مومن اپنے رب کا دیدار کریں گے، جس کا اثبات کتاب و سنت کے دلائل سے ہوتا ہے اور اس پر سلفِ صالحین کا اجماع ہے۔ کیونکہ ادلہ شرعیہ دلالت کرتی ہیں کہ مومن کھلی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کریں گے اور اللہ کے دیدار میں انہیں کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا جس طرح کہ شمس و قمر دیکھنے میں انہیں کوئی ضرر لا حق نہیں ہوتا۔ رویت کے حق میں قرآن کے دلائل میں سے ایک دلیل حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمان ہے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾﴾ [القيامة: ٢٢-٢٣].[1]

«اُس روز کچھ چہرے تروتازہ ہونگے۔ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے»۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: یہ چہرے اپنے رب کا چہرہ دیکھیں گے۔

اسی طرح روزِ قیامت اللہ کی رویت کے دلائل میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾﴾ [المطففين: ١٥]

«ہر گز نہیں، بالیقین اُس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے»۔

امام شافعی کہتے ہیں: "اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ مومن اس دن اپنے رب کو دیکھیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حالتِ ناراضگی میں اللہ اپنے دشمنوں کو اپنی رویت سے محروم کرے گا تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ حالتِ رضا میں اس کے اولیاء اس کو دیکھیں گے۔ وگرنہ اگر ہر ایک نے ہی اللہ کو نہ دیکھنا ہوتا تو پھر کافروں کو محروم رکھنے میں کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ اس سے سب ہی محروم ہوتے"۔[2]

1۔ القیامہ: ۲۲-۲۳

2۔ طبقات الحنابلہ، ابن ابی یعلی: ۱/۲۸۲

روزِ قیامت اللہ کی رویت کے دلائل میں سے ایک اللہ یہ فرمان ہے کہ:

﴿لِّلَّذِينَ أَحۡسَنُواْ ٱلۡحُسۡنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ [یونس: ۲۶]

«جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لیے بھلائی ہے اور کچھ زیادہ بھی»۔

زیادتی اگرچہ مبہم ہے تاہم صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں نبی ﷺ سے رویت کی تفسیر آئی ہے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جب تمام جنتی جنت میں (اپنی اپنی جگہ) پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (جو کچھ تمہیں عطا کیا جا چکا ہے) اس سے زیادہ کچھ اور تم مجھ سے چاہتے ہو؟، جنتی (یہ سن کر) عرض کریں گے کہ: (پروردگار) کیا آپ نے ہمارے چہروں کو روشن و منور نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا، کیا آپ نے ہمیں دوزخ کی آگ سے نجات نہیں دی (اتنی بڑی بڑی نعمتوں سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے جو ہم آپ سے مزید چاہیں؟)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تب حجاب اٹھا دیا جائے گا (اور جنتی ذاتِ اقدس تعالیٰ کی طرف دیکھیں گے) اور اہل جنت کو ایسی کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی ہو گی جو اپنے رب کو دیکھنے سے زیادہ ان کو محبوب ہو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ)"۔[1]

مومنوں کی اپنے رب کی رویت کے بارے میں اہلسنت کے ہاں متعدد احادیث ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور آپ ﷺ کی اتباع کرنے والوں نے ان کو پورے اطمینان اور انشراح قلب کے ساتھ قبول کیا ہے ۔ تمام مومن اپنے رب سے امید رکھتے ہیں اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو جناتِ نعیم میں اس سے ملاقات کے دن اس کو دیکھ سکیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو غم کی وجہ سے ایمان ان کے دلوں پر پگھل کر رہ جاتا ۔

1۔ مسلم، حدیث نمبر: ۱۸۱

شیعہ اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں

اسی طرح شیعہ کی طرف سے اہلِ سنت کی مخالفت میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی صفات کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے: نہ اللہ کی سماعت ہے اور نہ بصارت، نہ اس کا چہرہ ہے اور نہ ہاتھ، نہ وہ عالم کے اندر ہے اور نہ اس کے باہر، اور اس طرح وہ اپنے شیوخ یعنی معتزلہ کے ہم مشرب ہو جاتے ہیں۔

صفاتِ باری تعالیٰ کی نفی کرنے میں شیعہ حضرات معتزلہ کے مذہب سے بہت متاثر ہوئے۔ اس لئے جو شخص متاخرین شیعہ کی کتابیں پڑھتا ہے اس کو مشکل ہی سے ان کی کتابوں اور معتزلہ کی کتابوں میں اسماء و صفات کے باب میں کوئی فرق نظر آتا ہے۔ جیسا کہ ان کا خیال ہے کہ انہوں نے عقل پر اعتماد کرکے آراء اختیار کیں۔ چوتھی صدی میں جب ان کے شیخ المفید اور اس کے پیرو جیسے الموسوی (جو شریف مرتضی کے نام سے ملقب تھا) اور ابوجعفر الطوسی نے ان کے لئے کتابیں تصنیف کیں تو ان کے ہاں تعطیلِ صفات کی طرف رجحان بہت زیادہ ہو گیا۔ اور انہوں نے اپنی تالیفات میں معتزلہ کی کتابوں پر اعتماد کیا۔ انہوں نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا زیادہ تر حصہ معتزلہ ہی سے نقل کیا ہے۔ اس لئے کہ آیاتِ صفات و قدر کی تفسیر میں وہ جو کچھ ذکر کرتے ہیں وہ سب معتزلہ کی تفاسیر سے منقول ہے۔

شیعہ روایات جن کو انہوں نے اہلِ بیت کی طرف منسوب کیا اور صراحۃً صفات کی نفی کرتی ہیں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ان میں سے ایک ان کا یہ قول ہے کہ: (کمالِ توحید یہ ہے کہ اللہ سے صفات کی نفی کی جائے)۔ یہ قول کتاب التوحید میں ابن بابویہ القمی کا ہے۔[1]

اسی طرح ابن بابویہ کا توحید کے بارے میں یہ قول بھی ہے کہ: "اللہ کی معرفت کی بنیاد اس کی توحید ہے اور اللہ کی توحید کا نظام یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے"۔[2]

1۔ التوحید، القمی، ص: ۵۷

2۔ التوحید، القمی، ص: ۳۴-۳۵

بلکہ انہوں نے تو اللہ تعالی کے اسماء و صفات کو اپنے ائمہ پر چسپاں کر دیا۔ جیسا کہ ان کے امام الکلینی اصولِ کافی میں روایت کرتے ہیں کہ جعفر بن محمد علیہ السلام نے اللہ تعالی کے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ فَٱدۡعُوهُ بِهَا﴾ [الأعراف: ۱۸۰]

«اورسب اسمائے حسنیٰ (اچھے نام) اللہ ہی کے لیے ہیں، سو اسے انہیں ناموں سے پکارو»۔

اللہ کی قسم اللہ کے اسمائے حسنی ہم یعنی ائمہ ہیں اور ہماری معرفت کے بغیر اللہ اپنے بندوں سے کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔[1]

توحیدِ ربوبیت کے بارے میں شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام ہی رب ہوتا ہے اور دنیا اور آخرت امام کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ تکوینی حوادث کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ائمہ غیب جانتے ہیں ۔ ان لوگوں نے رب العلمین کے لئے چھوڑا کیا ہے؟؟؟۔

اہلسنت و الجماعت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ان صفات سے متصف کرتے ہیں جن سے اس نے اپنے آپ کو خود یا اس کے نبی ﷺ نے موصوف کیا۔ چنانچہ اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ [الأعراف: ۲۰۰]

«سو اللہ سے پناہ مانگو کیوں کہ وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے»۔

اسی طرح اللہ کی آنکھ بھی ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿تَجۡرِي بِأَعۡيُنِنَا﴾ [القمر: ۱۴]

«جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی»۔

اوراس کا ہاتھ بھی ہے:

﴿بِيَدِهِ ٱلۡمُلۡكُ﴾ [الملک: ۱].

«اسی کے ہاتھ میں سب حکومت ہے»۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

1۔ الاصول من الکافی: ۱/۱۴۳

﴿بِيَدِكَ ٱلْخَيْرُ﴾ [آل عمران: ۲۶]

«تیرے ہی ہاتھ میں سب خیر ہے»۔

اور فرمان ہے:

﴿أَوَ لَمْ يَرَوْاْ أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَآ أَنْعَـٰمًا فَهُمْ لَهَا مَـٰلِكُونَ۝٧١﴾ [یس: ۷۱]

«کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے چوپائے بنائے جن کے وہ مالک ہیں»۔

قرآن و سنت دونوں "ید" (ہاتھ) کو اللہ سبحانہ و تعالٰی کی طرف حالتِ واحد و تثنیہ اور جمع میں نسبت کر کے ذکر کرتے ہیں اور عین (آنکھ) کو اللہ کی طرف مفرد و جمع کی صورت میں ذکر کرتے ہیں اور حدیث میں اس کی اللہ کی طرف تثنیہ کے صیغے کے ساتھ بھی نسبت کی گئی ہے۔

اہلسنت صرف وہی بات کہتے ہیں جس کو وہ اللہ کی کتاب میں پاتے ہیں یا اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی ثابت شدہ روایت آئی ہوتی ہے۔

اس وجہ سے ہم شیعہ علماء کو سنتے ہیں کہ وہ اہلسنت و الجماعت کے حقیقی عقیدے کی تاویل کرتے ہوئے ظلم و بہتان کی روش اختیار کرتے ہوئے ان کو تجسیم (جسم والا ہونا) کا قائل قرار دیتے ہیں اور اس سلسلے میں شیعہ عوام کی سادگی کا فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ کیونکہ اہلسنت و الجماعت تو اللہ کو بنا تکییف، تمثیل اور تشبیہ صرف انہی اشیاء سے موصوف کرتے ہیں جن سے وہ اپنے آپ کو خود یا اس کے رسول ﷺ موصوف کرتے ہیں۔ کیا اللہ اہلسنت کا ان اشیاء پر مواخذہ کرے گا جس سے اس نے اپنے آپ کو خود یا اس کے رسول ﷺ نے موصوف کیا ہے؟۔

ابن تیمیہ اپنی مشہور کتاب (الجواب الصحیح) میں کہتے ہیں: "اللہ صفاتِ کمال سے موصوف ہے اور اس کی طرح کی کوئی شے نہیں ۔ چنانچہ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کا ہم مثل قرار نہیں دیا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان صفات کو اللہ کے لئے ثابت کیا جائے جن کو اس نے خود اپنے لئے ثابت کیا۔ اس کی صفات میں وہ صفات داخل نہیں ہوں گی جو ان میں شامل نہیں ہیں اور جو ان میں شامل ہیں وہ ان سے خارج نہیں ہوں گی۔ چنانچہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا جب یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالٰی ان صفات سے موصوف ہے جس سے اس نے اپنے آپ کو خود موصوف کیا اور اس کے

مثل کوئی شے نہیں اور رسولوں کی بتائی ہوئی جن صفات کو انہوں نے اللہ کے لئے ثابت کیا تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ کیونکہ انہوں نے انہی صفات کا اثبات کیا ہے جن کا اثبات رسولوں نے کیا اور ان صفات کی نفی کی جن کی نفی رسولوں نے کی اور اس نفی سے وہم باطل کی نفی ہوتی ہے"۔[1]

تلبیس جہمیہ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مخالفین میں سے ایک بہت بڑا مخالف کہنے لگا کہ پھر تو یہ کہنا جائز ٹھہرا کہ وہ جسم ہے لیکن اجسام کی طرح نہیں ہے۔

میں نے اور وہاں موجود بعض فضلاء نے کہا کہ: بس یہ کہا جائے گا کہ اللہ کو ان صفات سے موصوف کیا جائے گا جن سے اس نے اپنے آپ کو خود اور اس کے رسول ﷺ نے اسے موصوف کیا۔ کتاب و سنت میں کہیں یہ ذکر ہی نہیں کہ اللہ جسم ہے چنانچہ یہ سوال سرے سے لازم ہی نہیں آتا۔[2]

یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ بہت مفید بات بتا رہے ہیں کہ یہ کہنا کہ اللہ جسم ہے اور دیگر اجسام کی طرح نہیں ہے یہ بات اہلسنت پر لازم نہیں آتی اور نہ ہی ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی اس کے قائل ہیں بلکہ انہوں نے ان الفاظ سے براءت کا اظہار کیا۔

بلکہ کاشف الغطاء نے اپنی مشہور کتاب "کشف الغطاء عن مبہمات الشریعۃ الغراء" میں بصراحت تجسیم کا قول تین محمدوں یعنی الکلینی، الطوسی اور القمی کی طرف اپنے ان الفاظ کے ساتھ منسوب کیا ہے: "ان کی کتابیں ایسی اخبار پر مشتمل ہیں جن کا جھوٹ ہونا قطعی ہے جیسا کہ تجسیم و تشبیہ، قدم عالم اور ثبوت مکان و زمان سے متعلق اخبار"۔[3]

اب ہم اہلسنت اور شیعہ کی اہم تعبدی عبادات اور ان کے مابین فرق پر سرسری اور مختصر انداز میں نظر ڈالتے ہیں۔ ہم اسلام کے دوسرے رکن یعنی نماز سے آغاز کرتے ہیں۔ ہمارے سامنے بہت بڑا فرق واضح ہو گا۔

1۔ الجواب الصحیح، ج: ۴۳۲/۴

2۔ تلبیس الجہمیہ، ج: ۱۶۸/۳

3۔ دیکھیں: کشف الغطاء عن مبہمات الشریعہ الغراء، ج: ۱، ص: ۲۲۰

اہلسنت اور شیعہ کے ہاں فرض نمازیں

اہلسنت و الجماعت کے ہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نبیﷺ کی نماز کے طریقے کو ان کی کتبِ حدیث ایسے صحیح تواتر کے ساتھ ثابت کرتی ہیں جس میں پل بھر بھی کچھ شک نہیں ہوتا۔ تکبیر سے لے کر سلام اور اس عظیم فریضے کے شرائط و ارکان اور مستحبات کی کیفیت کا بیان ہے۔ صحیح بخاری میں "کتاب صفۃالصلوۃ" کے اندر امام بخاری رحمہ اللہ نے تکبیر سے لے کر تسلیم تک چراسی/۸۴ ابواب ذکر کئے ہیں ۔ اور امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے اندر کتاب الصلوۃ میں پچاس/۵۰ سے زائد ابواب کا ذکر کیا ہے۔

نبیﷺ کی نماز کے بیان میں کتبِ حدیث دقیق ترین امور بھی ذکر کرتی ہیں ۔ نماز اہلسنت تک غیر منقطع اور صحیح تواتر کے ذریعے آنکھ کے مشاہدہ کے ذریعے پہنچی ہے۔ اولاد نے اپنے آباء کو اور آباء نے اپنے آباء کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ یہ سلسلہ رسول اللہﷺ کے زمانے تک جا پہنچتا ہے۔

اسے تواتر عملی کا نام دیا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ محال ہے کہ آج کے زمانے میں مسلمانوں کی نماز غلط ہو۔ اہلسنت کی صحیح احادیث میں نبیﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ: "اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا"۔[1]

کیا ہمیں شیعہ کے ہاں کوئی ایک بھی ایسی حدیث مل سکتی ہے جو صحیح ہو، اس کی سند رسول اللہﷺ تک متصل ہو اور جو تکبیر سے لے کر تسلیم تک نبیﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرے؟ ان کی کتابوں میں نماز کی کیفیت اس انداز میں نہیں ملتی جس طرح اہلسنت کے ہاں ملتی ہے۔ چنانچہ یہ بات یقینی ہے کہ شیعہ کی نماز غلط ہے۔

ہاں، شیعہ اپنی نماز میں قبلہ رخ تو ہوتے ہیں تاہم جب وہ مزارات پر نماز پڑھتے ہیں تو پھران کو قبلہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ ان کے بہت سے علماء نے فتوی دیا ہے کہ نماز یا کسی اور حالت میں ائمہِ معصومین کی قبروں کو پیٹھ دینا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا ان کی ہتکِ حرمت اور بے ادبی شمار ہوتا ہے۔

1۔ صحیح الجامع، البانی، حدیث نمبر: ۱۲۰۴۸

شیعہ کے شیخ المجلسی اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھتے ہیں: "قبر کی طرف منہ کرنا ایک لازمی امر ہے اگرچہ اس کا رخ قبلہ کے رخ کے موافق نہ ہو۔زائر کے لئے قبر کی طرف منہ کرنا، قبلہ کی طرف منہ کرنے کے برابر ہے۔ یہی "وجہ اللہ" یعنی اللہ کی وہ جہت ہے جس کی طرف اس نے لوگوں کو اس حالت میں منہ کرنے کا حکم دیا"۔(1)

وہ اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھتے ہیں: "زائر چاہے قبر سے دور ہو مستحسن یہ ہے کہ وہ نماز میں قبر کی طرف منہ کرے اور کعبہ کی طرف پیٹھ کرے"۔(2) اور ایسا زیارت کی دو رکعت کی ادائیگی کے وقت کرے جس کے بارے میں المجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں لکھا ہے کہ: "زیارت کی دو رکعت پڑھنا ہر قبر پر ضروری ہے"۔(3)

شیعہ پانچ نمازیں تین اوقات میں پڑھتے ہیں ۔ فجر (فجر کے وقت میں)، ظہر و عصر ظہر کے وقت میں اور مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے ساتھ غروب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

جب کہ اہلسنت پانچ نمازوں کو ان کے ان پانچ اوقات میں ادا کرتے ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں اور جمع بین الصلوتین کو صرف بعض حالات میں جائز جانتے ہیں اور اس کو علی الاطلاق جائز نہیں سمجھتے۔

سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کیں۔ یہ بات دین میں بداہۃً معلوم ہے۔ اللہ عز و جل کی کتاب نے پانچ نمازوں کے اوقات کی نشاندہی کی ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيْلِ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾﴾ [الإسراء: ٧٨]

«نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لے کر تاریکی تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے»۔

1۔ بحار الانوار: ۳۶۹/۱۰۱

2۔ سابقہ مصدر: ۱۳۵/۱۰۰

3۔ سابقہ مصدر: ۱۳۴/۱۰۰

اللہ تعالی کے فرمان: (لِدُلُوكِ الشمس) کا معنی ہے: اس کے زوال کے وقت۔ اور اللہ کے فرمان : (إلى غَسَقِ اللَّيل) یعنی اس کی تاریکی میں۔

یہ زوال کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کرنے کے بارے میں صاف تصریح ہے اور اس میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء شامل ہیں۔ پھر فرمایا: (وَقُرْآنَ الْفَجْرِ) یعنی نماز فجر- یہ اللہ کے حکم کردہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور پانچ فرض نمازوں کا اثبات احادیثِ نبوی سے بھی ہوتا ہے۔

شیعہ آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ انہوں نے سورہ فاتحہ کو سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر سے بدل دیا۔ حالانکہ یہ الفاظ اس شخص کے لئے نہیں آئے جو قراءت کر سکتا ہو۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: "اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ نہیں پڑھتا"۔[1] خاص طور پر جب وہ تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ نماز میں شامل ہوا ہو۔

رکوع کے بعد شیعہ اپنی نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کے ساتھ اللہ اکبر کہتے ہیں جس کا کہنا نبی ﷺ سے مروی نہیں ہے اور ایسا مسلمانوں نے کبھی نہیں کیا۔

اسی طرح کسی شیعہ کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ اگر وہ بہت سی نمازیں چھوڑ دے تو کسی ایسے شخص کو اجرت پر رکھے جو اس کی طرف سے نماز پڑھے ۔ اسے وہ صلاۃ الاستجار کا نام دیتے ہیں۔ اگر وہ مر جائے تو اجیر کی رقم اس کے ترکے سے لے کر نماز پڑھنے والے کو دے دی جائے گی۔

یہاں تک کہ وہ اگرہماری طرح کی نماز بھی پڑھیں تو تب بھی ان کی نماز درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کا وضوء ہی باطل ہے۔

شیعہ اہلسنت کی مخالفت میں اپنے پاؤں ٹخنوں تک نہیں دھوتے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "بغیر وضوء نماز قبول نہیں کی جاتی اور نہ ہی حرام مال سے صدقہ قبول کیا جاتا ہے"۔[2] اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "(خشک) ایڑیوں کے لئے جہنم کی تباہی ہے"۔[3] یعنی وہ ایڑیاں جن کو وضوء کے پانی نے نہ چھویا ہو۔

1۔ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۱۷۹۲

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۲۴

3۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۱۶۵

دونوں پاؤں کو دھونا قبولِ وضوء کی شرائط میں سے ہے اور جس شخص کا وضوء باطل ہو اس کی نماز بھی باطل ہو تی ہے۔ حتی کہ اگر ان کا وضوء اور نماز صحیح بھی ہوں تو تب بھی ان کی نماز باطل ہے کیونکہ وہ نبیﷺ کے صحابہ پر لعنت کرتے ہیں اور نبیﷺ اور آپﷺ کی آل پر درودو سلام میں مبالغہ کرتے ہیں کہ قیام، رکوع اور سجود میں نبیﷺ اور آپﷺ کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ یہ اہلِ بیت کے بارے میں غلو ہے، گویا کہ وہ اپنی نمازوں میں اللہ کی تعظیم کرتے ہوئے ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

الکلینی نے "باب التعقیب بعد الصلاۃ و الدعاء" میں حسین بن ثویر اور ابوسلمہ سراج سے روایت کیا ہے کہ: "ہم نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سنا کہ وہ ہر نماز کے اختتام پر چار مردوں اور چار عورتوں پر لعنت کرتے، فلاں، فلاں، فلاں اور معاویہ پر-وہ ان کا نام لیتے- اور، فلانی، فلانی، ہند اور معاویہ کی بہن ام حکیم پر "۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر، عمر،عثمان،معاویہ، عائشہ، حفصہ،ہند اور ام حکیم پر پانچ فرض نمازوں کے بعد لعنت کرنا مستحب ہے۔

شیعہ کے متعدد مصادر میں قبرِ حسین کی زیارت کے آداب کے بارے میں مذکورہے کہ: ---نماز اور قراءتِ قرآن کے بعد وہ حسین علیہ السلام کے مشہد کی طرف منہ کرے، ان کی شہادت اور ان کے اہلِ خانہ کی موت کو یاد کرے،ان پر صلاۃ و سلام پڑھے اور ان کے قاتلین پر لعنت کرے (اور یزید پر ہزار دفعہ لعنت بھیجے)، پھر اپنی جگہ سےکچھ قدم آگے بڑھے اور اللہ کی قضاء پرراضی ہوتے ہوئےاور اس کے حکم کو تسلیم کرتے ہوئے کہے: اناللہ و انا الیہ راجعون اوراگر اسے سات دفعہ دہرائے تو بہتر ہو گا اور پھر یہ دعا پڑھے:

"اے اللہ ان فاجرین کو عذاب دے جنہوں نے تیرے رسول سے دشمنی کی، تیرے اولیاء سے جنگ کی، تیرے بجائے کسی اور کی عبادت کی، تیرے حرام کردہ امور کو حلال ٹھہرایا۔ قائدین و متبعین پر اور جو ان میں سے تھے اور جو ا ن کے فعل پر راضی ہوئے ان پر بہت زیادہ لعنت کر۔ اے اللہ! آلِ محمد کو جلد فراخی عطا فرما اور آپﷺ اور ان پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور ان کو منافقین و گمراہ اور

1۔ الکافی، ج: ۳، ص: ۳۴۲

کافر و منکر لوگوں سے چھڑا اور ان کو آسانی سے کامیاب کر۔ ان کے لئے جلد خوشی اورکشادگی کے دروازے کھول دے۔ اور ان کو اپنے اور ان کے دشمن پر مددگار غلبہ دے "۔

ان کی مشہور کتبِ زیارات، ابن طاووس کی منہج الدعوات، الصفار کی بصائر الدرجات اور الحلی کی المتحضر وغیرہ میں بہت سی دیگر متفرق دعائیں بھی ہیں۔ جن میں سب سے مشہور اور معتمد قریش کے دو بتوں (ابو بکر و عمر) پر لعنت ہے۔

ان کی نماز کے بارے میں متعدد روایات میں آیا ہے کہ فاطمہ الزہراء علیہا السلام سے استغاثہ (مدد) طلب کرنے کی نماز کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے اور سجدے میں ایک سو مرتبہ یہ کہنا کہ: اے میری مالکن! اے فاطمہ! میری مدد کر۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ نماز میں سجدہ صرف اور صرف اللہ کے لئے ہوتا ہے چنانچہ یہ جائز نہیں کہ مومن اللہ کو سجدہ کرے اور پھر اس میں مخاطب کسی اور کو کرکےاس سے مددمانگے۔ معلوم ہوا کہ شیعہ کے ہاں غیراللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت نہیں ۔ مزارات اور قبروں پر اپنے سجدوں کے جواز کے لئےبطورِ دلیل اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کوپیش کرتے ہیں جب انہو ں یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اور ان آیات کی اپنی من چاہی تاویل کرتے ہیں۔

ایک شیعہ یزید پر ہزار دفعہ لعنت کرنے میں اپنا بہت سارا وقت صرف کرتا ہے یہاں تک کہ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ کیااس طرح کا نمازی اہلسنت نمازی کے برابر ہوسکتا ہے جولا إله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد؛وهو على كل شيء قدير پڑھنے میں مشغول رہا یہاں تک کہ اس کا دل نرم اور پاک ہو گیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے یہ الفاظ: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد و هو على كل شيء قدير دس دفعہ کہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اسماعیل کی اولاد سے چار جانوں کو آزاد کیا "۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ: "جس نے یہ کلمات ایک دن میں سو دفعہ کہے اس کو دس گردنوں کے آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا"۔[1]

1۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۳۲۹۳، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۹۱

شیعہ کا روزہ اہلسنت کی روزے سے مختلف ہے

جہاں تک تعلق ہے رمضان کے روزوں کا تو یہ لوگ جان بوجھ کر ہر سال مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ نہ تو وہ ان کی طرح سحری کرتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ افطار کرتے ہیں۔ ایسا کرنے میں سوائے اہلِ سنت کے مخالفت کے اور کوئی مقصد نہیں۔ وہ مخالفت کرنے کو مذہباً زیادہ اخلاص اور باعثِ اجر سمجھتے ہیں اگرچہ اہلسنت ماہِ رمضان کے چاند کی رویت میں برحق ہی کیوں نہ ہوں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مبینہ "راعية التشيع في العالم إيران" نے ماہِ رمضان کے روزوں کی ابتداء یا انتہاء میں کبھی اہلسنت کے کسی اہم ملک کی موافقت کی ہو۔

انہوں نے اس عظیم رکن اور دو عظیم شعائر کی تحقیر کی یعنی رمضان کے آغاز میں چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور اور شوال کے پہلے دن روزہ نہ رکھنا۔

اہلسنت کے ہاں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے افطار جلد کرنےا ور سحری تاخیر سے کرنے کا حکم دیا جو کہ اللہ کی طرف سے امت پر رحمت ہے۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿وَكُلُواْ وَٱشۡرَبُواْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلۡخَيۡطُ ٱلۡأَبۡيَضُ مِنَ ٱلۡخَيۡطِ ٱلۡأَسۡوَدِ مِنَ ٱلۡفَجۡرِۖ ثُمَّ أَتِمُّواْ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيۡلِ﴾ [البقرة: ۱۸۷]

«نیز راتوں کو کھاؤ پیو، یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے۔ تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو»۔

چنانچہ اہلسنت تو مغرب کی آذان سنتے ہی افطار کر لیتے ہیں جب کہ شیعہ اپنے افطار اور نماز کو موخر کرتے ہیں یہاں تک کہ تارے آپس میں مل جائیں ۔

جو شخص اہلسنت اور شیعہ کے روزوں سے متعلق فتاوی جات پر نظر دوڑاتا ہے اس کو بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اس کو شیعہ فتاوی میں عجیب قسم کی تجاوزات دیکھنے کو ملتی ہیں جو کہ شریعت مطہرہ کے لئے زیبا نہیں۔

مثلا الخوئی ایک سائل (جس نے جماع کے بارے میں دریافت کیا تھا) کو فتوی دیتے ہوئے کہتا ہے: اگر اس نے ران میں مباشرت کا ارادہ کیا تھا اور پھر بغیر ارادے کے دونوں شرمگاہوں میں سے کسی ایک میں جماع کر لیا تو روزہ فاسد نہیں ہو گا اور اگر اس نے جماع کا قصد کیا تھا اور اسے دخول یا اس بات میں شک رہا کہ آیا عضوِ تناسل کا اگلا حصہ اندر پہنچ گیا (یا نہیں) تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہو گا۔[1]

اور یوں شیعہ کے لئے رمضان کے دنوں میں اس شکل میں جماع کرنا مباح ہے جس کو ان کے سرکردہ لوگ جائز سمجھتے ہیں۔ اس باب میں سب سے بڑی مصیبت وہ بات ہے جو کتاب الکافی میں آئی ہے ۔ صاحبِ اصول کافی دبر میں جماع کرنے کے باب میں ابن مجب سے روایت کرتا ہے، وہ ایک کوفی شخص سے اور وہ ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو روزہ دار عورت کی دبر میں جماع کرتا ہے کہ: یہ جماع کرنا اس کا روزہ نہیں توڑے گا اور اس پر غسل کرنا واجب نہیں ۔[2]

اسی طرح وہ تھوڑی سے مسافت سفر پر بھی روزہ نہ رکھنے کو حلال قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے بہت سے حیلے اختیارات کرتے ہیں۔ مثلا یہ کہ طالب علم امتحان کے دنوں میں فتویٰ پوچھے، تو فتوی دینے والا اسے فتوی دیتا ہے کہ وہ نیتِ سفر سے کچھ مسافت پیدل چلے اور جب بھی اس نے روزہ نہ رکھنا ہو تو اس کی آنے جانے کی مسافت شمار کی جاتی ہے یا اسے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی قریبی علاقے کی طرف سفر کر لے اور روزہ نہ رکھے ۔ اس پر مصیبت یہ کہ وہ اس کی قضاء کی بھی تاکید نہیں کرتے۔

بلکہ ایسے فتاوی جات بھی سامنے آئے ہیں جو رمضان کے دنوں میں سگریٹ پینے کو بھی مباح قرار دیتے ہیں ۔ ان میں سے کچھ نے تو اسے عمومی طور پر جائز قرار دیا اور کچھ نے ایک دن میں زیادہ سے زیادہ تین سگریٹ جائز قرار دیئے۔ یہ فتاوی محمد الصدر کی طرف منسوب ہیں جو کہ معروف شیعہ معتبر عالم ہے۔

1۔ منہاج الصالحین، الخوئی: ۲۶۳/۱

2۔ الوسائل: ۲۰۰/۲، أبواب الجنابة، ب:۱۲، ج: ۳، تھذیب الأحکام، الطوسي، ج: ۴، ص: ۳۱۹

شیعہ مذہب میں فریضۂ حج کی حقیقت

ہم ایک روایت ذکر کرتے ہیں جس کے ذریعے اللہ شیعہ مذہب کی حقیقت، اس کے اصل اہداف اور کتاب اللہ سے ان کی دوری واضح کریں گے جو کہ اسلامی تشریع کا مصدرِ اول ہے۔ ان کی مشہور کتاب کامل الزیارات میں آیا ہے کہ: "اگر تم حسین کی قبر کی زیارت کی فضیلت جان لیتے تو تم حج کو چھوڑ دیتے اور تم میں سے کوئی حج نہ کرتا"۔ یہ روایت گویا یہ کہہ رہی ہے کہ حج کے لئے نہ جاؤ۔[1]

"جو شخص عید کے دن کے علاوہ کسی اور دن قبرِ حسین پر اس کے حق کو پہچانتے ہوئے آتا ہے اللہ اس کے لئے بیس حج اور دس عمروں کا ثواب لکھ دیتا ہے۔۔۔ مزید کہا: جو عرفہ کے دن قبرِ حسین پر اس کے حق کو پہچانتے ہوئے آتا ہے اللہ اس کے لئے ایک ہزار مبرور و مقبول حج، ایک ہزار مبرور و مقبول عمرے اور نبی مرسل یا امام عادل کے ہمراہ ایک ہزار غزوات میں شرکت کا ثواب لکھ دیتا ہے"۔[2]

ان کے ہاں ایک روایت ہے جو تمام پاکدامن اور بھولی بھالی امہات المسلمین اور ان تمام لوگوں پر تہمت لگاتی ہے جو بیت اللہ کا حج کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ: "عرفہ کی شام اللہ اہلِ موقف کی طرف نظر ڈالنے سے پہلے حسین بن علی کی قبر کے زائرین پر نظر ڈالتے ہیں۔ (راوی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر ہو گا؟)۔ ابو عبد اللہ نے جواب دیا: کیونکہ ان (اہلِ موقف) میں اولادِ زنا ہوں گے اور ان (زائرین قبرِ حسین) میں اولادِ زنا نہیں ہوں گے"۔[3]

جب کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [آل عمران: ۹۷]

«لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے»۔

ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے، اسی پر ہم توکل کرتے ہیں جو عرشِ عظیم کا رب ہے۔

1۔ کامل الزیارات، ص: ۴۴۹

2۔ فروع الکافی: ۳۲۴/۱، من لا یحضرہ الفقیہ: ۱۸۲/۱

3۔ الوافی، الکاشانی: ۲۲۲/۸، بحار الانوار: ۲۴/۳۱۱

اہلسنت و الجماعت فرقہ ناجیہ ہیں

دینِ اسلام بہت عظیم دین ہے جس کا اظہار فرقہ ناجیہ اہلسنت و الجماعت کے عقیدے میں ہوتا ہے۔ اہلسنت ہی اہلِ بیت سے محبت کرتے ہیں، ان کا احترام اور ان کی قدر کرتے ہیں۔ وہ نبی ﷺ کے صحابہ سے بھی محبت کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں جن کی تعریف اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمائی اور ان کے تقوی اور صدق و اخلاص کی گواہی دی۔

اگر شیعہ عوام ذرا ٹھہر کر اور انصاف پسندی کے ساتھ اہلسنت کے عقیدے کو سمجھیں تو ان کو میری ذکر کردہ ان باتوں کا پختہ علم ہو جائے گا اور ان کے دلوں کو اطمینان اور نفوس کو ثبات ملے گا۔ تاہم شیعہ علماء اپنے جھوٹ اور دھوکہ دہی کی بنا پر اہلسنت کو بدنام کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے شیعہ سماج کے بہت سے لوگ حقیقی اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

ہم شیعہ عوام کو ایک طرح سے معذور خیال کرتے ہیں تاہم اس بات میں ہم ان کا کوئی عذر قبول نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اہلسنت کے عقیدے کے حقائق کو ان کے مصادر سے جاننے کی پوری کوشش کریں اور صاف دلوں سے ان کی بات سنیں۔

اس لئے میں شیعہ عوام کو نصیحت کروں گا کہ وہ اہلسنت کے خطبات اور تقریروں میں حاضر ہوں، ان کو سنیں اور ان کی دینی کتب اور تالیفات کا مطالعہ کریں خواہ وہ براہِ راست حاضر ہوں یا پھر ٹیلی ویژن یا انٹرنیٹ کے ذریعے۔ وہ دیکھیں گے کہ ان کی تقریریں اور خطبات پوری طرح اللہ سے مرتبط ہیں اور وہ اللہ سبحانہ و تعالی کے تابع فرمان ہیں۔ نہ تو وہ علی رضی اللہ عنہ یا اہلِ بیت پر سب و شتم کرتے ہیں اور نہ ان کی شان گھٹاتے ہیں ۔ اس وقت وہ محسوس کریں گے کہ اہلسنت و الجماعت اسلام اور اپنے رب پر سچے ایمان سے لطف اندوز ہو رہے ہیں کیونکہ ان کے دین کے مصادر ہر طرح کی تحریف و کھوٹ کے بغیر ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان کے بعد تم ہر گز گمراہ نہیں ہو گے: کتاب اللہ اور میری سنت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر مجھے آ ملیں"۔[1]

1۔ صحیح الجامع، البانی، حدیث نمبر: ۲۹۳۷

اور آپ ﷺ نے فرمایا: " میں نے تم کو ایک واضح راستے پر چھوڑا ہے جس کی رات اس کے دن کی طرح ہے۔ اس سے صرف وہی شخص ہٹے گا جو ہلاک ہونے والا ہو گا"۔[1] رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی ذمہ داری ادا کر دی، امانت کو پہنچا دیا اور اللہ کے راستے میں ایسے جہاد کیا جیسا کہ حق تھا۔

شیعہ نے اس روایت کو پکڑا ہوا ہے کہ: " میں تم میں دو بیش قیمت اشیاء چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو تھامے رکھو گے تب تک تم ہر گز بھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری عترت یعنی میرے اہلِ بیت"۔ اللہ کی کتاب کی طرف کچھ التفات کئے بغیر ان کا جو تعصب ہے اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ثابت کرتا ہے کہ:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ ٱلْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًا مُّبِينًا﴿٣٦﴾﴾ [الأحزاب: ۳۶]

«کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا»۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ﴾ [آل عمران: ۳۱]

«اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ: اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا»۔

اور فرمایا:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ۚ﴾ [الحشر: ۷]

«جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ»۔

یہ آیات ان صحیح احادیث کی صحت کو تقویت دیتی ہیں جن میں نبی ﷺ نے کتاب و سنت کو اپنانے اور فقط ان سے راہنمائی لینے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد کا طریقہ ہے"۔[2]

1۔ صحیح ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۴۱

2۔ اس حدیث کو امام مسلم نے جابر بن عبد اللہ کی روایت کے ساتھ ذکر کیا ہے: ۸۶۷

اور آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے کتاب (قرآن) اور اس کے ساتھ اس کے مثل ایک اور شے (حدیث) دی گئی ہے"۔[1]

بلکہ صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا یہ فرمان مذکور ہے کہ: " میں تم میں دو بیش قیمت چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ کو پکڑ لو اور اس کا تھام لو۔ نبی ﷺ نے کتاب اللہ اپنانے پر ابھارا اور اس کی ترغیب دی اور پھر فرمایا: اور میرے اہلِ بیت ۔ میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تم کو اللہ یاد کراتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تم کو اللہ یاد کراتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تم کو اللہ یاد کراتا ہوں"۔ یہاں قرآن کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ : -میرے اہل بیت- تو اس سے مرا دیہ ہے کہ ان کی قدر کی جائے اور ان کو اذیت دینے سے دور رہا جائے۔

حدیث کے مفہوم کے بارے میں علماء کے اقوال:

ا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نبی ﷺ نے اپنے عترت (کنبے) کے بارے میں فرمایا کہ وہ اور قرآن ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر آپ ﷺ کو آن ملیں۔ آپ ﷺ صادق و مصدوق ہیں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عترت کااجماع حجت ہے۔ ہمارے اصحاب (حنابلہ) میں سے ایک گروہ کا قول یہی ہے اور اس کو قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب معتمد میں ذکر کیا ہے۔ تاہم عترت سے مراد سارے بنوہاشم ہیں یعنی عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد، علی کی اولاد، حارث بن عبدالمطلب کی اولاد اور سارے بنو ابی طالب وغیرہ ہیں۔یہ نہیں کہ صرف علی ہی عترت ہوں۔ عترت کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔۔۔ اور اجماعِ امت کتاب و سنت اور اجماع کی رو سے حجت ہے اور عترت امت کا ایک حصہ ہیں چنانچہ اجماع امت کے ثبوت سے اجماعِ عترت کا ثابت ہونا لازم آتا ہے"۔[2]

۲۔ ابن قدامہ المقدسی کہتے ہیں: "ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ثقلین (دو بیش قیمت اشیاء) سے مراد قرآن اور عترت ہیں۔ بلکہ اس سے مراد تو قرآن و سنت ہیں جیساکہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے

1۔ ابوداود: ۴۶۰۴، ترمذی: ۲۶۶۴، مسند احمد: ۱۳۰/۴ بروایت مقدام بن معد رضی اللہ عنہ

2۔ منہاج السنہ النبویہ، ابن تیمیہ: ۳۹۳/۷-۳۹۷

کہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان کو تھامے رکھو گے ہر گز گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت"۔ اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بطورِ خاص عترت کا ذکر اس لئے فرمایا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے حال سے زیادہ باخبر ہیں (چنانچہ آپ ﷺ کی سنت کو بھی وہ زیادہ جانتے ہوں گے)۔(1)

۳۔ آمدی کہتے ہیں: ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ثقلین سے مراد کتاب اور عترت ہیں بلکہ اس سے مراد کتاب و سنت ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کتاب اللہ اور میری سنت"۔(2)

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو وفات اس وقت دی جب ان کے لئے دین کامل کر دیا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [المائدۃ: ۳]

«آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے»۔

یعنی علی رضی اللہ عنہ کی ولایت اور ان کے بعد آنے والے اوصیاء سے بھی پہلے دین کو مکمل کر دیا۔ جب لوگوں کے مابین کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ ان ثقہ ربانی علماء کے ذریعے دین کی نصوص کی طرف رجوع کریں جو ولی الامر سمجھے جاتے ہیں۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء: ۵۹]

«اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے»۔

1۔ روضۃ الناظر و جنۃ المناظر، موفق الدین عبد اللہ ابن قدامہ المقدسی: ۴۷۰/۱

2۔ الإحکام في أصول الأحکام، أبو الحسن سید الدین علی الآمدي: ۳۰۸/۱

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا ٱخۡتَلَفۡتُمۡ فِيهِ مِن شَيۡءٖ فَحُكۡمُهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِۚ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبِّي عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ أُنِيبُ ۝١٠﴾ [الشوری: ۱۰]

«تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے وہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتاہوں»۔

سلفِ صالحین (یعنی صحابہ و تابعین) کے فہم کے مطابق وہ اس نبیﷺ کی امت میں سب سے بہتر زمانے کے لوگ تھے جس کا فرمان ہے: "سب سے اچھے لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے"۔[1]

جس نے دین میں کسی ایسی شے کا عقیدہ رکھا جس کی کتاب و سنت میں کوئی بنیاد نہ ہو ہم اسے رد کردیں گے۔ کیونکہ نبیﷺ نے ہمیں اپنے فرمان کے ذریعے اسی کی تعلیم دی ہے کہ: "جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے"۔[2]

اہلسنت کے عقیدے کےاصول میں سے ہےکہ جو شخص بھی کسی عقیدےکو شرعی مصادر کی بجائے کسی اور جگہ سے اخذ کرکے ثابت کرتا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور بناکسی علم کےاللہ کی طرف بات منسوب کرتا ہے۔

اس لئے کہ عقیدہ توقیفی ہوتا ہے یعنی وحی کے علاوہ کسی اور ذریعے سے عقیدہ لینا جائز نہیں ۔ دین کامل ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں، یہ آسان فہم ہے اور اس میں اس شخص کے لئے کوئی پیچیدگی یا تناقضات نہیں جس کا دل پاک اور فطرت سلیم ہو اور جو بنا تاویل و تحریف کے نصوص کی اتباع کرتا ہو۔ ایک صحیح حدیث نبویﷺ ہے: "حلال بھی خوب واضح ہے اور حرام بھی خوب واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ پس جو شخص ان چیزوں کو چھوڑے جن کے گناہ ہونے یا نہ ہونے میں شبہ ہے وہ ان چیزوں کو تو ضرور ہی چھوڑ دے گا جن کا گناہ ہونا ظاہر ہے۔ لیکن جو شخص شبہ کی چیزوں کے کرنے کی جرات کرے گا تو قریب ہے کہ وہ ان گناہوں میں مبتلا ہو جائے جو

1۔ صحیح ترمذی، حدیث نمبر: ۲۳۰۲

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۱۸

بالکل واضح طور پر گناہ ہیں۔ (لوگو یاد رکھو) گناہ اللہ تعالیٰ کی چراگاہ ہیں اور جو چراگاہ کے ارد گرد چرے گا اس کا چراگاہ کے اندر چلا جانا غیر ممکن نہیں"۔[1]

تاہم شیعہ کی اپنے ائمہ کے بارے میں راہیں الگ الگ ہیں ۔ انہوں نے ان کو رب بنا لیا اور ان کے مصادر شاخ در شاخ پھیل کر بہت زیادہ اور آپس میں متصادم ہو گئے۔ اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ ٱللَّهُ ٱلْوَٰحِدُ ٱلْقَهَّارُ﴾ [یوسف: ۳۹]

«اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟۔

کیونکہ اسی طرح انہوں نے عقلیات و ہوائے نفس، ذاتی آراءو گمان کومصادر دین اورعقیدہ اخذ کرنے کے ذرائع بنا دیا اور رجالِ دین ورجالِ فلسفہ کی آراء پر بغیر تحقیق کے تکیہ کرنے لگ گئے۔ حالانکہ ان کی اکثر روایات وہمی اسانید اور کمزور متون کے ساتھ مروی ہیں جس کا اعتراف ان کے بڑے بڑے علماء کرتے ہیں۔

اہلسنت و الجماعت کا مذہب عفتِ زبان، طہارتِ قلب اور کثرت کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کا ہے۔ اہلسنت کی کتبِ حدیث میں ہمیں ایسی سینکڑوں روایات ملتی ہیں جو انسانوں کو اللہ کے قریب کرتی ہیں اور اللہ کا قرب حاصل کرنے پر ابھارتی اور اس کی ترغیب دیتی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہلسنت نے اپنی مساجد کو اللہ کے ذکر، قرآن کی ترتیل اور خشوع سے آباد کر رکھا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مساجد میں اپنی نمازوں کےدوران بڑی بڑی جماعتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے غیر مسلموں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنے۔ کیونکہ وہ اسلام کی عظیم اور حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں اور نہ اس کی شکل بگاڑتے ہیں جیسا کہ بہت سے شیعہ مزارات اور قبروں پر رو رو اور گھسٹ گھسٹ کر کرتے ہیں۔

اہلسنت کی کتابوں میں درج ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں دعاء قبول ہوتی ہے اور اسی طرح ہر رات میں بھی ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے جس میں دعاء قبول کی جاتی ہے۔ اس

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۵۱

گھڑی میں نماز پڑھنا اور اللہ کے سامنے ضروریات طلب کرتے ہوئے انکساری کا اظہار کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ کثرت کے ساتھ استغفار کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۝١٨﴾ [الذاریات: ۱۸]

«اور رات کے پچھلے پہر وہ استغفار کرتے»۔

اللہ اور اس کے بندوں کے مابین کوئی سفر، مشقت اور تالہ بند دروازے نہیں ہیں، نہ اس کے اور بندوں کے مابین کوئی واسطے ہیں اور نہ ہی گھٹنوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر توہین نفس کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنے بندوں کی سرگوشیاں بھی سنتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے پیدافرمایا اور ان کو عزت سے نوازا۔ وہ ان کا ولی اور مولا ہے جو ان کی باتیں سنتا ہے اورا نہیں دیکھتا ہے، پاک ہے اللہ تعالی کی ذات۔ اس طرح کی احادیث بہت زیادہ ہیں جو اللہ کے قریب کرتی ہیں، وہ اللہ جو خالق و باری ہے۔ ان احادیث کی بدولت پاکیزہ نفوس خوش ہوتے ہیں اور ان کے دلوں کو ان کی وجہ سے اطمینان ملتا ہے۔

اللہ کا دین بہت کشادہ اور آسان ہے۔ایک آدمی رسول اللہﷺ کے پاس آیا یہاں تک کہ آپﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے آپﷺ سے اسلام کے بارے میں سوال کیا۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: "دن رات میں پانچ نمازیں"۔ اس نے پوچھا: کیا ان کے علاوہ بھی میرے اوپر کوئی نماز فرض ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی مرضی سے پڑھو، اور ماہِ رمضان کے روزے۔ اس نے پوچھا: کیا رمضان کے علاوہ بھی میرے اوپر روزے فرض ہیں؟ آپﷺ نے فرمایا: نہیں، ماسوا اس کے کہ تم اپنی مرضی سے رکھو۔ رسول اللہﷺ نے اس کے سامنےزکوۃ کا ذکر فرمایا۔ اس نے دریافت کیا کہ: کیا میرے اوپر زکوۃ کے علاوہ کچھ اور بھی فرض ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: مگر یہ کہ تم اپنی مرضی سے دو۔ اس پر وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس ہو لیا کہ: اللہ کی قسم! میں اس پر نہ کچھ اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کچھ کمی کروں گا۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو فلاح پا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: جس کو پسند ہو کہ وہ اہلِ جنت میں سے کسی آدمی کو دیکھے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔[1]

1۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۲۶۷۸، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: مجھے بتائیں کہ اگر میں فرض نمازیں پڑھوں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال ٹھہراؤں اور حرام کو حرام ٹھہراؤں اور اس پر میں کسی شے کا اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا کہ: اللہ کی قسم! میں اس پر کسی بھی شے کا اضافہ نہیں کروں گا۔ [(1)]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: " میں نے دیکھا کہ ایک شخص جنت میں گھوم پھر رہا ہے کیونکہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیا کرتا تھا"۔ [(2)]

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:(جو مسلمان بندہ ہر دن اللہ تعالی کے لئے فرض کے علاوہ بارہ رکعت نفل پڑھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالی جنت میں ایک گھر بنا دیتے ہیں)۔ چار ظہر سے پہلے، دو رکعت ظہر کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو رکعت عشاء کے بعد، دو ر کعت صبح کی نماز سے پہلے۔ [(3)]

اور آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا دخولِ جنت میں سوائے موت کے اس کے لئے کوئی شے مانع نہیں ہو گی"۔ [(4)]

شارع علیہ السلام ہمیں نماز میں صفِ اول کے اندر کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگرلوگ جان لیں کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں کھڑے ہونے میں کیا ثواب ہے اور پھر قرعہ اندازی کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ پائیں تو وہ اس کے لیے قرعہ اندازی کریں گے، نیز اگر وہ جان لیں (کہ) نماز اول وقت پر پڑھنے کا کیا ثواب ہے تو وہ اس کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے، اور اگر وہ اس ثواب کو جان لیں جو عشاء اور فجر کی نمازوں میں ہے تو وہ ان دونوں نمازوں میں ضرور آئیں، خواہ سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے"۔ [(5)]

1۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۵

2۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۹۱۴

3۔ صحیح الترغیب، البانی، حدیث نمبر: ۵۷۹

4۔ صحیح الترغیب، البانی، حدیث نمبر: ۱۵۹۵

5۔ صحیح البخاری، حدیث نمبر: ٦۵۲، صحیح مسلم: ۴۳۷

جو شخص فجر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جائے اور اللہ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے اسے ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا جیسا کہ ابوداود، ترمذی اور نسائی میں آیا ہے۔

اہلسنت کی کتابوں میں ایسے ان گنت اذکار ہیں جو بطورِ خاص نماز کے بعد کے لئے ہیں۔ ان کے روحانی فوائد کا کوئی شمار ہی نہیں ۔ اور بہت سی مطلق دعائیں اور اذکار بھی ہیں جن کے ذریعے نفس سنورتا ہے، دل کواطمینان ملتا ہےا ور ان میں بہت زیادہ اجر ہے۔

یہ اسلام کی کشادگی اور سادگی ہے۔ پھر شیعہ لوگ اپنے آپ کوان باتوں میں مشغول کیوں کرتے ہیں جن کا اللہ نے ان کا حکم ہی نہیں دیا جیسا کہ ان کا سیاست میں دلچسپی لینا، لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کرنا، خلفاء، صحابہ اور نبی ﷺ کی بعض ازواج کے بارے میں گفتگو کرنا، غیر اللہ کی تعظیم کرنا اور ان کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنا جو صرف اللہ تعالی کو سزاوار ہے۔

اس طرح کے دل اپنے دین کی رو سے حسد و بغض اور لعنت سے بھرے پڑے ہیں۔ گویا کہ ان کو اللہ کی عبادت اور قلبِ سلیم کے ساتھ اس کی خوشنودی کے حصول میں لگنے کے لئے نہیں بلکہ قلبِ سلیم کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے اور شرک و دوسرے بُرے عقائد سے پاک ہونے کے بجائے لوگوں کی درجہ بندی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝٨٨ إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝٨٩﴾ [الشعراء: ۸۸-۸۹]

«: جب کہ نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد بجز اس کے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو»۔

شیعہ حقیقی اسلام سے آگاہ نہیں ہیں

کیا وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ عوام کی اکثریت دین دار نہیں ہے ۔ ہمیں ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو قرآن کا حافظ ہو۔

کیا وجہ ہے کہ سب شیعہ اور خاص طور پر پڑھے لکھے طبقے کو اپنے دلوں میں اپنے دین کے بارے میں اطمینان محسوس نہیں ہوتا اور ان کی زندگیوں میں دین کے بارے میں بہت سے تضادات پائے جاتے ہیں؟۔

کیا وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ لڑکے اور لڑکیاں خاص طور پر وہ جو مغربی ممالک میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس تناسب سے سیکولر اور لبرل بلکہ ملحدانہ افکار کو قبول کر رہے ہیں جو کم نہیں ۔

ان کے علماء اور پڑھے لکھے لوگ عام طور پر اہلسنت کے ساتھ مناظرے سے کیوں بھاگتے ہیں؟

کیا وجہ ہے کہ اکثر شیعہ عوام جب اہلسنت عوام کا سامنا کرتے ہیں تو غصے میں آ جاتے ہیں اور جب کوئی سنی شخص ان سے ان کے عقائد اور عبادات کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں؟۔

کیا وجہ ہے کہ شیعہ عوام کی اکثریت لوگوں سے اپنے عقائد چھپاتے ہیں، خاص طور پر اہلسنت سے اور اکثر ان کے ساتھ تقیہ کرتے ہیں؟۔

شیعہ سماج اس طرح سے کیوں ہے؟

کیوں کہ ان کا گمان یہ ہے کہ اسلام اس جھوٹ، دھوکہ دہی، تضادات اور ان افسانوں کا نام ہے جس پر وہ قائم ہیں۔ اس بات نے ان کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔چنانچہ وہ اسلام کی حقیقت کو نہ جان سکے جو فرقہ ناجیہ یعنی اہلسنت کے عقیدے میں پائی جاتی ہے۔ اس بات نے شیعہ کو مجبور کر دیا کہ وہ جذبات و خواہشات کے ساتھ ان کرامات کی حرص میں جو موالی کو حاصل ہوتی ہیں صرف ولایت کو تھامے رکھنے پر اکتفا کریں ۔

شیعہ رافضی جابر آغائی بہت سارے شیعہ افراد کے لئے ایک نمونہ ہے جو اسلام کے بارے میں بہت سے ایسے غلط وساوس و افکار میں مبتلا ہیں جو عقل میں انتشار پیدا کرتے ہیں اور ان سے سینہ تنگ ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کو رسولﷺ پر دست درازی تک پہنچا دیتے ہیں۔ جابرآغائی یہ الفاظ لکھتا ہے: "اے رسول اللہ! اللہ آپ پر رحمت کرے، آپ نے بہت بڑی غلطی کی کہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کئے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس امت کے نتائج آپ پر ہیں اور اس امت کی ذمہ داری آپ پر ہے اور آپ ہی اس کے اضطراب، اس کی بربادی اوراس کے فتنہ کے ذمہ دار ہیں۔ اے اللہ کے رسول ! آپ نے اپنا جانشین کیوں نہ مقرر کیا!؟ "۔

یہ جابر آغائی اگر مومنوں کی راہ پر گامزن ہو تا یعنی اسلام کی صحیح راہ پر جو اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔ تو وہ اپنے کہے پر نازاں نہ ہوتا۔ (جو شخص رافضی جابر آغائی کی گفتگو سننا چاہتاہے وہ یوٹیوب سرچ انجن پر یہ الفاظ لکھے: المعمم جابر آغائي يتطاول على مقام الرسول)۔

مانی عرفان جس کی پیدائش ایرانی دارالحکومت طہران میں ہوئی، ۱۹۸۳ء میں جب کہ وہ ۱۶ برس کا تھا تعلیم کے لئےاس وقت کی ایرانی پارلیمنٹ کے سربراہ رافسنجانی کی اجازت کے بعد امریکہ چلا گیا۔ چار سال بعد مانی عرفان نے فلوریڈا میں ہونے والی ایک انجیلی کانفرس میں شرکت کے بعد عیسائیت قبول کر لی۔ وہ اپنی دعوت میں رفتہ رفتہ آگے بڑھتا گیا یہاں تک کہ اس چرچ کا سربراہ بن گیا جس نے ۲۰۰۲ء سے ایک ٹی وی چینل بنام نیویورک ۷ لانچ کیا جو روزانہ چوبیس گھنٹے دینی پروگرام نشر کرتا ہے اور اس کی نشریات ایران کے اندر تک پہنچتی ہیں۔ عرفان کہتا ہے کہ دو سے چار ملین ایرانی شیعہ کے مخفی طور پر انجیلی مسیحی عقیدہ قبول کرنے کے پیچھے اس چینل کا ہاتھ ہے۔[(1)]

مبینہ شیعہ مذہب ترک کرنےکے جو اسباب ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ شیعہ کا اللہ کے ساتھ کامل تعلق نہیں ہے۔ وہ رب الارباب سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ ایمانی حلاوت کو محسوس نہیں کرتے۔ شیعہ کےدلوں میں ائمہ کی محبت رچ بس گئی ہے اور وہ اپنی تنہائیوں تک میں ان سے ہی جڑے رہتے ہیں ۔ مثلا وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامِ غائب ان کی نگرانی کرتا ہے اور اس کے سامنے ان کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ باوجود غائب ہونے کے ان کو راہِ راست پر رکھتا ہے۔ اس بارے

1۔ مصری اخبار الیوم، تاریخ: ۲۰۱۶/۱/۱۲ء

میں خرافات سے متعلق ان کے پاس بہت سی روایات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ امام غائب نے ان کے شیخ المفید کو لکھا کہ: "ہم تمہاری خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے ہیں۔ تمہاری خبروں میں سے کوئی شے ہم پر پوشیدہ نہیں رہتی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو امراض کی شدت اور دشمن تم کو آلیتے"۔[1]

ان کے اپنے خالق و رازق سبحانہ و تعالیٰ سے دوری کا ایک بڑا سبب یہ اور اس طرح کے دیگر اسباب ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ اللہ سے خلوت کی سعادت سے محروم ہو گئے ہیں ۔ انہوں نے اللہ کی وسیع نگہبانی میں شریک بنا دیئے جس کی قدرت صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہے اور انسانوں کو کچھ بھی طاقت و سکت حاصل نہیں ۔ چنانچہ وہ اس بنا پر اپنے رب سے دور ہو گئے جو سب سے افضل و اقرب اور سب سے بہتر انیس ہے۔ ان کے دل تنگ ہو گئے اور اپنے رب سے دوری کی وجہ سے انہوں نے بہت کچھ کھو دیا۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی توفیق کے بعد ان کے دینی تناقضات شیعہ عوام اور علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد کے حق کی طرف رجوع کرنے اور اہلسنت و الجماعت کے عقیدے کی صورت میں پائے جانے والے حقیقی اسلام کے قبول کرنے کا سبب بنے۔

1۔ راجع الاحتجاج، الطبرسي، ج: ۳۲۳/۲

شیعہ کی بڑی بڑی شخصیات جنہوں نے دینِ حق یعنی مذہبِ اہلسنت کی طرف منتقل ہونے کا اعلان کیا

سابقہ امام و شیخ اور شیعہ عالم حسین الموید جنہوں نے ایران کے اندر قم میں ۱۷ سال پڑھا، عراق کے بڑے شیعہ علماء میں سے تھے اور شہر الکاظمیہ کے رہائشی تھے اور ان کی والدہ الصدر کے گھرانے میں سے تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی اور انہوں نے مبینہ شیعہ مذہب چھوڑ کر اپنی مشہور کتاب (اتحاف السائل) تحریر کی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ وصیت اور امامت کا جو مفہوم شیعہ سمجھتے ہیں ان کا دینِ اسلام میں کوئی وجود نہیں۔

ایک ایسے عالم کی طرف سے شیعہ عوام کے لئے ایک نفع بخش اعتراف ہے جو پہلے شیعہ علماء میں اچھا خاصا وزن رکھتے تھے۔

ابو الفضل ابن الرضا البرقعی جو آیت اللہ العظمی کا لقب رکھتے ہیں اور حسین رضی اللہ کی نسل سے ہیں۔ وہ خمینی کے ساتھیوں میں سے تھے بلکہ شیعہ مذہب میں ان کی مرجعیت خمینی سے برتر تھی۔ انہوں نے شاہ کے زمانے میں تشیع چھوڑ کر اہلسنت کے مذہب کو اپنانے کا اعلان کیا۔

آیت اللہ البرقعی نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی مختصر منہاج السنہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور متعدد کتابیں تالیف کیں جن میں سے ایک "کسر الصنم" ہے۔ یہ کتاب الکلینی کی کتاب اصولِ کافی کے رد میں ہے۔ اسی طرح انہوں نے کتاب" تضاد مفاتیح الجنان مع القرآن" تالیف کی ۔ مفاتیح الجنان شیعہ کے ہاں دعاؤں کی ایک اہم کتاب ہے۔ آیت اللہ البرقعی اس کی احادیث کو قرآن و عقل کے سامنے پیش کرنے کے بعد ان کا رد کرتے ہیں اور ان کے باطل ہونے کا اثبات کرتے ہیں۔

انہوں نے شیعہ مذہب کے عقائد کے لحاظ سے امام مہدی کی احادیث کے بارے میں ایک علمی ریسرچ تیار کی جس میں وہ ان کو غلط ثابت کرتے ہیں اور ان کے عیوب کھولتے ہیں۔

اسی طرح انہوں نے امامت کی نصوص کے بارے میں بھی ایک علمی تحقیق تیار کی جس میں مصنف شیعہ کے ہاں امامت اور اہلسنت کے ہاں خلافت کے بارے میں وارد ہونے والی نصوص بیان

کرتے ہیں ۔ پھر شیعہ روایات کو غلط قرار دیتے ہوئے قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ خلافت حق ہے اور منصوص امامت کی اللہ کے دینِ قویم میں کوئی اساس نہیں رکھتی ۔ اسی طرح انہوں نے "تضاد مذہب الجعفری مع القرآن و الاسلام" بھی تالیف کی۔

احمد میر قاسم الکسروی کی پیدائش (مشرقی) آذر بائجان کے صدرمقام تبریز میں ہوئی جو کہ ایک ایرانی صوبہ ہے۔ انہوں نے اپنی تعلیم آذر بائجان میں حاصل کی اور طہران یونیورسٹی میں پروفیسر کے طورپر کام کرتے رہے۔ وہ متعدد عدالتی عہدوں پر فائز رہے جن میں سے ایک طہران کے جنرل پراسیکیوٹر کا عہد ہ تھا۔ وہ ایک ایرانی اخبار "پرچم " کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ وہ کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے جن میں سے ایک عربی تھی۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں اور ایرانی اخباروں میں ان کے بہت سے آرٹیکل شائع ہوئے۔ ان کے مضبوط آرٹیکل جن کےذریعے وہ شیعہ مذہب کے اصولوں پر حملہ آور ہوئے انہوں نے ملک میں موجود بعض پڑھےلکھے افراد اور ملک میں کام کرنے والی انجمنوں کی نظراپنی طرف مبذول کرا لی اور لوگ خاص طور پر نوجوان ان کی طرف متوجہ ہونے لگے اور ہزاروں لوگ ان کی مدد اور ان کی آراء کو پھیلانے اور ان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے تیار ہو گئے۔ بلکہ ان کی آراء بعض عرب ممالک تک بھی پہنچیں اور وہاں کہ کچھ باشندوں نے شیخ کسروی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی کتابیں عربی میں تالیف کریں تا کہ وہ بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مشہور کتاب (الشیعة و التشیع) لکھی اور اس میں شیعہ مذہب کے باطل ہونے اور اس بات کی وضاحت کی کہ شیعہ کی مسلمانوں کے ساتھ اختلاف کہ وجہ صرف تعصب ہے۔ جونہی انہوں نے یہ کتاب لکھی ان کو جماعت فدائیان اسلام سے تعلق رکھنے والے ایک شیعہ گروہ نے گولی مار دی۔

محمد اسکندر الیاسری۔ وہ ساٹھ کی دہائی کے آخر میں عراق کے شہر الحلہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جناب اسکندر الیاسری تھے جو الحلہ شہر کی معروف شخصیت تھے۔ شیعہ لوگ تعویذات لکھوانے، جادوئی گرہیں کھلوانے اور مریضوں کی شفایابی کے لئے ان کا رخ کیا کرتے تھے۔ شیعہ حلقوں کے سرکردہ لوگوں میں یہ ایک عام سی بات ہے۔

محمد اسکندری نجف میں واقع علمی حلقے میں آئے ۔ وہاں انہوں نے دو سال تک پڑھا اوراس دوران ان پر صفوی و فارسی شیعہ مذہب کا جعل پن واضح ہو گیا جو اہلِ بیت علیہم السلام کا سرکش ہے

اور اہل بیت کو منافق ثابت کرتا ہے جو (اس مذہب کی رو سے) ان باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جن کی وہ تصریح نہیں کرتے اور وہ کچھ کہتے ہیں جو اصولِ دین کے برخلاف ہے۔ یہی وہ باتیں تھیں جن کو محمد اسکندری نے اپنی کتاب (مذهبنا الإمامي الإثنا عشري بين منهج الأئمة و الغلو) میں کھلم کھلا بیان کیا۔انہوں نے ایک وسیع علمی ورثہ اپنے پیچھے چھوڑا ۔ ان میں سے کتاب "المرجعية القرآنية" اور "القرآن وعلماء أصول و مراجع الشيعة الإمامية الاثني عشرية" ہے۔

علامہ اسماعیل آل اسحاق الخوئینی زنجان شہر میں پیدا ہوئے۔ الخوئین میں قرآن اور فارسی و عربی ادب کے مقدمات پڑھنے کے بعد جب ان کی عمر آٹھ سال تھی وہ اپنے والد کے ساتھ قم شہر منتقل ہو گئے۔ اپنے دیگر دروس کی تکمیل کے لئے وہ نجف چلے گئے اور تین سال مشہور علماء کے حلقوں میں گزارے جیسے آیت اللہ سید محسن الحکیم، آیت اللہ سید ابی القاسم الخوئی وغیرہ ۔ بعدازاں وہ قم واپس لوٹ آئے اور آیت اللہ البروجردی، آیت اللہ الخمینی اور آیت اللہ حسین علی المنتظری کے دروس میں شریک رہے۔

ان کی بہت سی سرگرمیاں تھیں بشمول اس کے کہ انہو ں نے بوشہر اور تبریز کے شہروں میں عقائد کے حلقوں کا آغاز کیا اور تبریز اور آبادان ریڈیو پر گفتگو کرتے رہےاور لیکچر دیتے رہے۔

انہوں نے اپنے بعض مویدین کے کہنے پر خود کو جمہوریہ ایران کی صدارت کے لئے بھی نامزد کیا۔ استاذ آل اسحاق کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ ڈاکٹر احمد (میرین) السیاد بلوچی رحمہ اللہ سے ملاقات تھی۔ (ڈاکٹر احمد نے اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ سے حدیث شریف میں ڈاکٹریٹ کر رکھی تھی) جو شیعہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور اس بات نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔

وہ آزمائشیں جن کے بہت زیادہ اثرات مرتب ہوئے ان میں سے ایک ان کا وہ خط تھا جو انہوں نے خمینی کو اس وقت لکھا جب ایرانی قائد نے گورباچوف کو اپنا مشہور خط لکھا۔ استاذ آلِ اسحاق کا خط متعدد نقاط پر مشتمل تھا جن میں سے کچھ یہ ہیں:

" حضرت امامِ خمینی، قائدِ انقلابِ اسلامی در ایران! " مرکز حمایت کنندگان قدس برائے تحقیقات اسلامیہ" اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتا ہے کہ آپ اور دیگر علماء اور مسلمانوں کےعلماء کو کچھ نقاط کی تذکیر کرائے جو اس خط سے متعلق ہیں جو آپ نے کمیونسٹ پارٹی آف سوویت یونین کے سابقہ قائد گوبارچوف کو لکھا تھا۔

آپ کا خط اپنے عقیدے کے بیا ن میں چراغِ ہدایت ہے اور اس میں اس اسلام کا پورا بیان ہے جو آپ دنیاپر پیش کرنا چاہتے ہیں-کیونکہ اس کی طباعت انقلاب کے بعد ہوئی ہے- یہ پورا خط فلسفہ و عرفان پر مشتمل ہے جسے اس اساس پرپیش کیا گیا کہ وہی اسلام ہے۔ یہ وہ وحدت الوجود ہے جس پر عقولِ عشرہ اور نورِ محمدی اور نورِ علوی کے ساتھ عقل فعال کی تطبیق کی گئی۔

ہماری رائے میں اسلام اور حقائقِ دین کےساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسلام تو ان مسائل ہی کے مخالف ہے۔ آپ نے اس خط میں قرآن کے حقائق اور اس کے دلائل میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا بلکہ آپ نے قاری کو ابوعلی سینا(جو ابن سینا کے نام سے معروف مشائی فلسفی ہیں اور فلسفہ یونان کے شارح ہیں) کے حوالے دیئے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ آپ محققین اور اسلام سے شناسائی رکھنے والوں کے دائرہ کار کو کشادہ کریں کہ وہ ذرائع ابلاغ پر فلسفہ و عرفان کی بجائے حقائقِ اسلام بیان کریں تاکہ پوری دنیا کے لوگ اسلام کی حقیقت جان سکیں۔ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ ہمارے اس عمل سے کبیدہ خاطر نہیں ہوں جس کو ہم اپنی ذمہ داری کا ایک حصہ سمجھتے ہیں ۔ والسلام علی من اتبع الھدی. (سلامتی ہو ہر اس شخص پر جو ہدایت کیاتباع کرتا ہے)"۔

اس خط کی اشاعت کے فورا بعد ہی استاذ آلِ اسحق کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا اور انہوں نے ان کی پھانسی کا فیصلہ کرلیا۔ معاملہ تقریباً ختم ہی ہو چکا تھا۔ انہوں نے قم اور طہران سے ان کے خاندان کو بھی بلوا لیا تھا۔ اپنے رشتے داروں کےساتھ ملاقات میں وہ اپنی لکھی ہوئی وصیت پیش کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ تاہم اللہ کے ہاں ان کی پھانسی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ انہی دنوں میں خمینی بیمار ہوا اور اس کی وفات ہو گئی اور یوں استاذ آل اسحق کی پھانسی کو مؤخر کر دیا گیا۔

اپنی وفات سے پہلے انہوں نے جو اپنا آخری خط لکھا وہ یہ تھا کہ: (دنیا میں پائے جانے والے تین قسم کے لوگوں میں سے تیسری قسم) ایران کی حکمران پارٹی یا موجودصفوی شیعہ کی صحت کا اعتقاد رکھنےوالے اور غافل و فریب زدہ لوگ ہیں۔ ایران میں پائی جانے والی یہ قوت جو عالم اسلامی اور تہذیبِ انسانی کے لئے خطرہ ہے وہ اس مذہب کے حامیوں کےذریعے سے وجود میں آئی ہے ۔ اسلام میں شیعہ مذہب کو ایجاد کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں پائی جاتی۔ شیعہ مذہب ایک سیاسی پارٹی ہے جو دین کے نام سے سامنے آئی ہے۔ یہ دین میں ایک خود ساختہ مذہب ہے۔

تا کہ وہ تمام پالیسیوں اور تحریکوں کو کنڑول کر سکیں اور ظلم و ستم اور جھوٹ اور پھانسیوں کا بازار گرم رکھ سکیں اور خلافت، اسلام اور مسلمان سے انتقام لے سکیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو نام مسلمانوں کا دیا اور امامت و ولایت کے عناوین گھڑ لئے۔ اور اس لئے کہ امام اور قائد جو چاہے فیصلہ کر سکے انہوں نے اس کو ولایتِ الہیہ، ولایتِ تکوینیہ، ولایت تشریعیہ، حاکمیت مطلقہ اور ولایت مطلقہ سونپ دی۔

یہ لوگ یہ عقیدہ کیوں رکھتے ہیں کہ فرضی اور مبینہ مہدی غائب ہے؟ اس لئے کہ اس کی خلافت و نیابت اور ولایت مطلقہ کا دعوی کر سکیں۔ اس کی تاسیس و ترویج کے لئے انہوں نے قرآن کریم کی آیات کی من چاہی تفسیر و تاویل کرنی شروع کر دی اور نبی ﷺ کے نام سے ہزاروں احادیث گھڑ ڈالیں اور سینکڑوں معجزات اور کرامات ایجاد کر لیں اور زیارتِ قبور کے خیالی اجر و ثواب بنا دیئے، کتابیں تالیف کیں اور غدیرِ خم جیسے قصے لکھ مارے، ائمہ کی طرف منسوب کر کے بہت سی روایات گھڑ دیں اور کتابیں لکھ دیں جیسے نہج البلاغہ جو علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے چار سو سال بعد لکھی گئی۔ انہوں نے صحیفہ سجادیہ ایجاد کیا اور حدیثِ کساء بنا ڈالی جس کی کوئی سند نہیں۔ اسی طرح انہوں نے مفاتیح الجنان اور زاد المعاد جیسی کتابیں لکھیں اور صدیوں کی کاوش کے بعد اہلسنت کی صحاح ستہ کے مقابلے میں کتابیں وضع کر دیں جیسے الکافی، الوافی، من لایحضرہ الفقیہ اور الاستبصار۔

مالی قوت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے خُمس اور سہم امام (امام کا حصہ) گھڑ لیا اور سرکردہ لوگوں کی مطلق اطاعت کے لئے مرجعیت اور رسائل علمیہ لکھ ڈالے اور ان کے لئے صفویوں نے تعزیہ و سینہ کوبی اور زنجیر و خنجر زنی کی مجالس قائم کر لیں۔

شیعہ مذہب کی دائمی ترویج کے لئے انہوں نے تواشیح اور رلانے والے گانیں ایجاد کرکے انہیں اپنی ثقافت بنا لیا اور تا کہ کوئی بات نہ کر سکے انہوں نے مدحتِ علی بنا لی اور شعر وضع کر کے ان کو علی رضی اللہ عنہ کی توصیف میں پڑھنے لگے۔ انہوں نے قبروں پر قبہ جات اور مزار بنائے اور ان کو سونے سے مزین کیا۔ امامتِ شخصیہ کو انہوں نے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا جو کہ ایک جھوٹ ہے اور قطعی اور یقینی طور پر قرآن کے مخالف ہے۔

مرزا مخدوم ابن سید الشریف معین الدین اشرف الشریفی الحسینی ایک شیعہ عالم ہیں جو اہلسنت کی طرف آ گئے۔ صفوی شاہ طھماسب کی حکومت میں ان کو امیر اور بعد ازاں اس کا وزیر مقرر کیا گیا۔

جب اقتدار شاہ اسماعیل دوم نے سنبھالا تو اس نے مرزا مخدوم کو اپنے بہت قریب کر لیا اور ان کو صدارت کے عہدے پر فائز کر دیا۔(کہا جاتا ہے کہ وہ ان افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے صفوی حکومت میں اسماعیل سے رافضیت کی شدت کو کچھ کم کیا)۔

حالات نے پلٹا کھایا اور ان کو قید کر دیا گیا۔ اپنی رہائی کے بعد وہ ترکی سرحد کی طرف بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ عثمانی سلطنت میں جب مرزا مخدوم کو کچھ استقرار حاصل ہو ا تو انہوں نے اپنی کتاب "النواقض لبنیان الروافض" تالیف کی جس میں شیعہ فکر اور صفویوں کے سیاسی اقتدار پر تنقید پائی جاتی ہے۔ انہوں نے کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے: "۔۔تمام ممالک کے بہت سے اہلِ عجم بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ قبلہ استقامت سے انتہائی حد تک منحرف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے دین میں شیطانی بدعات کو ایجاد کر لیا ہے تاکہ اس کے ذریعے زمین میں بالادستی حاصل کر سکیں اور اس میں فساد بپا کر سکیں۔چنانچہ ان کے سخت دل نفاق و عناد سے بھر گئے ہیں، شیطان نے ان پر حاوی ہو کر ان کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور ان میں سے کوتاہ نظروں کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا یہاں تک کہ معاملہ اس حد تک جاپہنچا کہ نبی ﷺ اور اکثر مہاجرین و انصار پر سب و شتم کرنا ان کا شعار بن گیا بلکہ چھپ کر اور کھلم کھلا یہی ان کا دارومدار ہو گیا۔ وہ خیال کرنے لگے کہ یہ کامل ترین عبادت اور افضل ترین اطاعت گزاری ہے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا اس کی وہ تکفیر کرتے ہیں اور اسے جلا دیتے ہیں۔ جو اس پر اصرار نہ کرے اس کو وہ دھمکاتے اور خطرے میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے دینِ اسلام کو تبدیل کر کے اسے الحاد سے زیادہ قریب کر دیا۔ انہوں نے ملتِ حنیفہ کے قواعد کو تبدیل کر دیا یہاں تک کہ وہ زندیقیت کے زیادہ قریب ہو گئی"۔

یہ کچھ دیکھنے پر میں نے عزم کیا کہ ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں جو مذہب اہلِ سنت و الجماعت کی طرف میلان رکھنے والی راستگی پر قائم طبائع کی نمائندگی کرے، ان کو رافضیت و بدعت کی راہ سے برگشتہ کرے اور اہلِ ہدایت کو گمراہی سے بچائے۔

علی اکبر حکمی زادہ کی پیدائش ایران کے وسط میں شہر قم کے اندر ایک دین دار گھرانے میں ہوئی کیونکہ ان کے والد جو شیعہ عالم اور حجۃ الاسلام تھے وہ اپنے وقت میں قم شہر کے نمایاں علماء میں سے تھے جب کہ ان کے ماموں آیت اللہ طالقانی تھے۔

علی اکبر قم میں ہی پلے بڑھے۔ انہوں نے علومِ امامیہ کو اچھے انداز میں پڑھا یہاں تک کہ اخوند الخراسانی کی کتاب "الكافية في أصول الفقه"پر حاشیہ تحریر کیا جو بالائی مرحلے پر پڑھی جانے والی علمِ اصول کی آخری کتاب گردانی جاتی ہے۔ یوں حکمی زادہ بڑے شیعہ علماء کے سلسلے میں شامل ہو گئے۔ وہ عمامہ باندھتے اور مذہبی علماء کا سا روایتی لباس پہنتے ۔تا ہم وہ بہت قادر الکلام خطیب تھے بلکہ مجالس عزاء کے منابر پر وہ مرثیے پڑھا کرتے تھے۔

لیکن علی اکبر حکمی زادہ اپنے تعلیمی زندگی کی ابتداء سے ہی بہت ناقدانہ ذہنیت کے مالک تھے، وہ اپنے گردوپیش پر بھڑک اٹھتے تھے۔ احمد کسروی کی تحریروں سے متاثر ہو کرانہو ں نے روایتی امامی طرزِ فکر سے کچھ نہ کچھ ہٹنا شروع کر دیا اور اپنے علاقوں میں دین و مذہب کے نام پر رائج اکثر شیعہ خرافات و عقائد اور اعمال پر تنقید کا آغاز کر دیا۔ حکمی زادہ نے مشائخ کا لباس اتار پھینکا اور اپنا وہ کتابچہ لکھا جس سے ان کو شہرت حاصل ہو ئی۔ میری مراد "أسرار ألف عام" (ہزار سال کے راز) ہے۔ انہوں نے اسے ۱۹۴۴ء میں جریدے "پرچم" کے اندر ضمیمے کے طور پر شائع کرایا اور اس میں تمسخرانہ انداز میں اپنے علاقوں میں شیعہ امامیہ کے ہاں رائج بہت سے عقائد و اعمال پر کڑی تنقید کی۔

نادر شاہ، ایران کا حکمران جسے مذہبِ حق کی طرف ہدایت حاصل ہوئی: نادر افشار (ترکمانی) صفویوں کے آخری بادشاہ کا ایک اہم عسکری سالار تھا۔ اس نے مشہد سے افغانی غلزئی قبیلے (جو بنیادی طور پر پشتون قبیلہ ہے) کی افغانی فتوحات کی مدافعت میں کردار ادا کیا اس لیے ایرانی لوگ اسے جدید تاریخِ ایران کا اپنا سب سے بڑا فاتح خیال کرتے ہیں ۔ اپنی کامیابی کے بعد اس کا معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ اس نے خود کو شاہ مقرر کر دیا (۱۷۴۷ء-۱۷۳۶ء) اور نادر شاہ کا نام اپنا لیا۔ ۱۷۳۷ء میں وہ وسطی ایشیا کے علاقوں خانات خیوہ پر قابض ہو گیا اور پھر (۱۷۳۸ء-۱۷۳۹ء) میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ ابتداء میں نادر شاہ شیعہ تھا اور شیعہ مذہب کی اشاعت میں اس نے سرتوڑ کوشش کی۔ علماء اہلسنت اور شیعہ کے مابین ہونے والے مشہور مناظرے کے بعد وہ اہلسنت و الجماعت کی طرف آ گیا۔ اس مناظرے کو "کوفہ کانفرس" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں جب اس نےشیعہ ملاؤں کو مشہور سنی عالم محمد امین السویدی رحمہ اللہ کے سامنے شکست کھاتے دیکھا تو اہلسنت کے مذہب کی طرف مائل ہو گیا اور ان خرابیوں میں کمی لانے کی کوشش کی جو صفویوں نے پیدا کی

تھیں جن میں سے ایک صحابہ اور خلفاء راشدین کا سب و شتم تھا۔ اسی طرح اس نے اہلسنت اور شیعہ کو باہم دگر قریب لانے کے لئے بھی کوشش کی۔

جب شیعہ ملاؤں کی طرف سے اس نے بہت زیادہ مزاحمت دیکھی تو اندرونی طور پر اس نے کوشش کی کہ ملک کے لئے کوئی ایسا مذہب اپنائے جو شیعہ اور اہلنست کے مابین موافقت پیدا کرے ۔ اس بات کو متعصب ایرانیوں نے قبول نہ کیا اور وہ نادر شاہ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ نادر شاہ رحمہ اللہ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں اپنی ہی سالاروں میں سے ایک سالار کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ثابت شدہ حقائق جو شیعہ مذہب کے وجود میں آنے کی حقیقت واض کرتے ہیں

درج ذیل حقائق جو دورانِ تاریخ سامنے آئے صرف دانستہ انکار کرنے والا ہی ان کا انکار کر سکتاہے کیونکہ یہ مشہور اور ثابت شدہ ہیں۔ ان میں سے اہم ترین حقائق کو میں اختصار و ترتیب کے ساتھ ذکر کروں گا اور شاخ در شاخ پھیلی ہوئی تفاصیل میں نہیں جاؤں گا جن کی تشریح سے بات لمبی ہو جائے گی۔ ان حقائق کو ذکر کرنے کا مقصد ان اہم اسباب و عوامل کو بیان کرنا ہے جوشیعہ مذہب کو تشکیل دیتے ہیں تاکہ شیعہ عوام میں سے ہر صاحب عقل کے لئے حق باطل سے واضح ہو جائے کیونکہ یہ بہت خطرناک حقائق کا اثبات کرتے ہیں۔

تاریخِ قدیم میں واقع ہونے والے ثابت شدہ تاریخی حقائق میں سے کچھ یہ ہیں:

سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والی بیعت اور ابوبکر ﷛ کو رسول اللہﷺ کا خلیفہ منتخب کرنا۔

بلادِ فارس صحابہ کی تلواروں اور عمر فاروق ﷛ کی منصوبہ بندی اور راہنمائی کے ساتھ ۲۱ہجری میں فتح۔

۲۳ہجری میں ایک فارسی ابولؤلوکے ہاتھوں عمر ﷛ کا غادرانہ انداز میں قتل کرکے شہید کیا جانا۔

دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے والے خوارج کے ہاتھوں ۳۶ ہجری میں عثمان بن عفان کا قتل اور ان کی شہادت۔ یہ خوارج ایک یہودی ابن سبا کے اقوال و افکار سے متاثر تھے۔ انہوں نے ہی لوگوں کو خلیفہ کے خلاف خروج پر ابھارا تھا۔

دونوں گروہوں کے مابین گھس آنے والے خوارج کی اشتعال انگیزی کی بنا پر علی ﷛ اور معاویہ﷛ کے لشکروں کے مابین ہونے والے معرکے جیسے جنگ صفین اور جنگ جمل۔

۴۰ ہجری میں خارجی ابن ملجم کے ہاتھوں علی ﷛ کا قتل اور شہادت۔

حسن بن علی ﷛ کی معاویہ بن ابی سفیان ﷛ کے حق میں دستبرداری۔

۶۱ ہجری میں محرم کے دسویں دن حسین ﷛ کا اندر گھسے ہوئے خوارج کے ہاتھوں قتل اور آپ کی شہادت اور اہلِ عراق کی طرف سے آپ کی نصرت میں کوتاہی۔

سابق الذکر ہر واقعہ کچھ اسباب کی بنا پر ہوا جنہوں نے اللہ کی تقدیر کے بعد اس کی راہ ہموار کی۔

اس کی ایک مثال: ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے جو نبی ﷺ کی وفات کی وجہ سے ہوئی۔ ایک خلیفہ ہونا ضروری تھا جس کے ذریعے اللہ امت کا شیرازہ محفوظ رکھتا اگرچہ شیعہ لوگ ابو بکر س کو خلافت کا حق دار نہ سمجھتے ہوں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی وجہ سے وہ شخص سامنے آیا جو ان کی بیعت میں طعن زنی کرتا ہے اور علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتا ہے۔

اسی طرح عمر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی طرف سے بلادِ فارس کی فتح ہے۔ صحابہ کی بہادری کے کارنامے تاریخ میں محفوظ ہیں۔ یہ معرکوں اور سخت جنگوں کا ایک سلسلہ تھا جو معرکہ قادسیہ سے شروع ہوا یہاں تک کہ فارسیوں کے دارالحکومت اور دیوان کسری تک پہنچ کر انہوں نے اس کے تاج کو توڑ ڈالا اور تلوار کے زور پر مجوسیوں کے گھر میں گھس کر ان کے آگ بجھا ڈالی۔ اس میں فارسیوں کے بہت سے قائدین قتل ہوئے اور بہت سے بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں سرفہرست یزدجر تھا۔ عرب صحابہ کے ہاتھ اتنا مالِ غنیمت اور قیدی آئے جن کا شمار صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارسی سلطنت کا اسقاط فارسی مجوسی ابو لؤلؤ کے ہاتھوں غادرانہ قتل کا ایک واضح سیاسی سبب ہے۔ اسی وجہ سے فارسی مجوس عمر بن خطاب سے بطورِ خاص بغض رکھتے ہیں اور ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ انہوں نے ائمہ کی طرف منسوب کر کے ایسی روایات گھڑ رکھی ہیں جو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات پر طعن کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ ان کے شرف و کرامت میں بھی ان کو متہم کرتے ہیں۔ یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھے حسد و بغض اور ان کی لفظی حماقتوں کو واضح کرتی ہے جو نہ اللہ کی شریعت پر دلالت کرتی ہیں اور نہ ہی اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم کے اخلاق پر۔

اس کھلی فتح کے بعد فارسی عجم دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک گروہ کے دل تو اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیئے ۔ وہ حق کو پسند کرنے والے اور اس کی طرف آنے والے تھے۔ ان میں سے گروہ در گروہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو انکار کرنے والے تھے۔ یہ پیٹھ پھیرنے والے اور بغض رکھنے والے لوگ تھے۔ ان کے دل عربوں اور اسلام کی عداوت سے بھرے پڑے تھے۔ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سچے لوگوں کے گروہ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس بات نے عناد سے بھرے ان دلوں کو ان کی کمزوری اور انتشار کی بدولت اور زیادہ نقصان پہنچایا اور ان کو اور زیادہ توڑ کر رکھ دیا۔ وہ عرب مسلمانوں کا سامنا تلواروں کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے

بلکہ ذلت کی حالت میں ان پر جزیہ دینا لازم تھا جس کو اسلام نے اپنے غلبے کے بسبب فرض کیا تھا۔ چنانچہ عظیم قائد عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر جزیہ لاگو کیا۔

ان شکست خوردہ فارسی کینہ پرور لوگوں کے دلوں میں عداوت پانی کی طرح جوش مار رہی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ وہ عربوں کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے تھے اور نہ ان کو باہر نکال سکتے تھے یہاں تک کہ یہ خود اپنے غیظ و غضب میں ہی جل کر مرے جاتے۔ تاہم اپنے مرنے سے پہلے اپنا بغض و عداوت اپنے بچوں اور اولاد کو وراثت میں دے جاتے۔ چنانچہ یہ لوگ نسل در نسل اس عداوت کو منتقل کرتے رہے اور ہر آنے والی نسل اپنی پہلے والی نسل سے زیادہ معاندانہ رویہ رکھتی۔ کیونکہ من گھڑت قصے کہانیوں کے ذریعے عرب اور فاتحین صحابہ کے بارے میں افتراء پردازیوں کو نقل کرنے میں اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ دینِ شیعہ کے بانیان کا دور آیا جنہوں نے ان مشہور کتابوں کو وضع کیا جس پر شیعہ مذہب قائم ہے۔ یہ ان فارسی لوگوں کے پوتوں کی نسل تھی جو غیظ و غضب میں ہی مر گئے تھے۔ انہوں نے عبایہ اور عرب عمامے کے ساتھ ایک مذہب بنایا جس کے بارے میں ان کا دعوی تھا کہ یہی اصل دین ہے اور یہی اہلِ بیت کا مذہب ہے۔ انہوں نے اپنی جھوٹی زبانوں اور گندے دلوں کے ساتھ بے شمار روایات اور اخبار روایت کیں اور ان کو ازراہِ جھوٹ و بہتان ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کیا۔ تاکہ اندر سے حملہ آور ہو سکیں اور اس فتنے کے بیج بو سکیں جو قتل سے بھی زیادہ شدید ہے۔

انہوں نے جھوٹے قصے کہانیاں اور فارسی سلطنت کے سقوط کی وجہ سے خلفاء اور صحابہ پر طعن زنی اپنے آباءو اجداد سے وراثت میں پائی۔

ان کی بنیادی اور مشہور کتابوں (جن پر غالی مذہبِ تشیع قائم ہے) میں ان روایات کو گھڑنے والے اہم لوگ یہ ہیں:

فارسی شیخ القمیین : محمد بن الحسن بن فروخ الصفار ۔ وہ قم میں پیدا ہوا کیونکہ وہ قمی تھا۔ النجاشی کا اس کے بارے میں کہنا ہے: (محمد بن حسن بن فروخ الصفار قم کے مقدس شہر میں شیعہ کی اہم درخشاں شخصیات میں سے ہیں۔ وہ ایک امتیازی شخصیت کے حامل ہیں اور ان کی روایات دیگر لوگوں سے منقول کثیر روایات سے راجح ہیں اور ان کے بہت سی تصنیفات ہیں)۔ النجاشی کا کہنا ہے: "وہ

ہمارے اصحابِ قم میں معزز، ثقہ اور بہت قابلِ قدر تھے، وہ راجح تھےا ور روایت کرنے میں ان کی غلطی کم ہوتی تھی، ان کی کچھ کتابیں بھی ہیں"۔

ان کے بارے میں الطوسی اپنی کتاب "الفہرست " میں کہتے ہیں: "محمد بن حسن الصفار قم شہر سے تھا، اس کی متعدد تالیفات ہیں ۔ اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو کچھ خطوط لکھے ۔ یہ خطوط اور ان کے جوابات اب بھی موجود ہیں"۔

الصفار کی کئی تالیفات ہیں: التجارات، الحدود، الخمس، الدیات، الزہد، الشہادات، الصید و الذبائح، المکاسب، الملاحم، المناقب، المواریث، الوضوء۔ اس کی تالیفات میں سے سب سے اہم بصائر الدرجات ہے۔ وہ ایران کے شہر قم میں مدفون ہے۔

ایران سے تعلق رکھنے والا فارسی عجمی محمد بن یعقوب الکلینی۔ یہ محمد الصفار کے تلامذہ میں سے ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ (الکلینی کی پیدائش فارسی دارالخلافہ طہران کے جنوب میں رَے شہر میں ہوئی)۔

یہ کتاب الکافی کا مصنف ہے جو شیعہ کی افضل ترین اور گویا سونے سے لکھی مروج ترین کتاب ہے۔ کتاب دو اقسام میں تقسیم ہے: اصولِ کافی (عقائد) اور فروعِ کافی (فقہ)۔ الکلینی تیسری صدی ہجری کے دوسرے نصف میں کُلین نامی بستی میں پیدا ہوا جو شہر رَے سے ۳۸ کلومیٹر دور دارالخلافہ طہران کے جنوب میں واقع ہے۔

ایران سے تعلق رکھنے والا فارسی و عجمی ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی جو شیخ الطائفہ کے لقب سے معروف ہے۔ یہ شہر طوس خراسان میں پیدا ہوا ۔ یہ ایران کا ایک تاریخی شہر ہے جس کو آج کل مشہد رضا کہا جاتا ہے۔ اس کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سے اہم ترین یہ ہیں:الاستبصار فیما اختلف من الأخبار ،تهذيب الأحكام ، الاقتصاد الهادي إلى طريق الرشاد، تلخيص كتاب الكافي في الإمامة في شرح المقنعة، فهرست كتب الشيعة و أصولهم، شرح الشرح في الأصول، التبيان في تفسير القرآن، النهاية، الغيبة۔

ایران سے تعلق رکھنے والا فارسی عجمی محمد بن بابویہ القمی جو شیعہ کے ہاں "الصدوق" کے نام سے ملقب ہے۔ (یہ بلادِ فارس کے شہر قم میں پیدا ہوا۔ وہ شیعہ علماء میں قابلِ قدر شخص ہے۔ یہ شیعہ

امامیہ کا سب سے اہم محدث سمجھا جاتاہے۔ اس کی تصنیفات کی تعداد دو سو سے زائدہے۔ ان میں سب سے اہم کتاب "من لا يحضره الفقيه" ہے)۔

اس کی روایات کی تعداد ۹۰۴۴ ہے۔اس نے روایات کی اسانید کو حذف کر دیا۔ تا کہ اس کے زعم میں طرق زیادہ نہ ہو جائیں اور اپنی اس کتاب کے مقدمے میں اس نے دعوی کیا کہ اس نے شیعہ کی مشہور و معتمد کتابوں سے اس کتاب کا استخراج کیا ہے اور اس میں صرف وہی روایات رکھی ہے جو ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اس کی کچھ تالیفات یہ ہیں: مدينة العلم، كمال الدين و تمام النعمة، التوحيد، الخصال، معاني الأخبار، عيون أخبار الرضا، الآمالي اور الهداية۔

اسی طرح جب ہم شیعہ علماء کی نسلوں کو بغور دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت فارسی ہی تھی۔ ہم ان میں سے بعض کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ شیعہ کےہاں وہ بہت مشہور ہیں اور ان کے ہاں ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔ ان کی کتابیں ان سابق الذکر تین فارسی افراد ہی کی کتابوں پر مبنی ہیں۔

محمد بن الحسن فيض الكاشانی۔ بلادِ فارس کے شہر قم کے اندر اس کی پیدائش ہوئی اور یہیں وہ پلا بڑھا۔ جب کہ اس کی وفات اور تدفین کاشان کے علاقے میں ہوئی۔ اس کی فارسی میں تقریباً دو سو تالیفات ہیں۔ اس کی تالیفات میں سے کچھ عربی میں بھی ہیں جن میں سے سب سے اہم کتاب الوافی ہے جو ۱۵ جلدوں میں ہے اور المحجة البيضاء جس کی ۸ جلدیں ہیں۔

محمد بن باقر المجلسی۔ یہ فارس کے علاقے اصفہان میں پیدا ہوا اور اصفہان میں ہی اس کی وفات اور تدفین ہوئی۔ اس کی عربی اور فارسی میں ۷۰ سے زائد تالیفات ہیں۔ ان میں سب سے اہم بحار الانوار ہے جس کی سو سے زائد جلدیں ہیں ۔ اس کی ایک کتاب مرآة الرسول في أخبارآل الرسول ہے جس کے ۲۵ اجزاء ہیں۔ المجلسی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا یہاں تک کہ وہ جب بھی آپ کا ذکر کرتا ہے آپ پر لعنت کرتا ہے بلکہ ہر اس شخص پر لعنت کرتاہے جو عمر رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے سے باز رہتا ہے۔[1]

1۔ دیکھیں: کتاب جلاء العیون، المجلسی، ص: ۴۵

حسین بن النوری الطبرسی ۔ یہ طبرستان کی ایک بستی یالو میں پیدا ہوا جو کہ شمالِ ایران (بلادِ فارس) کے صوبوں میں سے ایک صوبہ ہے۔ یہ کتاب "مستدرک الوسائل" کا مصنف ہے۔ اس نے اس کتاب میں تقریبا ۲۳ ہزار احادیث ذکر کی ہیں جن کو اس نے مختلف جگہوں اور بہت سی متفرق کتابوں سے جمع کیا ہے جیسا کہ وہ خود کہتا ہے۔ اس نے اپنے مصادر کو ذکر نہیں کیا اور نہ ہی لوگوں کی معلومات کے لئے انہیں درج کیا۔ تا کہ جو کچھ وہ چاہے گھڑ سکے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ شہرت پا سکے۔ اس کی متعدد تالیفات و تصنیفات ہیں جو شیعہ علماء کے ہاں معلوم ہیں۔ اس کی کتابوں میں سب سے اہم کتاب وہ ہے جس کی بنا پر وہ ان کے زعم میں صحن کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کے جوار میں مدفون ہوا۔ یہ کتاب "فصل الخطاب في إثبات تحريف رب الأرباب" ہے۔

شیعہ عوام خاص طور پر عرب شیعہ کو چاہئے کہ وہ اس پر چوکنے ہو جائیں۔

ان مذکورہ شخصیات کی اکثر روایات گہری عداوت سے بھری ہوئی ہیں اور ان میں سب و شتم، لعنت، طعنہ زنی اور ان فاتحین صحابہ کرام پر بہتان تراشیاں ہیں جنہوں نے فارس کو فتح کر کے مجوسیوں کی سلطنت کو ختم کیا۔ یہ روایات اسلام کی عظمت اور صالح راویوں کی نمائندگی نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ اسلام اور عربوں سے انتقام لینے کے لئے وضع کی گئیں۔

اگر ہم سابق الذکر تاریخی واقعات، شیعہ کتابوں کی تاریخ تدوین اور ان کے اہم راویوں اور ان کی کتابوں کے معاندانہ اور رکیک مضامین کو باہم ملائیں تو شیعہ عوام پر ان کے اس دین کی حقیقت واضح ہو جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ ایک نوساختہ اور سیاسی دین ہے اور ان کے بغض و عداوت سے مناسبت رکھتا ہے۔ تا کہ وہ جھوٹی احادیث و روایات کے ذریعے ایک ایسا دین بنا سکیں جو مریض دلوں سے ملتا جلتا ہو اور ہوائے نفس کے پیروکاروں کو اس میں راستہ ملتا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور خلفاء کی خلافت کے دوران شیعہ لوگ کہاں تھے؟

وہ علانیہ طور پر صرف اس وقت ہی سامنے کیوں آئے جب کہ ابن سبا یہودی نمودار ہوا جس نے کھلم کھلا مذہبِ تشیع اپنایا؟۔ کیا یہ بات مبینہ دینِ شیعہ کی اصل میں شک و شبہ پیدا نہیں کرتی؟۔

خلفاء راشدین کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہمیں وصیت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اس کے ظہور کا آغاز ہمیں عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں دکھائی دیتا ہے جب فتنے کا سینگ نمودار ہوا۔ اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قول ایک باقاعدہ نظریے اور

عقیدے کے طور پر نکھر کر سامنے آتا ہے جس کے ساتھ اس پر ایمان لانے اور اسے قبول کرنے کی دعوت بھی ہوتی ہے۔ یہ وصیت جس کا شیعہ دعوی کرتے ہیں اور ان کے علماء نے اسے بالواسطہ طور پر ثابت کیا وہ دراصل عبد اللہ بن سبا کی وضع کردہ ہے جیسا کہ فارسیوں میں سے خود النوبختی اور الکشی وغیرہ نے ذکر کیا ہے جو خلفاء اور خاص طور پر فاروق رضی اللہ عنہ کے دشمن ہیں۔

عبد اللہ بن سبا جس بات کی دعوت دے رہا تھا اس کی وجہ سے کوفہ اور خاص طور پر مصر سے تعلق رکھنے والے خوارج کی ایک حزب الشیطان وجود میں آ گئی۔ یہ سازشی لوگ اکٹھے ہو کر عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو کر آپ پر حملہ آور ہو گئے جب کہ آپ قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔

مجھے یقین ہے کہ میں نے گزشتہ سطور میں جو کچھ کہا وہ بہت سے شیعہ کو اچھا نہیں لگے گا۔ تاہم وہ اس کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم شیعہ کے ایک بہت بڑے گروہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ ابن سبا کی شخصیت کا ہی انکار کرتے ہیں جو سب سے پہلا شخص سمجھا جاتا ہے جس نے علی کی ولایت کا نعرہ لگایا اور خلفاء و صحابہ پر طعن زنی کی۔ صرف یہی بات ہی شیعہ مذہب اور اس کی اصل حقیقت کو کھول کر رکھ دیتی ہے ۔ جو ابنِ سبا کی شخصیت کا انکار کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خوارج کا بھی انکار کرے اور جو خوارج کا انکار کرتا ہے اس کے لئے ضروری ہو جاتاہے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بھی انکار کرے!!۔

اس لئے ضروری ہے کہ میں شیعہ عوام میں سے ہر غافل شخص کے سامنے ابنِ سبا کی شخصیت کا اثبات کروں۔ تا کہ ان کے سامنے حق پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ آ جائےا ور اس میں کچھ شبہ نہ رہے۔

کچھ ایسے سوالات جو حقائق کی وضاحت کرتے ہیں:

خوارج کون ہیں؟ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے کب روانہ ہوئے؟ انہوں نے خلیفہ ثالث اور خلیفہ رابع کو کیوں قتل کیا؟ وہ کب اور کیسے وجود میں آئے؟ ان کے پیچھے کون تھا؟ اور ان کے اصول و مبادی اور مقاصد کیا تھے؟

میں جواب ابھی نہیں چاہتا۔ میں ہر شیعہ سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی کتابوں میں درج ذیل روایات کی طرف رجوع کرے اور پھر جواب دے:

القمی جس کی وفات ۳۰۱ھ/۹۱۳ء میں ہوئی نقل کرتا ہے کہ : عبداللہ بن سبا وہ پہلا شخص تھا جس نے کھلم کھلا ابو بکر، عمر، عثمان اور صحابہ پر طعن کیا، ان سے اظہارِ براءت کیا اور دعوی کیا کہ علی ﷛ نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔[1]

شیعہ النوبختی جس کی وفات ۳۱۰ھ/۹۲۲ء میں ہوئی ابن سبا کی اخبار بیان کرتے ہوئے ذکر کرتا ہے کہ مدائن میں جب علی ﷛ کی وفات کی خبر پہنچی تو وفات کی خبر نقل کرنے والے کو اس نے کہا: (تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر تم ان کے دماغ کو ستر تھیلیوں میں بھی لے کر آؤ اور ان کے قتل پر ستر عادل افراد کو بھی بطور گواہ بناؤ تو ہم تمہاری تصدیق نہیں کریں گے۔ ہمیں پورا علم ہے کہ نہ تو وہ مرے ہیں اور نہ ہی ان کو قتل کیا گیا ہے اور تب تک ان کی موت واقع نہیں ہو گی جب تک کہ وہ پوری زمین کا مالک نہ بن جائے)۔

النوبختی کہتا ہے: امیر المومنین ؑ کے ساتھیوں میں سے اہلِ علم کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ پھر وہ مسلمان ہوکر علی کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ یہودی تھا اس وقت وہ یہ بات موسیٰ ؑ کے بعد یوشع بن نون کے لئے کہا کرتا تھا اور جب اسلام لایا تو یہی بات علی بن ابی طالب کے بارے میں کہنے لگا۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے علی ﷛ کی امامت کی فرضیت کا قول مشہور کیا اور ان کے دشمنوں سے اظہارِ براءت کیا۔۔(سبائیوں نے امامتِ علی کا قول اختیار کیا۔ ان کے بقول یہ اللہ عز و جل کی طرف سے فرض ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن سبا کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ عبداللہ بن سبا ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کھلم کھلا ابو بکر، عمر، عثمان اور صحابہ پر طعن کیا اور ان سے اظہارِ براءت کیا اور کہا: علی نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے)۔ اس پر علی ﷛ نےاسے پکڑ کر اس قول کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اس بات کااقرار کر لیا ۔ علی ﷛ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس پر لوگ آپ ﷛ کو پکار کر بولے: اے امیر المومنین! کیا آپ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں جو آپ یعنی اہلِ بیت کی محبت اور آپ کی ولایت کی طرف بلاتا ہےاور آپ کے دشمنوں سے براءت کرنے کو کہتا ہے؟ اس پر آپ نے اسے مدائن کی طرف بھیج دیا۔[2]

1۔ دیکھیں: المقالات و الفرق، القمی، تحقیق: محمد جواد مشکور، ۱۹۶۳ء، طہران، ص: ۲۰-۲۱

2۔ فرق الشیعۃ، النوبختی، ص: ۲۲، ص: ۳۲-۴۴

شیعہ کے ایک بڑے محدث ابن بابویہ القمی جس کی وفات ۳۸۱ھ/۹۹۱ء اپنی کتاب "من لا یحضره الفقیه" میں ذکر کرتا ہے کہ۔۔۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے فارغ ہوتووہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا میں لگ جائے"۔ اس پر ابن سبا نے کہا: "اے امیر المومنین! کیا اللہ ہر جگہ پر نہیں ہے؟"۔ آپ نے فرمایا: "کیوں نہیں، اللہ ہر جگہ پر ہے"۔ اس پر وہ کہنے لگا: پھر نمازی اپنی ہاتھوں کو آسمان کی طرف کیوں اٹھائے؟ آپ نے جواب دیا: کیا تم یہ نہیں پڑھتے:

﴿وَفِي ٱلسَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَمَا تُوعَدُونَ﴾ [الذاریات: ۲۲]

«آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے»۔

رزق کو اس کی جگہ سے ہی طلب کیا جائے گا اور رزق اور اللہ کی وعدہ کردہ اشیاء کی جگہ آسمان ہے۔(1)

الطوسی کی کتاب رجال الطوسی میں آیا ہے کہ: عبد اللہ بن سبا اپنے کفر کی طرف واپس لوٹ آیا تھا اور اس نے غلو کا کھلم کھلا اظہار کیا تھا۔(2)

شیعہ علامہ الحلی کا کہنا ہے: عبداللہ بن سبا غالی اور ملعون تھا۔ اسے امیر المومنین علیہ السلام نے آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا۔ وہ عقیدہ رکھتا تھا کہ علی معبود ہے اور وہ نبی ہے۔(3)

شیعہ کی مشہور کتاب معرفة أخبار الرجال جو الکشی کی تالیف ہے میں آیا ہے کہ: ۔۔ابوعبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ عبداللہ بن سبا پر لعنت کرتے۔ اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے رب ہونے کا دعوی کیا۔ اللہ کی قسم! امیر المومنین رضی اللہ عنہ اللہ کے فرماں بردار بندے تھے۔ ہلاکت ہو اس شخص پر جو ہم پر جھوٹ باندھتا ہے۔ کچھ لوگ ہمارے بارے میں وہ کچھ کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ ہم ان سے اللہ کے حضور اظہارِ براءت کرتے ہیں، ہم ان سے اللہ کے حضور اظہارِ براءت کرتے ہیں"۔(4)

1۔ من لا یحضره الفقیه، تحقیق حسن الموسوي، ج:۱، ص: ۲۱۳

2۔ رجال الطوسی، ص: ۸۰

3۔ رجال الطوسی، ص: ۸۰

4۔ رجال الکشی، ص: ۱۰۰، تنقیح المقال فی أحوال الرجال، الماقاني، ج: ۲، ص: ۱۸۳/۱۸۴، طبعة المرتضویة۔

شیعہ ابن ابی حدید جس کی وفات ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں ہوئی وہ شرح نہج البلاغہ میں کہتا ہے: (جب امیر المومنین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو ابن سبا نے اپنی بات کھلم کھلا کہنا شروع کر دی۔ اس کا ایک پورا گروہ اور فرقہ بن گیا۔ یہ لوگ اسے پہچانتے تھے اور اس کی اتباع کرتے تھے)۔

المامقانی اپنی کتاب تنقيح المقال في علم الرجال میں لکھتا ہے: "عبد الله بن سبا جو کفر کی طرف لوٹ گیا تھا اور اس نے غلو کا اظہار کیا تھا"۔ اور اس کا کہنا ہے: "وہ ملعون اور غالی تھا۔ امیر المومنین نے اسے آگ میں ڈلوا کر جلا دیا تھا۔ وہ عقیدہ رکھتا تھا کہ علی معبود ہیں اور وہ نبی ہے"۔[1]

نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب الانوار النعمانیہ میں لکھتا ہے: "عبد اللہ بن سبا نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ واقعتاً معبود ہیں۔ اس پر علی علیہ السلام نے اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا۔ ایک قول کی رو سے وہ یہودی تھا اور پھر اسلام لے آیا۔ یہودیت میں یوشع بن نون اور موسی علیہ السلام کے بارے میں اسی طرح کی باتیں کہا کرتا تھا جس طرح کی باتیں وہ علی کے بارے میں کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے کھلم کھلا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی بات کی اور غالیوں کی مختلف اصناف اسی سے نکلیں"۔[2]

شیعہ الناشی الاکبر جس کی وفات ۹۰۵ء میں ہوئی اس نے "مسائل الإمامة و مقتطفات من الكتاب الأوسط للمقالات" میں ابن سبا اور اس کے گروہ کے بارے میں یہ باتیں لکھی ہیں: (یہ ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ علی زندہ ہیں اور ان کی موت واقع نہیں ہوئی اور یہ کہ وہ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے جب تک اپنے عصا سے سارے عرب کو ہانک نہ لیں۔ یہ سبائی لوگ ہیں جو عبداللہ بن سبا کے ساتھی ہیں۔ عبداللہ بن سبا اہلِ صنعاء میں سے ایک یہودی تھا اور مدائن میں رہائش پذیر تھا)۔[3]

شیخ الشیعہ یوسف البحرانی کا کہنا ہے: "یہ وہی ابن سبا ہے جو عقیدہ رکھتا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام معبود ہیں۔ امیر المومنین تین دن تک اس سے توبہ طلب کرتے رہے۔ اس نے توبہ نہ کی تو انہوں نے اسے جلا دیا"۔[4]

1۔ تنقیح المقال فی علم الرجال: ۱۸۳/۲، ۱۸۴

2۔ الانوار النعمانیہ، ج: ۲، ص: ۲۳۴

3۔ مسائل الإمامة و مقتطفات من الکتاب الأوسط للمقالات، تحقیق یوسف فان: ص: ۲۲-۲۳

4۔ یوسف البحرانی، فی الحدائق الناضرة: ۵۱۱/۸

شیعہ کی معتبر کتابوں میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں جو کچھ آیا ہے اس میں سے کچھ کا یہ مختصر بیان ہے۔ ان کی کتابوں میں آنے والی یہ ساری باتیں نہیں ہیں۔

سنی اور شیعہ مصادر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن سبا یمن کے علاقے صنعاء سے تعلق رکھنے والا ایک یہودی تھا۔ اس نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا جب کہ باطنی طور پر اس نے اپنے کفر و نفاق ہی کو مخفی رکھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے شیعہ علماء نے عبداللہ بن سبا کی شخصیت اور اس بات کا اثبات کیا ہے کہ اس نے امیر المومنین علیہ السلام کے لئے الوہیت کا دعوی کیا تھا۔ کوئی محقق جب شیعہ کتابوں میں تحقیق کی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہودی ابنِ سبا کی شخصیت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

لیکن شیعہ کے معاصر لکھاریوں کے ایک گروہ نے ابنِ سبا کے وجود کی نفی کی کوشش کیوں کی؟

کیونکہ ابنِ سبا یہودی بھی خلفاء پر طعن زنی، امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی افضیلت اور ان کا خلافت کا زیادہ حق دار ہونے اور یہ کہہ کر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرح وصی ہیں جس طرح یوشع موسیٰ علیہ السلام کے اور پھر رجعت اور اس بات کا عقیدہ رکھ کر کہ علی ہی دابۃ الارض ہیں اور اس کے علاوہ دیگر معتقدات کے ساتھ بالکل وہی باتیں کرتا جو باتیں شیعہ کرتے ہیں۔

اگر شیعہ کے دانا و سمجھ دار لوگ غور و فکر کریں تو ان پر حق واضح ہو جائے۔ کیونکہ شیعہ میں سے جو بھی ابنِ سبا کی شخصیت کا انکار کرتا ہے وہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ شیعہ کے عقائد ان عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں جن کی دعوت یہ بدمعاش فتنہ پرداز ابن سبا دیتا تھا۔

باقی رہی وہ باتیں جو متاخرین شیعہ فقہاء عبداللہ بن سبا کی شخصیت کا انکار کرنے کے لئے کہتے ہیں اور ان کا یہ کہنا کہ یہ شخصیت موہوم اور افسانوی طرز کی ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں، تو یہ سب کچھ وہ اپنے دین کے وجود میں آنے کی حقیقت کو چھپانے کے لئے کرتے ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم بڑے بڑے شیعہ اور اہلسنت علماء اور بڑے بڑے مورخین کو ابن سبا کی شخصیت اور جن عقائد کا وہ اعلان کرتا تھا اس کے بارے میں ان کو غلط ٹھہرائیں اور اس شخصیت کے انکار پر متاخرین میں سے چند چھوٹے فقہاء کی تصدیق کریں جنہوں نے پہلے زمانے پائے ہی نہیں۔

عین اسی وقت ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے شیعہ علماء ابن سبا کی شخصیت کا انکار نہیں کرتے جس سے وہ اظہارِ براءت کرتے ہیں اور اس کو برابھلا کہتے ہیں۔

چنانچہ یہودی ابن سبا کی وجہ سے عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے اور ان کی شہادت کو پانچ سال سے بھی کم مدت گزری تھی کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا۔ یہ خوارج انسانی روپ میں شیاطین تھے جو ان کے اندر گھسے ہوئے تھے۔ انہی لوگوں نے دو جلیل القدر صحابیوں یعنی علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ کی آگ بھڑکائی اور یہی شہید حسین ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے والے تھے۔

ان مشہوراور ثابت شدہ تاریخی حقائق سے ہر دانا شیعہ پر یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ فارسی علماء کی کتابوں میں لکھی ہوئی جن باتوں پر شیعہ اعتماد کرتے ہیں وہ دراصل عبداللہ بن سبا کے عقیدے کی کاپی ہیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے وصیت کا عقیدہ ایجاد کیااور اس کے نتیجے میں جو فتنہ آیا وہ افکار و مناسبت رکھنے والے قصے کہانیاں تھے جن کو کینہ پرور واضعین نے گھڑا تھا۔ انہوں نے ان قصے کہانیوں کے لئے اسانید گھڑیں اور ان میں متون جوڑے جن کو انہوں نے ازراہِ جھوٹ اور بہتان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے ائمہ کی طرف منسوب کیا۔

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرب صحابہ کی تصویر کشی اس طرح سے کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے خلاف سازشیں کیں، سیادت و ولایت پر نظریں لگائیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن میں تحریف کی اور اسلام کی حقیقت کا صفایا کر کے رکھ دیا!۔

ایک انگریز مستشرق ڈاکٹر براؤن کہتا ہے: اہلِ ایران کی خلیفہ راشد دوم عمر سے عداوت کے اہم اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے عجم کو فتح کیا اور ان کی طاقت کو توڑا۔ تاہم انہوں (اہلِ ایران) نے اپنی دشمنی کو دینی و مذہبی رنگ دیا۔ حالانکہ حقیقت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔[1]

چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے پہلے تک تشیع بعض شیعان علی کی محض ایک سیاسی رائے کا نام تھااور یہ رائے علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ کے دلوں میں اس قدر بربریت اور عصبیت کے ساتھ نہیں پہنچی تھی جس غلو کے ساتھ بعد میں پہنچی۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہر اس شخص کی تکفیر کرنا شروع کر

1۔ تاریخ اُدبیات ایران، ڈاکٹر براؤن، ص: ۲۱۷، ج: ا، طبع ہندی ترجمہ شدہ بزبان اردو۔

دی جو علی رضی اللہ عنہ پر دوسرے خلفاء کو فضیلت دیتا۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ یعنی ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ادوار میں علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حق دار تھے۔ اس رائے کا اظہار بھی شاذو نادر ہی ہوتا تھا۔ جب علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ ہوئی تو بعض نفوس بھڑک اٹھے اور یہ رائے متشیعین کے دلوں میں گہرائی سے پہنچ کر ایک راسخ عقیدہ بن گئی جو اہلِ بیت کے زیادہ حق دار ہونے کے ساتھ مقرون تھا۔ حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد دل اور زیادہ بھڑک اٹھے اور یوں یہ رائے زور پکڑتی گئی اور حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی اس کے ساتھ آمیزش ہو گئی۔ خاص طور پر جب کہ اموی حکومت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود تھی اور جو لوگ اہلِ بیت کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے وہ اس مرحلے پر بنی امیہ کا قوت و تلوار کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے دلوں کو جذباتی انداز میں علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا اور اپنے معاملے کو خفیہ رکھنے کے لئے تقیہ کے اصول کا سہارا لیا۔

جو بات یہ ثابت کرتی ہے کہ شیعہ مذہب فارس میں قائم ہوا اور اس کے مجوسی بانیان کی طرف سے اس کو قوت ملی۔ ان کی تمام عرب کے ساتھ اور خاص طور پر صحابہ اور اہلسنت کی ساتھ عداوت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ساقط اور ختم ہو جانے والی سلطنت کی بھی بہت بڑائیاں اور تعریفیں بیان کرتے ہیں۔ اپنے کتابوں میں وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کسری کے بارے میں فرمایا: "اللہ نے اسے آگ کے عذاب سے نجات دے دی اور اس پر آگ حرام ہے"۔ متعصب فارسی المجلسی امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جھوٹ ہی روایت کرتا ہے کہ انہوں نے کسری کی یہ بات سنی کہ: " لیکن اس کفر کے باجود اللہ نے رعیت کے مابین میرے عدل و انصاف کی بدولت مجھے آگ کے عذاب سے نجات دے دی۔ میں آگ میں ہوں اور آگ مجھ پر حرام ہے"۔[1]

وسائل الشیعہ میں مذکور ہے کہ ۔۔۔ایک آدمی نے ابو عبداللہ علیہ السلام کے سامنے ایک مجوسی کو برابھلا کہا۔ انہوں نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا اور منع کر دیا۔ وہ شخص کہنے لگا کہ: اس نے

1۔ بحار الانور: ۴۱/۴، اس روایت کو شاذان القمی نے کتاب الفضائل میں اور محمد بن جریر الشیعی نے نوادر المعجزات میں روایت کیا ہے۔

اپنی ماں سے نکاح کیا ہے۔ اس پر ابو عبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تم نہیں جانتے کہ یہ ان کے نزدیک (جائز) نکاح ہے؟"۔[1]

مجوسی ماؤوں اور بہنوں سے نکاح کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مجوسیوں کے علاقوں کی فتح کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ان کے دین کی رو سے جس مجوسی کا اپنی ماں یا بہن سے نکاح ہو ان کے مابین علیحدگی کرا دی جائے ۔ ان لوگوں کا دعوی ہے کہ متعہ کو عمر رضی اللہ نے حرام کیا تھا۔ چنانچہ بانیانِ مذہبِ شیعہ نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھنے، اس کو اس کا عوض فراہم کرنے اور اپنی شہوات کی تسکین کے لئے بدلے میں زنا متعہ اپنا لیا۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ فارسی مجوسی اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل ابولؤلؤ فیروز کی بڑی عزت و تعریف کرتے ہیں۔ز

فارسی شہر کاشان کے اندر میدان فیروزی میں ایک مزار ہے۔ یہ ابولؤلؤ کی قبر کا مزار ہے۔ اسے وہ بابا شجاع الدین کا نام دیتے ہیں اور اس کی موت کی یاد میں تعزیے نکالتے ہیں اور روتے پیٹتے ہیں۔ یہ شیعوں کا روحانی باپ ہے۔ اسی طرح عیدِ نیروز جس کا شیعہ لوگ بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اسے مناتے ہیں وہ ایک فارسی عید ہے اور تاریخ نگار ذکر کرتے ہیں کہ ملوکِ فارس میں سب سے پہلے جمشید نے اسے ایجاد کیا تھا۔ یہ عید چھے دن کے لئے ہوتی ہے اور ان کی سب سے بڑی عید ہے۔ بانیانِ مذہب شیعہ نے اپنی کتابوں میں امام صادق کی طرف منسوب کرتے ہوئے شیعہ کے لئے اس کی بنیاد فراہم کی ہے۔ حالانکہ ان کاان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ ان پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

ان میں سے ایک ہم ذکر کئے دیتے ہیں۔ امام صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب یومِ نیروز ہو تو غسل کر کے اپنے صاف ترین کپڑے زیب تن کرو"۔ (اسی طرح یومِ نیروز کے بارے میں ایک اور روایت ہے کہ) "نیروز کے دن امیر المومنین علیہ السلام کے پاس ایک ہدیہ لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ: اے امیر المومنین! یہ نیروز کے دن (کا ہدیہ) ہے۔ آپ نے فرمایا: ہمارے لئے ہر دن کو یومِ نیروز بنا دو"۔[2]

1۔ وسائل الشیعہ، باب میراث المجوس، ص: ۳۱۷، باب تحریم قذف المجوس، ص: ۳۱۸

2۔ دیکھیں: وسائل الشیعہ، ۱۷۸/۳، مستدرک الوسائل، ۳۵۲/۶، البحار، ۳۰۸/۵۲

عربوں کے ساتھ ان کے بغض و عداوت کی دلیل (جو ثابت کرتی ہے کہ وہ روایات کو بطورِ انتقام وضع کرتے تھے نہ کہ شرعی مقاصد کے لئے) یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعظیم کرتے ہیں اور حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کی تعظیم نہیں کرتے۔ کیونکہ حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد جو ان کی بیوی شہر بانو بنت یزدجرد سے ہے، ان کے ماموں فارسی ہیں اوردوسری وجہ یہ کہ حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے تھے۔[1]

چنانچہ انہوں نے اپنے ائمہ کو حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی باندی کی نسل سے صرف اس لئے منتخب کیا کہ ان کی رگوں میں فارسی خون ہے۔ ان کے پاس کوئی بھی ایسا صحیح مصدر نہیں ہے جو وضاحت کرتا ہو کہ صرف یہی ائمہ معصوم کیوں ہیں اور دوسرے ان کی طرح کیوں نہیں ہیں؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسن علیہ السلام کے بیٹے ائمہ نہیں ہیں۔

محمد علی امیر معزی جو ایک شیعہ فرانسیسی اور ایرانی محقق ہے نیٹ پر اپنی ویب سائٹ پر لکھتا ہے: "زردشت مذہب کے بنیادی مفاہیم مذہب میں داخل ہو گئے حتی کہ بعض چھوٹی چھوٹی جزئیات میں بھی اور سیدنا حسین کی آلِ ساسان کے آخری بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ شادی قدیم ایران کا ایک رمز بن گیا کہ یہ لڑکی ان کے تمام ائمہ کے لئے ام اول بن گئی اور اس کی وجہ سے تشیع اور قدیم مجوسی ایران کے مابین ایک اخوت کا عقد قائم ہو گیا"۔ یہ ایک اندر کے شخص کی گواہی ہے۔ کیا شیعہ عوام اور خاص طور پر عرب شیعہ اس پر کچھ سوچ و بچار کریں گے!!؟۔

اسی طرح فارس سے تعلق رکھنے والے عجمی وضاعین کا دیگر سب صحابہ کو چھوڑ کر صرف جلیل القدر صحابی سلمان فارسی کے لئے تعصب اس لئے ہے کہ وہ فارسی ہیں۔ حالانکہ ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کی طرف وحی آتی تھی۔[2]

انہوں نے ان سے افضل صحابہ جیسے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی تکفیر کی اور ان پر طعن زنی صرف اس لئے کی کہ وہ عرب ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ شیعہ وضاعین نے اپنی فارسیت کی نصرت میں یہ مذہب بنایا ہے نہ کہ اللہ کے دین کی نصرت میں۔

1۔ دیکھیں: ابوالفرج الاصفہانی، مقاتل الطالبین، ص: ۸۸، ۱۴۲، ۱۸۸، الاربلی، کشف الغمہ، ج: ۲، ص: ۶۴، المجلسی، جلاء العیون، ۵۸۲، بحار الانوار، المجلسی، ۳۲۹/۴۵، التنبیہ و الاشراف، ابوالحسن علی المسعودی، ص: ۲۶۳

2۔ دیکھیں: رجال الکشی، ص: ۲۱

کوئی بھی مسلمان اگرچہ وہ پیدائشی طور پر عرب نہ بھی ہو وہ قرآن اور نبی عربیﷺ کی محبت کی بنا پر اور اس وجہ سے عربوں سے محبت کرتا ہے کہ تمام عالم تک اسلام کے پیغام کو یہی لوگ لے کر گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام جس میزان کے ساتھ لوگوں پر حکم لگاتا ہے وہ بالکل واضح ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

«بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے»۔

لیکن مجوسی فارسی عجم عربوں سے بغض رکھتے ہیں۔ عرب مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوت اور حسد واضح ہے حالانکہ وہ تمام امتوں سے بہترین امت ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالی کے اس فرمان کی بیان کردہ تفسیر ہے کہ:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]

«تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کے لیے بھیجی گئیں۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو»۔

فارسی القمی کی تفسیر میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھنے والے سے فرمایا: (خَيْرَ أُمَّةٍ) بہترین امت کے لوگ کیا امیر المومنین اور حسن اور حسین بن علی علیہم السلام کو قتل کرتے ہیں؟ ان سے پوچھا گیا کہ: اے رسول اللہ کے بیٹے! وہ کس طرح؟ انہوں نے فرمایا: یہ آیت یوں نازل ہوئی کہ —﴿كُنتُمْ خَيْرَ أَئِمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: ۱۱۰]— (تم بہترین امت تھی جو لوگوں کے لئے نکالی گئی تھی)۔(1)

فیض الکاشانی کی تفسیر الصافی میں اس آیت کی تفسیر میں صادق علیہ السلام سے روایت آئی ہے کہ ان کے سامنے آیت (كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ) پڑھی گئی تو انہوں نے فرمایا: بہترین امت کے لوگ امیر المومنین اور علی علیہ السلام کے دونوں بیٹوں حسین و حسن کو قتل کرتے تھے۔ آیت پڑھنے والے نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، یہ آیت کس طرح نازل ہوئی؟ فرمایا: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أَئِمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾— (تم

1۔ تفسیر القمی، ج: ۱، ص: ۱۰

بہترین امت تھی جو لوگوں کے لئے نکالی گئی تھی)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے یہ کہہ کر ان کی مدح کی کہ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اسی طرح شیعہ دین کو گھڑنے والوں کے پاس ایسی ایسی باتیں ہیں جن سے اللہ ان کے باطن کا پول کھولتا ہے اور یہ جو افتراءپردازیاں کرتے ہیں ان سے اللہ کی سچے دین کی براءت کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی کتابو ں میں ان کے مہدی القائم اور موہوم امام عصر کے بارے میں ایسی سینکڑوں روایات ہیں جو نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ لوگ اس بغض و عداوت کی بنا پر نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو چکے ہیں جس نے ان کے دلوں کو بھر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ جو پسند کرتے ہیں وہ لکھ دیتے ہیں ۔ اے سوچ و بچار کرنے والے شیعہ ! یہ روایت آپ کے پیشِ خدمت ہے:

علاء بن محمد بن مسلم سے روایت ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "اگر لوگ جان لیں کہ امام قائم جب نکلیں گے تو کیا کریں گے تو لوگوں کو قتل کرنے کی وجہ سے اکثر لوگ ان کو نہیں دیکھنا پسند کریں۔ وہ قریش سے آغاز کریں گے ۔ تلوار ہی ان کو (اگر کچھ دینا ہوا تو) دے گی اور تلوار ہی ان سے کچھ (اگر لینا ہوا تو) لے گی۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگ کہنا شروع ہو جائیں گے کہ یہ آلِ محمد سے نہیں ہیں، اگر یہ آلِ محمد سے ہوتے تو رحم کرتے"۔[1]

ابو عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "جب آلِ محمد علیہ السلام میں سے امام القائم آئے گا تو وہ پانچ سو قریشیوں کو کھڑا کرکے ان کی گردنیں مار دے گا، پھر پانچ سو مزید کی گردنیں مارے گا۔ یہاں تک کہ وہ ایسا چھے دفعہ کرے گا"۔[2]

ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ انہو ں نے فرمایا: "جب امام القائم آئیں گے تو ان کے اور عربوں اور قریش کے مابین (فیصلہ کن شے) صرف تلوار ہو گی۔ ان سے (اگر کچھ لینا ہوا تو وہ) تلوار ہی لے گی۔ ان کو خروجِ امام القائم کی جلدی نہیں۔ ان کا لباس موٹا ہو گا اور ان کا کھانا روکھی جَو ہو گا ۔ وہ سراپا تلوار ہوں گے اور تلوار کے سائے تلے موت ہو گی"۔[3]

1۔ الغیبہ، النعمانی، ص: ۲۳۳، ج: ۱۸

2۔ الارشاد، ص: ۳۶۴، بحار الانوار، ۳۳۸/۵۲

3۔ الغیبہ، النعمانی، ج: ۱۹، ص: ۲۳۳

چنانچہ تشیع ایک انتقامی اور سیاسی فارسی رجحان ہے جس کا مقصد فتنہ پھیلانا ہے نہ کہ اہلِ بیت کی نصرت کرنا۔

ابن حزم الاندلسی کا شمار تصنیف و تالیف کے اعتبار سے اندلس اور علمائے اسلام میں بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ ان کی پیدائش ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں ہوئی اور وفات ۴۵۶ھ میں ہوئی ۔ وہ کہتے ہیں: " چونکہ فارسیوں کو وسیع بادشاہت اور تمام اقوام پر بالادستی حاصل تھی اور خود کو وہ بہت بڑا جانتے تھے کہ اپنے آپ کو آزاد اور آقا کا نام دیتے جب کہ باقی تمام لوگوں کو اپنا غلام گردانتے۔ جب ان پر یہ آزمائش آئی کہ عربوں کے ہاتھوں ان کی حکومت جاتی رہی۔ حالانکہ فارسیوں کے ہاں عرب سب سے کم خطرناک قوم تھی، تو معاملہ ان کے ہاں بہت سنگین ہو گیا اور ان کی مصیبت دو چند ہو گئی۔ انہوں نے مختلف اوقات میں جنگ کے ذریعے اسلام کو زک پہنچانے کی کوشش کی۔ تاہم ہر دفعہ اللہ تعالیٰ حق کا بول بالا کرتے رہے۔ وہ سمجھ گئے کہ حیلہ بازی کے ذریعے اگر اسلام کو نقصان پہنچایا جائے تو وہ زیادہ مفید رہے گا۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر کے اہلِ تشیع کو اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا بایں طور کہ وہ اہلِ بیت کی محبت کا اظہار کرتے اور بزعم خود علی رضی اللہ عنہ پر ہونے والے ظلم کو بہت بُرا سمجھتے - پھر وہ ان کو لے کر ان ان راستوں پر چلے کہ بالآخر ان کو راہِ ہدایت سے نکال ہی دیا"۔[1]

شیخ محمد ابو زہرہ اپنی کتاب "تاریخ المذاهب الإسلامية" میں لکھتے ہیں: عرب لوگ آزادی پر ایمان رکھتے ہیں جب کہ فارسی لوگ بادشاہت اور شاہی خاندان میں موروثیت پر ایمان رکھتے ہیں اور نہیں جانتے کہ خلیفہ کا انتخاب کیا معنی رکھتا ہے۔ نبی ﷺ رفیق اعلی کی طرف انتقال فرما گئے اور انہوں نے اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہ چھوڑا۔ چنانچہ ان کے بعد سب سے زیادہ حق دار ان کے چچازاد علی بن ابی طالب تھے۔ لوگوں میں سے جس کسی نے خلافت لی جیسے ابو بکر، عمر اور عثمان توانہوں نے خلافت اس کے اصل مستحق سے غصب کی۔ اہلِ فارس عادی ہو چکے تھے کہ وہ بادشاہت کو تقدیس کی نگاہ سے دیکھیں ۔ انہوں نے بعینہ اسی نظر کے ساتھ علی اور ان کی اولاد کو دیکھا اور کہہ دیا کہ: امام کی اطاعت واجب ہے، اس کی اطاعت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ کثیر تعداد میں فارسی

1۔ ابن حزم، الفصل فی الملل و الأهواء و النحل: ۲/۲۷۳

اسلام میں داخل ہوئے تاہم وہ ایسے بہت سے سابقہ عقائد سے تہی نہیں ہوئے تھے جن کو وہ کئی نسلوں سے وراثت میں پاتے آئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی قدیم آراء کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا۔ چنانچہ شیعہ علی اور ان کے بیٹوں کو بالکل اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے ان کے اولین آباءو اجداد موروثی بادشاہوں کو دیکھا کرتے تھے۔

ابوزہرہ کہتے ہیں: ہمارا پختہ یقین ہے کہ بادشاہت اور وراثت کے بارے میں شیعہ فارسی افکار سے متاثر ہوئے ۔ ان کے مذہب اور فارسی بادشاہت کے نظام کے مابین مشابہت واضح ہے۔ اس کی تاکید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر اہلِ فارس شیعہ ہیں اور اولین شیعہ بھی سرزمینِ فارس سے تھے۔ (1)

اس بات کی واضح علامت کہ امامت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں شیعہ کے بیسیوں فرقے ہونا ہے۔ اس میں قطعی دلالت ہے کہ شیعہ مذہب کا اکثر حصہ خود ساختہ ہے۔ یہ کون سا دین ہوا جو اس امت کے نبی ﷺ اور خاتم الانبیاء و المرسلین کے بعد آ کر بنتا ہے اور نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اس طرح کے شیعہ گروہ اور ان کے نام تک نہیں تھے۔ اللہ کا دین ایک ہے جو بدلتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم اور خاتم الانبیاء و الرسل کو تب ہی وفات دی جب آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے جو خیر الامم ہے عظیم دینِ اسلام مکمل کر دیا۔

حسن بن علی الطبرسی جو اثناعشری شیعہ کے فقہاء میں سے ہے اور جس کی وفات تقریبا ۶۹۸ھ میں ہوئی اپنی کتاب "أسرار الإمامة" کی فصل (ما قيل في فرق الشيعة) میں لکھتا ہے:

جہاں تک تعلق ہے شیعہ کا، تو وہ پانچ (فرقے) ہیں: زیدیہ، ان کے پانچ گروہ ہیں: بتریہ، جارودیہ، دکینیہ، خلفیہ اور خشبیہ۔ شیعہ کا دوسرا فرقہ کیسانیہ ہے۔ یہ ان چار گروہوں میں بٹ گئے: مختاریہ، کربیہ، اسحاقیہ اور حربیہ۔ شیعہ کا تیسرا فرقہ غالیہ ہے ۔ ان کے نو فرقے ہیں: واصلیہ، سبایہ، یعفوریہ، غرابیہ، ربعیہ، یعقوبیہ، غمامیہ، اسماعیلیہ اور ازوریہ۔ شیعہ کا چوتھا فرقہ سبعیہ ہے۔ ان کے دو فرقے بن گئے تھے: صاحبیہ اور ناصریہ۔ کہا جاتا ہے کہ شیعہ کے اصل میں ستر سے کچھ اوپر فرقے تھے تاہم ان میں سے اکثر ناپید ہو گئے اس لئے انہوں نے تصنیفات میں ان کا ذکر نہیں کیا۔ ناووسیہ نے

1۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں: محمد ابو زھرۃ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ، ۱/۳۷، احمد امین، فجر الاسلام، ص: ۲۷۷، عرفان عبد الحمید، دراسات فی الفرق، ۲۳، فلھوزن، احزاب المعارضہ السیاسیہ الدینیہ فی صدر الاسلام، ص: ۱۶۸، فلوتن، السیادۃ العربیہ، ص: ۷۶

کہا تھا کہ: صادق علیہ السلام ہی امامِ قائم اور امام غائب ہیں۔ فطحیہ وہ ہیں جو عبداللہ الافطح بن صادق علیہ السلام کی امامت کے قائل تھے۔واقفیہ وہ ہیں جن کے بقول موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو نہ تو موت آئی اور نہ ہی وہ قتل کئے گئے، وہ زندہ ہیں اور ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ رضا علیہ السلام کی امامت میں انہوں نے توقف کیا۔ یہ سب کیسانیہ کے فرقے ہیں۔ شیعہ کا پانچواں فرقہ امامیہ اثناعشریہ ہے۔

علماءِ فرق نے شیعہ کی طرف منسوب فرقوں کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ان فرقوں نے بہت زیادہ غلو کیا۔ بعض دیگر فرقے غلو میں کچھ کم تھے۔ تاہم یہ سب کے سب غالی اور مبتدع ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا خود بھی اپنے ائمہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ائمہ بارہ ہیں جب کہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ائمہ گیارہ ہیں اور ایک اور گروہ کہتا ہے کہ ائمہ تیرہ ہیں۔ چنانچہ وہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں۔

جو شخص مزید تفصیل چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ ابوالحسن الاشعری کے مقالات الإسلامیین، شہرستانی کی کتاب الملل و النحل، ابو الظاہر البغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق اور ڈاکٹر غالب بن علی عواجی کی کتاب فرق معاصرۃ کا مطالعہ کرے۔

کیا عقیدے کی صحت کے بارے میں تحقیق کرنا درست ہے؟

میں ایک حدیث ذکر کرتا ہوں جو گزشتہ عنوان کا جواب ہے۔ آپﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: "یہودیوں کے ۷۱ فرقے اور نصاری کے ۷۲ فرقے ہو گئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی"۔[1]

اس عظیم حدیث نبویﷺ میں کافی کچھ تنبیہ ہے۔ اللہ کے حبیبﷺ کی بات جن کو جوامع الکلم عطا کئے گئے تھے۔ ہم غیر معصوم انسانوں کی ان ٹوٹی پھوٹی باتوں پر مشتمل بیسیوں صفحات سے مستغنی کر دیتی ہے۔

یہ حدیث شیعہ کے باشعور افراد اور تمام گمراہ فرقوں کو دعوت دیتی ہے کہ وہ حق کی پوری جستجو کریں، اس کی اتباع کریں اور اندھی فرقہ بازی اور جہنم تک لے جانے والے تباہ کن تعصب کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ اللہ کا عذاب بہت شدید ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَلَوۡ يَرَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوٓاْ إِذۡ يَرَوۡنَ ٱلۡعَذَابَ أَنَّ ٱلۡقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعٗا وَأَنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعَذَابِ﴾ [البقرة: ۱۶۵]

«اور کاش دیکھتے وہ لوگ جو ظالم ہیں جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے»۔

چنانچہ نجات اللہ کی رحمت کے بعد صرف صحیح عقیدے کے ساتھ اللہ کی عبادت میں ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ یہی کامیابی پانے کا وہ واحد راستہ ہے جو جنت تک لے جاتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿فَمَن زُحۡزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدۡخِلَ ٱلۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَۗ وَمَا ٱلۡحَيَوٰةُ ٱلدُّنۡيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلۡغُرُورِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

«پھر جو کوئی دوزخ سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ پورا کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کی پونجی کےاور کچھ نہیں»۔

1۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۵۹۶

چنانچہ درست عقیدے کی جستجو کرنا عینِ صواب، کمالِ عقل اور توفیق ربانی ہے۔ بلکہ یہ ہر پڑھے لکھے اور ان پڑھ شخص پر فرض عین اور سب سے اہم کام ہے اور اس میں کچھ اشکال نہیں۔

چنانچہ ضروری ہے کہ انسان اپنے آپ سے سوال کرے کہ کیا میں اس درست عقیدے پر قائم ہوں جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور جو اس کی رضا کا باعث ہے؟ یہ کامیابی کی طرف پہلا قدم ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص ۱۰۰٪ درست عقیدہ رکھتا ہے وہ بھی اللہ کی محبت اور اپنے رب کے خوف سے نہ کہ اپنے عقیدے میں شک کی بنا پر کمالِ علم اور عملِ صالح کی جستجو کرتا ہے اور پوری رضامندی و محبت اور اپنے رب پر پوری توجہ کے ساتھ اس کی پیروی کرتا ہے اور یہ بات ایمانِ صحیح میں سے ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ۝٦﴾ [الفاتحة: ٦]

«ہمیں سیدھا راستہ دکھا»۔

پاکیزہ نفوس کے مالک سچے طالبانِ علم جو (اللہ کی طرف) متوجہ ہوں خواہ ان پڑھ ہوں یا پڑھے لکھے ان کے صدق کو جان کر اللہ ان کو ہدایت دیتا ہے اور ان کی اصلاحِ حال فرماتا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَءَامَنُواْ بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٖ وَهُوَ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّهِمۡ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّـَٔاتِهِمۡ وَأَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ۝٢﴾ [محمد: ٢]

«اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اور اُس چیز کو مان لیا جو محمد پر نازل ہوئی ہے، اور ہے وہ سراسر حق ان کے رب کی طرف سے، اللہ نے ان کی برائیاں اُن سے دور کردیں اور ان کا حال درست کردیا»۔

اس کی رحمت کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے گمراہ گروہوں کی علامت رکھ دی کہ ان کے معتقدات میں تناقض و اشکالات پائے جاتے ہیں جو ان کے عقائد اور عبادات کے مطالعے پر پریشان کن سوالوں کے ساتھ ان کے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ یعنی حق ہر شخص کے لئے واضح ہے جو کچھ تھوڑی سی بھی بصیرت رکھتا ہو اور اللہ سے ڈرتا ہو وگرنہ اللہ جہنم پیدا نہ فرماتا اور اس کو ظالمین و متکبرین سے نہ بھرتا۔ اللہ سبحانہ و تعالی کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ﴾ [ق: ۳۰]

«وہ دن جب کہ ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا اور کچھ ہے»؟۔

مجھے یقین ہے کہ یہ اندیشہ کہ : (کیا میں درست عقیدے پر ہوں؟) ان گروہوں کے ان لوگوں کے دلوں میں ضرور پیدا ہوتا ہے جن کے دل زندہ ہیں۔ و الحمد للہ رب العلمین۔

اہلسنت کے مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم.

۲. أحمد بن حجر الہیثمی: الصواعق المحرقة في الرد علی أهل البدع و الزندقة، دار الطباعة المحمدیة، قاہر، مکتبہ قاہرہ.

۳. أحمد بن حنبل الشیبانی: مسند امام أحمد، ناشر: مکتبِ اسلامی اور دار صادر، بیروت.

۴. أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ: مجموع فتاوی شیخ الإسلام أحمد بن التیمیة، سالِ اشاعت: ۱۴۲۵ھ- ۲۰۰۰ء

- منهاج السنہ، تحقیق: ڈاکٹر محمد رشاد، ناشر: مؤسسة قرطبة، طبع اول۔
- الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، تحقیق: علي بن حسین، عبدالعزیز بن إبراهیم، حمدان بن محمد، ناشر: دار العاصمة،سعودیہ، طبع دوم، ۱۴۱۹ ھ— ۱۹۹۹ء
- بیان تلبیس الجهمیة في تأسیس بدعهم الکلامیة، تحقیق، محققین کا ایک گروہ، ناشر: شاہ فہد کمپلیکس برائے طباعت قرآن کریم، طبع اول، ۱۴۲۶ھ۔
- درء تعارض العقل والنقل، تحقیق: محمد رشاد، ناشر: دار الکنوز الأدبیة، الریاض، ۱۳۹۱ھ۔

۵. أبو بکر أحمد بن عمرو العتکي المعروف بالبزار، مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار، تحقیق: محفوظ الرحمن زین الله، ناشر: دار المغني، سعودیہ، طبع اول، سال:۱۴۱۲ ھ- ۲۰۰۰ء

۶. أحمد بن علي هلال التمیمي (أبو یعلی): مسند أبو یعلی، تحقیق: حسین سلیم، ناشر: دار المأمون للتراث، دمشق، طبع اول، سال: ۱۴۰۴ھ- ۱۹۸۴ء

۷. أحمد بن علي بن حجر العسقلانی:

- الکافي الشافي في تخریج أحادیث الکشاف، ناشر: دار إحیاءالتراث العربي، طبع اول: ۱۴۱۸ھ
- لسان المیزان، تحقیق: عبدالفتاح أبي غدة، ناشر: مکتب المطبوعات الإسلامیة، سالِ اشاعت: ۱۴۲۳ ھ- ۲۰۰۲ء

۸. أحمد الخطيب البغدادي: الكفاية لمعرفة أصول الرواية، بحث وتخريج: محمد خالد عبيد، ڈاکٹریٹ أصول الدين، امام محمد بن سعود یونیورسٹی، ۱۴۱۶ھ
۹. أحمد الدويش: فتاوی اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء بالسعودية، جمع وترتيب: أحمد الدويش، طبع:الرئاسة العامة للإفتاء بالرياض، ۱۴۱۱ ھ
۱۰. إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي:
- تفسير القرآن العظيم، تحقيق: سامی محمد السلامة، ناشر: دار طيبة، طبع دوم، ۱۴۲۰ ھ- - ۱۹۹۹.
- البداية والنهاية، دار عالم الكتب، سال طباعت: ۱۴۲۴ ھ- - ۲۰۰۳ء
۱۱. بدر الدين عبد الله محمد بن علي الحنبلي البعلي: مختصر الفتاوى المصرية لابن التيمية، تحقيق: عبدالمجيد سليم – محمد حامد الفقي، ناشر: مطبعة السنة المحمدية.
۱۲. تاج الدين عبد الوهاب بن تقی الدين السبكي: طبقات الشافعية الكبرى، تحقيق: ڈاکٹر محمود الطناحي، ڈاکٹر عبدالفتاح الحلو، ناشر: هجر، طبع دوم، ۱۴۱۳ ھ
۱۳. تقی الدين علي بن عبدالكافي السبكي (أبو الحسن)، فتاوى السبكي، ناشر: دار المعارف.
۱۴. مالك بن أنس رضی اللہ عنہ، الموطاء لإمام الأئمة، جزء اول، تصحيح و ترقيم: فؤاد عبدالباقي، دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان ۱۴۰۶ھ- ۱۹۸۵ء
۱۵. محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي: سير أعلام النبلاء، تحقيق: شعيب الأرناؤوط، بشار معروف و دیگر، ناشر: مؤسسة الرسالة، طبع دوم، ۱۴۰۲ ھ- - ۱۹۸۲ء
۱۶. محمد أحمد مصطفى أحمد المعروف بأبي زهرة: تاريخ المذاهب الإسلامية، دار الفكر العربي، قاہرہ، طبع: دار الثقافة.
۱۷. محمد بن الحسين بن محمد بن خلف بن أحمد البغدادي، الحنبلي المعروف بالقاضي أبي يعلى
- كتاب المعتمد في أصول الدين، تحقيق: وديع حداد، دار المشرق، بيروت، طبع اول، ۱۹۸۶ء
- طبقات الحنابلة، تحقيق: محمد الفقي، ناشر: دار المعرفة، بيروت.
۱۸. محمد بن عبدالرحمن بن عبدالرحيم المباركفوري: تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي، دار الكتب العلمية، بيروت.
۱۹. محمد بن عيسى الترمذي (أبو عيسى): سنن الترمذي (الجامع الكبير)، تحقيق: بشار عواد معروف، ناشر: دار الغرب الإسلامي، طبع اول، ۱۹۹۶ء

۲۰. سليمان بن الأشعث السجستاني (أبي داؤد): سنن أبي داود، ناشر: محمد علي السيد، حمص.

۲۱. عبد الرحمن بن ناصر السعدي: تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، تحقيق: عبد الرحمن اللويحق، ناشر: مكتبه دار السلام، رياض، طبع دوم، ۱۴۲۲ھ- ۲۰۰۲ء

۲۲. علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي:

- المحلى بالآثار، تحقيق عبدالغفار سليمان البنداري، ناشر: دار الكتب العلمية.
- الفصل في الملل والأهواء والنحل، تحقيق: أحمد شمس الدين، ناشر: دار الكتب العلمية، سالِ اشاعت: ۲۰۰۷ء، طبع دوم.

۲۳. علي بن أبي بكر الهيثمي: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ناشر: دار الكتاب العربي، بيروت، ۱۴۱۸ ھ

۲۴. علي بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعي، المعروف بابن عساكر، تاريخ دمشق، دار الفكر للطباعة والنشر .

۲۵. علي بن محمد سلطان القاري: مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، دار الفكر للطباعة والنشر.

۲۶. علي بن محمد الشيباني الجزري ابن الأثير:

- جامع الأصول في أحاديث الرسول، تحقيق: عبد القادر الأرناؤوط.
- التتمة، تحقيق: بشير عيون، ناشر: مكتبه الحلواني، مطبعة الملاح، مكتبه دار البيان، طبع اول، ۱۳۸۹ ھ

۲۷. عياض بن موسى بن عياض السبتي اليحصبي (أبو الفضل):

- الشفا في تعريف حقوق المصطفى، دار الكتب العلمية، طبع دوم، ۱۴۲۲ ھ- ۲۰۰۲ ء
- الإلماع إلى معرفة أصول الرواية وتقييد السماع، تحقيق: أحمد فريد المزيدي، دار الكتب العلمية، طبع سوم.

۲۸. محمد بن إسماعيل البخاري: صحيح البخاري، ناشر: دار ابن كثير، دمشق بيروت، طبع اول، ۱۴۲۳ھ- ۲۰۰۲ء

۲۹. محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قيم الجوزية: الصواعق المرسلة في الرد على الجهمية والمعطلة، تحقيق: على الدخيل، ناشر: دار العاصمة، الرياض، طبع اول، ۱۴۰۸ھ

۳۰. محمد بن جرير الطبري: جامع البيان عن تأويل آي القرآن، ناشر: دار هجر

۳۱. محمد بن حبان البستي: صحيح ابن حبان / المسند الصحيح على التقاسيم و الأنواع، تحقيق: محمد سونمر وخالص آي دمير، ناشر: دار الضحى، بيروت.
۳۲. محمد بن عبد الله الطهماني النيسابوري: المدخل إلى كتاب الإكليل، تحقيق: د. فؤاد عبد المنعم، ناشر: دار الدعوة، الإسكندرية.
۳۳. سليمان بن أحمد اللخمي الطبراني: المعجم الأوسط، ناشر: مكتبة المعارف، رياض
۳۴. محمد ناصر الدين الألباني: سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها، طبع اول، ۱۴۱۵ھ- ۱۹۹۵ء، دار المعارف للنشر
۳۵. محمد بن يزيد القزويني.(ابن ماجة): سنن ابن ماجه، ناشر: دار إحياء الكتب العربية.
۳۶. مسلم بن حجاج: صحيح مسلم، تحقيق نظر بن محمد الفاريابي، ناشر: دار طيبة، طبع اول، ۱۴۲۷ھ- ۲۰۰۶ء
۳۷. مقبل بن هادي الوادعي: صعقة الزلزال لنسف أباطيل الرفض والاعتزال، ناشر: مكتبة صنعاء الأثرية
۳۸. يحيى بن شرف أبو زكريا النووي: شرح نووي على مسلم، دار الخير، سالِ اشاعت: ۱۴۱۶ ھ- ۱۹۹۶ء
۳۹. يحيى بن معين أبو زكريا: تاريخ ابن معين - رواية الدوري، تحقيق: د. أحمد محمد نور سيف، ناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، مكة المكرمة، طبع اول، ۱۳۹۹ھ- ۱۹۷۹ء
۴۰. يوسف عبد الله عبد البر: الاستيعاب في معرفة الأصحاب، تحقيق: محمد على البجاوي، ناشر: دار الجيل، طبع اول، سال ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲ء

شیعہ مصادر و مراجع

۱. اِبراھیم الموسوي: عقائد امامیة الاثنی عشریة، ناشر: الأعلمي للمطبوعات، طبع سوم، ۱۹۹۲ء

۲. احمد بن علي بن أبي طالب الطبرسي: الاحتجاج، تعلیقات وملاحظات: محمد باقر الموسوي الخرسان، ناشر: مؤسسة الاعلمي، مؤسسة أهل البیت، ۱۹۸۱ء

۳. أحمد بن علي النجاشي: الرجا، ط(۵)، مؤسسة النشر الاعلامی التابعة لجماعة المدرسین، ۱۴۱۶ھ

۴. آقا بزرک الطهراني: الذریعة إلی تصانیف الشیعة، تیار کردہ: أحمد الحسیني، طبع دوم، ۱۴۰۶ ھ۔ ۱۹۸۶ء، بیروت، دار الأضواء.

۵. ڈاکٹر براؤن: تاریخ أدبیات ایران، طبع ہندوستان، اردو میں ترجمہ شدہ

۶. ڈاکٹر جعفر الباقري،ثوابت ومتغیرات الحوزة العلمیة، ناشر: دار الصفوة، طبع اول، ۱۹۹۴ء

۷. جعفر کاشف الغطاء: کشف الغطاء عن مبهمات الشریعة الغراء، تحقیق ونشر: مکتب الأعلام الإسلامی فرع حرسان، قسم إحیاء التراث.

۸. جعفر مرتضی العسکری: مرآة العقول في شرح أخبار آل الرسول، المقدمة بقلم: جعفر العسکري، ناشر: دار الکتب الإسلامیة.

۹. جمال الدین احمد بن علي الحسني الداوودي المعروف بابن عنبة: عمدة الطالب في نساب آل أبي طالب، تحقیق: نزار رضا، ناشر: منشورات دار مکتبہ الحیاة، بیروت – لبنان.

۱۰. حبیب اللہ محمد بن ھاشم الخوئي: منھاج البراعة في شرح نھج البلاغة، ضبط وتحقیق: علی عاشور (۲۱ جلدیں)، طبع: ۱۴۲۴ھ

۱۱. الحسن بن یوسف بن المطھر الحلي (أبي منصور): خلاصة الأقوال في معرفة الرجال الأسدي، مؤسسة نشر الفقاھة، قم، إیران.

۱۲. حسین بن سلیمان الأعلمي الحائري: دائرة المعارف أو مقتبس الأثر، مطبع حکمت، قم: ۱۳۷۷ھ

۱۳. حمزة بن علي بن زھرة الحلبي: غنیة النزوع إلی علمي الإصول والفروع، تحقیق: إبراھیم البھادری، ناشر: مؤسسة امام الصادق للتحقیق والتألیف، طبع اول، ۱۴۱۷ ھ

۱۴. حسین النوری الطبرسی:

- خاتمة مستدرک الوسائل، تحقیق: مؤسسة آل البیت لِاحیاء التراث، قم.
- فصل الخطاب في إثبات تحریف کتاب رب الأرباب (کتاب درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے:

http://www. dd-sunnah. net/records/view/id/1575/

۱۵. حیدر الآملی: المقدمات من کتاب نص النصوص، تصحیح و تحقیق: ہنریکربین اور عثمان یحی، طبع: طہران، ۱۹۷۵ء

۱۶. رجب البرسی: مشارق أنوار الیقین في أسرار أمیر المؤمنین، تحقیق: علی عاشور، منشورات مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹ء

۱۷. روح اللہ بن مصطفی بن أحمد الموسوي الخمیني: الرسائل (رسالة التعادل والترجیح)، تحقیق: و تذییل: مجتبی طہرانی، طبع: ۱۳۸۵ھ،ناشر: مؤسسۃاسماعیلیان، کتاب درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے:

http://lfile. ir/feqhi-library/book486. pdf

- مختارات من أحادیث وخطابات امام الخمیني: نشر کردہ:مؤسسة تنظیم ونشر تراث الخمیني قسم الشؤون الدولیة، الحکومة الإسلامیة، طبع سوم، صفحات کی تعداد: ۱۵۴. کتاب درج ذیل لنک سے ڈاؤن لوڈ کی جا سکتی ہے:

http://ia600801. us. archive. org/13/items/438977843/hkouma-islamih. pdf

۱۸. سعد بن عبد اللہ بن أبي خلف الأشعري القمي: المقالات والفرق، تحقیق: محمد جواد مشکور، ۱۹۶۳م، طہران.

۱۹. سلطان محمد الجنابذي الملقب بسلطان علي شاہ: تفسیر بیان السعادة في مقامات العبادة، ناشر: منشورات مؤسسة الاعلمي للمطبوعات، طبع اول.

۲۰. سلیم بن قیس الہلالی: سلیم بن قیس، تحقیق: محمد باقر انصاری الزنجانی، نشر الہادی، قم، ایران، مطبع الہادی، طبع اول.

۲۱. شاذان بن جبرئیل القمي: الروضة في فضائل أمیر المؤمنین تحقیق: علی الشکرچی، طبع اول، ھ، ناشر: مؤسسة آل البیت لِاحیاءالتراث، بیروت.

۲۲. شہاب الدین الکرکي: ہدایة الأبرار إلی طریق الأئمة الأطہار، مطبع النعمان، نجف، طبع اول، ۱۳۹۶ھ

۲۳. عدنان بن علوي آل عبدالجبار الموسوي البحراني: مشارق الشموس الدرية في أحقية مذهب الإخبارية، منشورات المكتبة العدنانية، البحرين.
۲۴. علي بن إبراهيم القمي: تفسير القمي، دار الكتاب، قم، إيران.
۲۵. علي بن الحسين الموسوي المعروف بالشريف المرتضی: الشافي في امامة، تحقيق: عبد الزهراء الحسيني الخطيب، نظرثانی: فاضل الميلاني، ناشر: مؤسسة امام الصادق، طبع دوم: ۱۹۸۶ء
۲۶. علي المسعودي (أبو الحسن): التنبيه و الإشراف، تحقيق: عبدالله اسماعيل الصاوی، ناشر: مكتبہ الشرق الاسلاميہ، قاہرہ، ۱۹۳۸ء
۲۷. علي بن محمد معين آبادي لکھنوی ہندوستانی: أساس الأصول، دلدار، طبع: لکھنو، ہندوستان. ایک پرانا نسخہ بغیر تاریخ کے شاہ فہد نیشنل لائبریری، ریاض میں موجود ہے۔
۲۸. علي بن موسى بن طاووس الحسيني: الملهوف على قتلى الطفوف، تحقيق: فارس الحسون، دار الأسوة، طهران، ۱۴۱۷ء
۲۹. عماد الدين الحسن الطبرسي: أسرار الإمامة،، دار المرتضى للطباعة والنشر، طبع اول، ۲۰۰۵ء
۳۰. الفضل بن الحسن الطبرسي (أبو علي): مجمع البيان في تفسير القرآن والفرقان، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، طبع اول، ۱۴۱۵ھ – ۱۹۹۵ء
۳۱. الفيض الكاشاني محمد بن مرتضى:
- الصافي في تفسير كلام الله الوافي، طهران، منشورات الأعلمي بيروت - لبنان.
- كتاب الوافي، ناشر: مكتبہ امام أمير المؤمنين، اصفهان،ایران، طبع اول، ۱۴۰۶ء
۳۲. محمد بن إبراهيم بن جعفر النعماني: الغيبة، تحقيق: فارس حسون، ناشر: دار الجوادين، طبع اول، ۲۰۱۱ء
۳۳. محمد باقر الإيرواني: دروس تمهيدية في القواعد الرجالية،ناشر: مؤسسة انتشارات مدين، طبع دوم، ۲۰۰۷ء
۳۴. محمد باقر المجلسي:
- بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار، ناشر: مؤسسة الوفاء، بيروت.
- الأربعون حديثاً، تحقيق: فارس حسون، النشار مكتبة فدك لاحياء التراث – باقيات.

۳۵. محمد باقر الموسوي الخوانساري الاصفهاني: روضات الجنات في احوال العلماء والسادات، ناشر: الدار الإسلامية، طبع اول، ۱۴۱۱ھ

۳۶. محمد جواد مغنية: مع علماء النجف الأشرف، ناشر: دار و مكتبة الهلال، دار الجواد،طبع اول، ۱۹۹۲م.

۳۷. محمد بن الحسن الحر العاملي: وسائل الشيعة إلی تحصيل مسائل الشريعة، طبع أمير بهادر، يا موسسه آل بيت، قم، ایران: ۱۴۰۹ھ

۳۸. محمد بن الحسن بن علي الطوسی (أبي جعفر):

- تهذيب الأحكام، الطبعة الرابعة طهران، دار الكتب الإسلامية، ۱۳۶۵ه
- الفهرست، مؤسسة الوفاء، بيروت، طبع سوم، ۱۴۰۳ه
- التبيان في تفسير القرآن، ۱۳۶۵ھ، تحقيق: أحمد العاملی، طبع اول، طهران، مکتب الإعلام الإسلامی، ۱۴۰۹ھ
- اختيار معرفة الرجال المعروف برجال الكشي، تحقيق: جواد القيومی الاصفهانی، ناشر: مؤسسة النشر الإسلامی التابعة لجماعة المدرسين بقم المشرفة، طبع اول، ۱۴۲۷ھ.

۳۹. محمد بن الحسن بن فروخ الصفار: بصائر الدرجات، طبع دوم، قم، منشوراتِ کتابخانہ مرعشینجفی، ۱۴۰۴ھ

۴۰. محمد حسين آل كاشف الغطاء: أصل الشيعة وأصولها مقارنة مع المذاهب الأربعة، ناشر: دار الأضواء للطباعة والنشر، بيروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء

۴۱. محمد حسين فضل الله: الندوة، (۱۷) حصے جو کہ ہفتہ وار لیکچرز پر مشتمل ہیں جن کو وہ شام کے شہر السیدہ زینب میں ہفتے کی رات دیا کرتے تھے۔

۴۲. محمد صالح المازندراني: شرح أصول الكافي، تحقيق: مع تعليقات: أبو الحسن الشعراني، طبع اول، ۲۰۰۰ء - ۱۴۲۱ھ، دار إحياء التراث العربي للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت – لبنان.

۴۳. محمد طاہرالقمی شیرازی: الأربعين في إمامة الأئمة الطاهرين، تحقيق: مهدی الرجائی، مطبعة الأمير، طبع اول، ۱۴۱۸ھ

۴۴. محمد بن علي الاردبيلی الغروي الحائري: جامع الرواة وإزاحةالاشتباهات عن الطرق والاسناد، ناشر: منشورات مكتبه المرعشی، طبع اول، ۱۴۰۳ ھ

۴۵. محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القم (ابو جعفر):

- عیون أخبار الرضا، طھران، الطبعة الحجریة، أو بیروت، ۱۴۰۴ھ
- معاني الأخبار، مؤسسة النشر الإسلامی التابعة لجماعة المدرسین في الحوزة العلمیة بقم: ۱۴۰۳ھ
- کتاب التوحید، قم، مکتبہ الصدوق، طبع دوم، مؤسسة انتشارات إسلامی التابعة لجماعة المدرسین في الحوزة العلمیة، قم: ۱۳۹۸ھ۔
- علل الشرائع: ناشر: دار المرتضی – بیروت، طبع اول: ۲۰۰۶ء
- الأمالي: تقدیم: حسین الأعلمی، ناشر: منشورات مؤسسة الاعلمي للمطبوعات، طبع اول، ۲۰۰۹ء
- من لا یحضرہ الفقیہ، تصحیح وتعلیق: حسین الاعلمی، ناشر: منشورات الأعلمی، طبع اول، ۱۹۸۶ء
- روضة المتقین في شرح من لا یحضرہ الفقیہ، شرح: محمد تقی المجلسی، تحقیق: علی پناہ، حسین الموسوی، ناشر: بنیاد فرہنگ اسلامی، طبع اول
- الخصال، مؤسسة النشر الإسلامی التابعة لجماعة المدرسین بقم.

۴۶. محمد بن الفتال النیشابوري: روضة الواعظین، تحقیق : غلا محسین، مطبع نگارش، طبع اول، ۱۴۲۳ھ

۴۷. محمد بن محمد بن النعمان البغدادي المعروف بالمفید:

- الإرشاد في معرفة حجج الله علی العباد، قم، المؤتمر العالمی للشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ۔
- أوائل المقالات، ناشر: المؤتمر العالمی لآلفیة المفید.
- الإختصاص، تحقیق: علي أکبر غفاري، مؤسسة الأعلمي، لبنان.

۴۸. محمد بن محمد رضا القمی المشھدی: تفسیر کنز الدقائق وبحر الغرائب، تحقیق: حسین درگاہی، ناشر: مؤسسة شمس الضحی الثقافیة، طبع اول، ۱۴۳۰ھ

۴۹. محمد بن مسعود ابن عیاش المعروف بالعیاشي: تفسیر العیاشي، تصحیح و تعلیق: ھاشم المحلاتی، طباعت: منشورات مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، لبنان، بیروت.

۵۰. محمد بن یعقوب الکلینی: الکافي – الأصول والفروع والروضة، طھران، دار الکتب الإسلامیة، ۱۳۶۵ھ

۵۱. مرتضی المطھري:

- نقد الفکر عند الشیخ مرتضي مطهري، جمع وتصنیف: مہدی جہرمی، محمد باقر، ترجمہ: صاحب صادق، ناشر: المعهد العالمی للفکر الاسلامی، طبع اول، ۲۰۱۱ء
- اِحیاء الفکر الدینی في الِاسلام، مطہری، ترجمہ: آذر شب، طبع اول، طہران

۵۲. الموسوی الخوئی (ابو القاسم): معجم رجال الحدیث وتفصیل طبقات الرواة، ناشر: مؤسسة امام الخوئي الِاسلامیة.

۵۳. ناصر مکارم شیرازی: الَامثل في تفسیر کتاب الله المنزل، ناشر: مدرسة امام علي بن أبي طالب، طبع اول، تصحیح سوم، ۱۴۲۷ھ

۵۴. نعمة الله بن محمد بن عبد الله الموسوی الجزائری: الَانوار النعمانیة، ناشر: دار القاریٔ، دار الکوفة، طبع اول، ۲۰۰۸ء

۵۵. ہاشم بن سلیمان بن اسماعیل البحرانی: البرهان في تفسیر القرآن — مع مقدمة تفسیر البرهان المسماة بمرآة الَانوار ومشکاة الَاسرار، تحقیق: علماء و محققین کی ایک کمیٹی، ناشر: منشورات مؤسسة الَاعلمي، طبع دوم، ۲۰۰۶ء

۵۶. ہاشم معروف الحسنی: الموضوعات في الآثار والِاخبار عرض ودراسة، ناشر: دار التعارف، طبع اول، ۱۹۸۷ء

۵۷. یوسف احمد البحرانی:

- الحدائق الناضرة في أحکام العِترة الطاهرة، تحقیق: محمد تقی الایروانی، ناشر: دار الَاضواء، بیروت، طبع دوم، ۱۹۸۵ء
- لؤلؤة البحرین في الِاجازات وتراجم رجال الحدیث، تحقیق: محمد صادق بحر العلوم، ناشر: مکتبہ فخراوی، طبع اول، ۲۰۰۸ء
- الدرر النجفیة من الملتقطات الیوسفیة، تحقیق و اشاعت: مرکز دار المصطفی لِاحیاء التراث، طبع اول